# عصر حاضر میں اسلامی قانون

# کی معنویت

[ دوروزہ قومی سمینار منعقدہ مورخہ ۲۸-۲۹/مئی ۲۰۱۱
انڈین لاانسٹی ٹیوٹ نئی دہلی میں پیش کیے گئے
مقالات وخطابات کا مجموعہ ]

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : عصر حاضر میں اسلامی قانون کی معنویت

صفحات : ۲۳۰

سن طباعت : ۲۰۱۲ء

قیمت : ۱۴۰/روپے

**ناشر**

**ایفا پبلیکیشنز**

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

## مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

# فہرست


| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱- | پیش لفظ | مولانا خالد سیف اللہ رحمانی | ۷ |
| ۲- | استقبالیہ کلمات | مولانا صفدر زبیر ندوی | ۱۱ |
| ۳- | افتتاحی خطبہ | پروفیسر احمد اللہ خان | ۱۵ |
| ۴- | کلیدی خطبہ | مولانا خالد سیف اللہ رحمانی | ۴۳ |
| ۵- | خصوصی خطاب | پروفیسر اختر الواسع | ۶۱ |
| ۶- | تجاویز | | ۶۶ |


## مقالات


| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱- | موجودہ دور میں اسلامی قانون کی معنویت | حضرت مولانا محمد سالم قاسمی | ۶۹ |
| ۲- | دور حاضر میں اسلامی سزاؤں کی معنویت (زنا کی سزا) | مولانا عتیق احمد بستوی | ۷۷ |
| ۳- | اسلام کے تعزیری قوانین کی معنویت | مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی | ۹۹ |
| ۴- | عصر حاضر میں اسلامی قانون کی معنویت | مولانا اختر امام عادل | ۱۰۶ |
| ۵- | عدالتوں کے وکلاء اور اسلامی قانون | ڈاکٹر فہیم اختر ندوی | ۱۲۳ |
| ۶- | اسلام کے تعزیری قوانین کی معنویت | مولانا محمد رضی الاسلام ندوی | ۱۳۱ |
| ۷- | تدریس وتدوین قانون اسلامی کا معروضی مطالعہ - عصری موانع اور امکانات | ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی | ۱۴۳ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۸- | موجودہ عہد میں اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کی معنویت | مفتی ارتقاء الحسن کاندھلوی | ۱۷۱ |
| ۹- | ہندوستانی یونیورسٹیز کے شعبہ قانون کے نصاب میں اسلامی قانون کا تناسب | ڈاکٹر مبین سلیم ندوی ازہری | ۱۹۵ |
| ۱۰- | موجودہ عہد میں اسلامی حدود وتعزیرات کی معنویت | ڈاکٹر شمس الدین ندوی | ۲۰۹ |
| ۱۱- | عائلی قوانین کا نفاذ اور مشکلات | ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی | ۲۱۴ |
| ۱۲- | ہندوستان میں شرعی قوانین اور ہماری ذمہ داریاں | ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری ام ہانی | ۲۲۷ |


☆☆☆

# پیش لفظ

چمن کتنے ہی خوبصورت پھولوں، خوش رنگ پتیوں اور نگاہ کو بھانے والی پودوں سے آراستہ ہو؛ لیکن اگر خودرو پودوں کو صاف کرنے کا نظام نہ ہو اور کوئی مالی ان کو کاٹ چھانٹ نہ کرے تو وہ ایک بے ترتیب جنگل بن جاتا ہے اور اپنا حسن کھودیتا ہے، اسی طرح انسان کے اندر جذبات وخواہشات کا ایک سمندر موجزن ہے، انسان کے اندر بھلائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی، ضروری ہے کہ ان کی تہذیب کی جائے، جو باتیں قابل قبول ہوں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور جو باتیں نا قابل قبول ہوں، ان سے روکا جائے، قانون کا کام یہی ہے، وہ انسانی زندگی کی تہذیب کرتا ہے؛ اس لئے تاریخ کے نامعلوم عہد سے آج تک ہر مہذب معاشرہ ایک قانون کے تحت زندگی بسر کرتا آیا ہے۔

اب ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان خود اپنے لئے قانون بنائے، جس کو اصطلاح میں 'وضعی قانون' کہتے ہیں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق اپنے خالق ومالک کے بھیجے ہوئے قانون پر عمل کرے، اس کو 'الہامی قانون' کہا جاتا ہے۔ وضعی قانون میں ایک نقص تو یہ ہے کہ انسان کا علم محدود اور نا کافی ہے، وہ خود اپنے نفع وضرر سے بھی پوری طرح آگاہ نہیں، دوسرے: وہ خواہشات کا اسیر ہے، بعض اوقات ایک چیز کی مضرت کو جانتے ہوئے اپنی خواہش کے شدید تقاضہ کے تحت وہ اسے قبول کر لیتا ہے، تیسرے: اس کی فطرت میں خودغرضی ہے، اس لئے وہ تمام طبقات کے ساتھ انصاف برقرار نہیں رکھ سکتا؛ چنانچہ قانون کا ہتھیار استعمال کر کے کبھی ایک نسل کے لوگ دوسری نسل کو، کبھی ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذہب پر یقین رکھنے والوں کو اور کبھی اکثریت اقلیت کو اپنے ظلم وجور کا نشانہ بناتی رہتی ہے، نیز بہت سی دفعہ

انسانی خواہشات اخلاقی قدروں کو بھی پامال کر کے رکھ دیتی ہیں۔

'الہامی قوانین' کو اگرچہ ان خامیوں سے پاک ہونا چاہئے؛ لیکن بد قسمتی سے انسان کے مزاج میں ایک عنصر آمیزش اور ملاوٹ کا بھی رکھا گیا ہے، جہاں جہاں انسان کا بس چلتا ہے وہ اپنی اس عادت کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے، چاہے وہ مادی اشیاء ہوں یا معنوی؛ چنانچہ دنیا میں جتنی مذہبی کتابیں متبعین مذہب کے پاس موجود ہیں، ان میں کوئی نہیں جو انسانی آمیزشوں سے محفوظ ہوں، یہ ایسی بات ہے جس پر خارجی اور داخلی شہادتیں موجود ہیں اور بعض اوقات خود متبعین مذہب کو بھی اس کا اقرار واعتراف ہوتا ہے، اگر اس سے استثناء ہے تو صرف شریعت محمدی ﷺ کا؛ کیونکہ نبوت محمدی ﷺ کا سورج اسی لئے طلوع ہوا کہ پھر کبھی غروب نہ ہو، یہ ایسا گل سدا بہار ہے کہ اس کی خوشبو اور خوش رنگی پر کبھی زوال نہیں آئے گا، یہ بہار خزاں نا آشنا ہے اور یہ ایسا مہتاب جہاں تاب ہے جس کے لئے کوئی گہن نہیں، خدا نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور قیامت تک کسی کمی بیشی کے بغیر یہ امانت الٰہی محفوظ رہے گی۔

اس لئے اس وقت دنیا میں یہی ایک الہامی قانون ہے جو خدا کے نزدیک مقبول اور انسانیت کے لئے نفع بخش اور کامیابی کا ضامن ہے، یہ قانون حد درجہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق، فطرت انسانی سے ہم آہنگ، انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں کی تکمیل کا ضامن اور اخلاقی قدروں پر مبنی قانون ہے، افسوس کہ چونکہ شریعت اسلامی مغرب کے خدا بیزار تمدن اور اخلاق سے محروم نظام زندگی میں رکاوٹ ہے؛ اس لئے خاص طور پر اسلامی قانون کو ہدف بنانے اور چاند پر تھوکنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس پس منظر میں ضرورت ہے کہ اسلامی قانون کی معنویت، اہمیت، افادیت اور اس کی تعلیم کے موضوع پر اہل علم غور کریں اور اسے بحث وتحقیق اور فکر ونظر کا موضوع بنائیں، نیز عقل وفطرت کے اعتبار سے شریعت اسلامی کی بالادستی کو واضح کریں۔

اس پس منظر میں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، نے اسلامی قانون کی معنویت واہمیت اور اس کی تعلیم کے موضوع پر دہلی میں مورخہ ۲۸-۲۹؍مئی ۲۰۱۱ء کو ایک دوروزہ سمینار منعقد کیا

تھا، یہ بڑی مفید مجلس مذاکرہ رہی، جس میں علماء اور قانون داں دونوں حلقوں کی نمائندہ شخصیتوں نے شرکت کی، مقالات اردو میں بھی پیش کئے گئے اور انگریزی میں بھی، ان دونوں زبانوں کے مضامین کے مجموعے الگ الگ شائع کئے جارہے ہیں اور اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کلیدی خطبہ اور تجاویز -جو اردو زبان میں تھے- دونوں میں شامل رہیں؛ تاکہ انگریزی قارئین بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔

امید ہے کہ موضوع کی تفہیم کے لئے یہ مجموعے مفید ثابت ہوں گے اور دونوں حلقہ کے لوگ اس سے فائدہ اٹھاسکیں گے۔ **واللّٰہ ھو المستعان**۔

| | |
|---|---|
| خالد سیف اللہ رحمانی | ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ |
| (خادم اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا) | ۱۴ فروری ۲۰۱۲ء |

# استقبالیہ کلمات

پیش کردہ: مولانا صفدر زبیر ندوی ☆

**الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی رسوله الامین، اما بعد**

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی جانب سے ہونے والے اس دو روزہ سمینار کے افتتاحی اجلاس کے صدر عالی مقام حضرت **مولانا** سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، و امیر شریعت امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ و جھارکھنڈ)، اور اس اجلاس کے مہمان خصوصی پروفیسر احمد اللہ خان صاحب (سابق ڈین لا فیکلٹی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد)، اور اس افتتاحی اجلاس سے خطاب کرنے والے مؤقر مہمانان گرامی قدر جناب پروفیسر اختر الواسع صاحب (صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، و ڈائریکٹر ڈاکٹر ذاکر حسین اسلامک اسٹڈیز ریسرچ سینٹر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)، حضرت **مولانا** محمد قاسم مظفر پوری صاحب (قاضی شریعت، امارت شرعیہ پٹنہ)، حضرت مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی صاحب (سابق مفتی مالیر کوٹلہ پنجاب)، پروفیسر اقبال علی خان صاحب (صدر شعبہ قانون، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)، اور ملک کے مختلف دینی اداروں اور مدارس نیز عصری دانشگاہوں سے تشریف لائے ہوئے محترم علماء، مفکرین، دانشور، ماہرین قانون، اور اس ہال میں تشریف فرما مہمانان ذی وقار!

اس اہم سمینار میں ہم آپ تمام حضرات کا دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم کرتے ہیں اور پوری گرم جوشی کے ساتھ استقبال کرتے ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذمہ داران وکارکنان شکر گزار ہیں کہ آپ حضرات نے اکیڈمی کی دعوت پر اس سمینار کو رونق بخشی، اکیڈمی آپ کی تشریف

☆ معاون شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

آوری پر سراپا سپاس ہے۔

محترم حضرات!

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے بائیس سال کے مختصر عرصے میں اپنے بیس اہم سالانہ فقہی سمینار منعقد کئے جن میں تقریبا ۹۰ مختلف اور متنوع مسائل پر اہم فیصلے کئے اور امت مسلمہ ہندیہ کی ان سمیناروں کے ذریعہ بر وقت شرعی رہنمائی کی، ۹ دیگر علمی وفکری پروگرام کیے جن میں مسلم امت کے اس وقت کے سلگتے مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا اور ان کے مفید ومضر پہلوؤں کو اجاگر کر کے عوام اور حکومت دونوں کے سامنے پیش کیا گیا، اسی طرح اکیڈمی نے ۱۸ فقہی وتربیتی ورکشاپ کئے، جن میں مقاصد شریعت، جدید طبی مسائل، فقہ الاقلیات، اسلامی قانون اور آزادی کا تصور، اور اسی طرح عربی زبان کی تعلیم کا طریقہ وغیرہ موضوعات کے تحت سیکڑوں نوجوان فضلاء کی علمی وفکری تربیت کی گئی۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے ان ۲۰ فقہی سمیناروں، ۹ علمی وفکری پروگراموں اور ۱۸ تربیتی ورکشاپس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ تقریباً ۷ قانونی مسائل کو زیر بحث لایا گیا اور ان پر فیصلے کئے گئے، جن کے ذریعہ امت مسلمہ ہندیہ کو سوچنے کی ایک سمت دی گئی اور موجودہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک فکری لائحہ عمل دیا گیا، آج پھر اکیڈمی نے ایک ایسے نازک اور اہم موضوع پر بحث اور گفتگو کے لئے ہم سب کو جمع کیا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ موجودہ حالات میں زمانہ کا ساتھ نہیں دے رہا ہے، جس کے تعلق سے تشکیک آمیز باتیں کہی جاتی ہیں، اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون کو مخلوق کے بنائے ہوئے قانون سے کمتر ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور اللہ کے قانون کو موجودہ مسلمانوں کا قانون کہہ کر اس پر طرح طرح سے حملے کیے جارہے ہیں، ان حملوں کا دفاع کرتے ہوئے اس کا صحیح حل اور جواب مسلم امت کی طرف سے ہم ہی لوگوں کو پیش کرنا ہے اسی فکر کو لے کر اکیڈمی نے آج یہاں ماہرین وضعی قانون اور ماہرین اسلامی قانون دونوں کو جمع کیا ہے تاکہ دونوں ماہرین کے مابین تبادلہ معلومات کے

ذریعہ ایک صحیح، مثبت اور معتدل فکر اور پیغام عوام کے سامنے پیش کیا جا سکے، یہی وجہ ہے کہ بہت سوچ سمجھ کر اکیڈمی نے اس سمینار کا مرکزی موضوع ''موجودہ عہد میں اسلامی قانون کی معنویت'' یعنی ( Relevance of Islamic Law in the Contemporary World ) رکھا ہے، اور اس کے ذیلی عنوانات میں سے اسلامی قانون کی معنویت، اسلام کا نظام عدل اور تعزیری قوانین، ہندوستان میں مسلم پرسنل لا اور اسلامی عائلی قوانین، اور تدریس و تدوین اسلامی قانون، اسلامی قوانین کا کوڈیفکیشن، سول لا اور اسلامک لا میں مطابقت کے امکانات، اور جدید ہندوستان میں موڈرن لا اور اسلامک لا کی تعلیم جیسے اہم موضوعات بحث کے لئے رکھے گئے ہیں۔ ان دونوں میں تقریباً ۱۷ مقالات مختلف اور اہم موضوعات پر پڑھے جائیں گے۔ ان تمام مقالات اور آپ حضرات کے بحث ومناقشہ کی روشنی میں انشاء اللہ ایسی تجاویز پاس کی جائیں گی جن سے مسلم امت خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کو ایک دینی اور فکری رہنمائی ملے گی۔

حضرات گرامی!

اپنی بات ختم کرنے سے پہلے یہاں پر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جن سے اس موضوع کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''ہر دور میں ایسا تو ہوتا رہا ہے کہ اسلام کی صداقت ومعنویت کو تمام انسانی مسائل کے حل کا مکمل ومدلل وسیلہ ہونے کی حیثیت کو جاننے والے لیکن کج فطرت طبقات نے اسے قبول نہیں کیا لیکن یہ ناممکن ہی رہا کہ اس کے ناقابل انکار حقیقتوں پر قائم ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی صحیح العقل انکار کردے؛ اس لئے ضرورت ہے کہ اس کی آزمودہ اور مدلل ومبرہن قانون کی معنویت کے علمی اور عرفانی پرواز پر، آج کی آگ پانی کے گھروندوں میں پھنسی ہوئی انسانیت کے نجات کا سامان فراہم کیا جائے، اس کے لئے ضرورت ہے کہ مخاطبین کی نفسیات کی رعایت

کے ساتھ آغاز پیشکش، اسلام کے غیر متزلزل فطری عقائد سے کیا جائے اور ان کی معقولیت کے قلب ودماغ میں اتر جانے کے بعد فطرت انسانی کی طلب کے مطابق تعلیمات طاعات وعبادات کو ذریعہ دعوت بنایا جائے۔ امید ہے کہ ان دو مرحلوں سے گزر جانے والوں کے لئے قانون اسلامی کی معنویت اس قدر منکشف ہوجائے گی کہ اسلام ان کے لئے انشاء اللہ نہ صرف قابل غور ہی بنے گا بلکہ توقع یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ قابل قبول بن جائے گا''۔

بہر حال حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کے یہ کلمات یقیناً مہمیز کا کام کریں گے اور ان سے سمینار کے شرکاء کو سمت متعین کرنے میں مدد ملے گی۔

اخیر میں ایک بار پھر آپ سب کو اس سمینار میں خوش آمدید کہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کا یہاں جمع ہونا امت کے حق میں ضرور سودمند ثابت ہوگا اور اس کے خوش کن نتائج سامنے آئیں گے انشاء اللہ۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

☆☆☆

# افتتاحی خطبہ

پروفیسر احمد اللہ خان ☆

## ابتدائی مشاہدات:

''اسلامی قانون اپنے بنیادی نصوص قرآن اور سنت پر مبنی ہونے کی وجہ سے عقائد وعبادات کے علاوہ انسانی زندگی کے جملہ آئینی روابط اور معاملات پر قابل نفاذ ہے اور اس کا مقصد، ساری انسانیت کی فلاح وبہبود اور اس کے تمام انفرادی واجتماعی حالات پر محیط اور اس کے حاضر ومستقبل پر حاوی ہے۔

موجودہ عہد میں اسلامی قانون کی معنویت پر غور کرنے کے لئے اسلامی قانون کے پس منظر پر طائرانہ نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں موجودہ عنوان کے نتائج اخذ کئے جاسکیں''۔

اسلامی قانون چونکہ قرآن وسنت کے ابتدائی نصوص کے علاوہ ثانوی ماخذوں جیسے اجماع، قیاس، استحسان اور استدلال ومصالح مرسلہ پر بھی مبنی ہے اس لئے دنیا کے دیگر قوانین کے بعض آفاقی اصولوں سے مشابہت نے بعض محققین جیسے گولڈ زیہر Gold Ziher، وان کریمر Von Kremer کی نظر اسلامی قانون کو قانون روما اور یہودی قانون کا چربہ قرار دیا۔ ایک اور مشہور مصنف لی Lee نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ:

''قانون محمدی ﷺ دراصل قانون روما کا وہ قالب ہے جس کی صورت میں رومن

☆ سابق ڈین شعبۂ قانون عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد۔

قانون عرب سلطنت کے سیاسی حالات کی مطابقت سے ممالک مشرقی میں اپنایا گیا اور نافذ ہوا۔ اس کے سوا یہ اسلامی قانون کسی اور چیز کا نام نہیں ہے'' (حوالہ ہسٹاریک جیورس پروڈنس)۔

اس کے برعکس دوسرے محققین جیسے عارف نکدی، شیخ محمد سلمان اور ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے حقیقت پسندانہ خیال ظاہر کیا کہ سوائے ان بنیادی امور کے جو قانون سازی کے لئے دنیا کے ہر ملک وقوم میں مشترک پائے جاتے ہیں اور جو آفاقی اور عالمگیر ہیں، قانون اسلامی اپنا ایک بالکلیہ الگ اور مختلف حیثیت کا حامل ہے اور یہ کسی بھی طرح قانون روما یا دیگر دنیاوی قانون سے متاثر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور اول کے اسلامی محققین ومصنفین قانون روما کے اصولوں یا ان سے متعلق کتب سے بھی ناواقف تھے اس لئے ان کی تحقیقات وتصانیف میں قانون روما کا کوئی حوالہ یا اصول نہیں ملتا۔

چنانچہ جن امور میں اسلامی قانون، قانون روما یا دیگر دنیاوی قوانین سے مختلف ہے ان میں عورتوں کے حقوق سے متعلق قوانین، قانونِ تبنیت، قانون وراثت، تعزیری قوانین، معاشی قوانین وغیرہ اپنی ایک جداگانہ اور منفرد حیثیت کے حامل ہیں جن کی افادیت اور معاشرہ پر صحت مندانہ اثرات کا جائزہ اس مضمون کے متن میں لیا جائے گا۔

لیکن اس سے قبل دنیاوی قانون اور اسلامی قانون کے ان عالمی اور آفاقی اصولوں پر ایک نظر ڈالی جائے جن میں ان ہر دو قوانین میں مشابہت اور مطابقت پائی جاتی ہے۔

دنیاوی قانون اور اس کے بعض بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں:

۱- سب سے پہلے قانون سازی کے ذریعہ جرم کی تعریف بیان کی جائے اور یہ صراحت کردی جائے کہ کس مخصوص عمل کو کرنے یا نہ کرنے کو جرم قرار دیا گیا ہے۔

۲- جرم کی تعریف کے بعد اس کی سزاء کا تعین کیا جائے۔

۳- کسی بھی جرم کی سزاء کے اطلاق کے لئے مجرم پر جرم کے ارتکاب کو ثابت کیا جائے۔

۴- جرم کے ارتکاب کو ثابت کرنے کے لئے ثبوت اور گواہ پیش کئے جائیں۔

اس کے علاوہ Natural Justice یا قدرتی انصاف کے دیگر اصول یعنی:

۵-مجرم کو حقِ سماعت دیا جائے۔

۶-مجرم کے خلاف ثبوت یا مواد کی نقل مجرم کو فراہم کی جائے۔

۷-سزا کا تعین صراحت کردہ جرم سے متناسب ہو۔

مندرجہ بالا اصولوں کا اسلامی قانون کی روشنی میں مطالبہ کے لئے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جیسا پہلے عرض کیا گیا، اسلامی قانون قرآن اور سنت پر مبنی ہونے کی وجہ سے عقائد کے علاوہ انسانی زندگی کے آئینی اصولوں پر بھی مبنی ہے اور ذیل میں درج اصول عقائد کے ساتھ ساتھ آئینی حیثیت کے بھی حامل ہیں۔

قانون سازی کے آفاقی و عالمگیری اصولوں میں پہلا اصول جرم کی تعریف اور اس کی سزا کا تعین ہے۔ اسلامی قانون کے اہم ماخذ قرآن میں ان تمام اصولوں کا بیان ملتا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں بیع، رہن اور قصاص کا قانون، سورہ النساء میں قانون وراثت اور نکاح، سورہ بنی اسرائیل میں قانون تعزیرات، اور قتل سے متعلق قانون، سورہ المائدہ میں چوری، سورہ النور میں زنا، سورہ الطلاق میں طلاق، خلع، عدت اور حضانت کا قانون اور سورہ آلِ عمران میں سود کی حرمت کا قانون بیان کر دیا گیا جو اسلامی آئینی قانون کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامی قانون کے عقائد سے متعلق قرآنی تفصیلات، دنیاوی قوانین کے مندرجہ بالا اصولوں کو من وعن بیان کرتے ہیں جس کا حوالہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

چنانچہ روزِ حشر سزا و جزا کے تعین کے لئے جرم کے ارتکاب کو ثابت کرنے کے لئے ثبوت اور گواہ کی فراہمی کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۷ (۱۷:۱۷) میں اس طرح کر دیا گیا کہ قیامت کے دن نامۂ اعمال انسان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا اور وہ اپنا نامۂ اعمال خود پڑھ لے گا۔ کراماً کاتبین کا تحریری ثبوت اور گواہ کا ذکر سورہ ق کی آیات نمبر ۱۶ تا ۱۸ میں، اور مجرم کے جسم کے اعضاء آنکھ، ناک اور جلد کو قوت گویائی کے ذریعہ ثبوت کی فراہمی اور گواہ کا ذکر سورہ

ق کی آیات نمبر ۲۰ تا ۲۱ اور مجرم کے اعتراف جرم کا ذکر سورۃ الملک کی آیات نمبر ۸ تا ۱۱ میں کردیا گیا۔ اور سورہ یٰسین کے دوسرے رکوع اور سورہ انبیاء کے چوتھے رکوع میں اللہ کا یہ تیقن کے کسی کے ساتھ رائی کے برابر بھی ناانصافی نہیں ہوگی۔ ان تمام آیات قرآنی کا تعلق گوکہ عقائد سے ہے لیکن یہ دنیاوی قوانین کے آفاقی اصولوں کا احاطہ کرتا ہے اور اس کا حوالہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ (تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ کیجئے راقم کا مضمون "قرآن اور قدرتی انصاف" روزنامہ سیاست مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۹۵ء)۔

اس کے علاوہ قانون روما کے قواعد دوازدہم اور اسلامی قانون کے چند امور جن کو حضرت عمرؓ نے مدین کئے تھے اس کا تقابلی مطالعہ اسلامی قانون کے نفاذ کے رہنمایانہ اصولوں کا احاطہ کرتے ہیں۔

| قانون روما کے ۱۲ قواعد | حضرت عمرؓ کے نظام قضاء سے متعلق احکامات |
|---|---|
| ۱- جب تم عدالت میں طلب کئے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر عدالت ہو جاؤ۔ | ۱- قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام فریقین کو طلب کرنا اور ان کے ساتھ مساوی سلوک کرنا ضروری ہے۔ |
| ۲- اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر ہو۔ | ۲- فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں، لیکن جو امور خلاف قانون ہیں ان میں صلح نہیں ہو سکتی۔ |
| ۳- مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو اس کو پکڑ لو۔ | ۳- بارِ ثبوت عموماً مدعی پر ہوگا۔ |
| ۴- مدعا علیہ اگر بوڑھا ہو تو اس کو سواری دو۔ ورنہ حاضری کے لئے جبر نہیں کیا جا سکتا۔ | ۴- مدعا علیہ ثبوت نہ رکھتا ہو تو اس کو قسم کھلاؤ۔ |

| | |
|---|---|
| ۵- مدعی علیہ ضامن پیش کرے تو اس کو چھوڑ دو۔ | ۵- قاضی اپنے پہلے فیصلے پر نظر ثانی کرسکتا ہے (اسکو ماڈرن لا میں Review کہتے ہیں)۔ |
| ۶- دولتمند کا ضامن، دولتمند ہوگا | ۶- مقدمہ کی پیشی کی تاریخ مقرر کی جائے۔ |
| ۷- جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ | ۷- تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو یکطرفہ مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔ (اس کو ماڈرن لا میں Ex-parte کہا جاتا ہے)۔ |
| ۸- جج صبح سے دوپہر تک سماعت کریگا۔ | ۸- ہر مسلمان گواہی دینے کے قابل ہے لیکن سزا یافتہ یا جس کی جھوٹی گواہی ثابت ہے اس کی شہادت ناقابل قبول ہے۔ |
| ۹- فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی موجودگی میں ہوگا۔ | ۹- مکمل قانون کی رو سے فیصلہ کیا جائے۔ |
| ۱۰- مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔ | ۱۰- قابل اور متدین حکام کا انتخاب کیا جائے۔ |
| ۱۱- فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہے تو ان کو ضامن رہنا چاہئے۔ | ۱۱- حکام رشوت یا دیگر ناجائز وسائل کی بنا پر رعایت نہ کرے۔ |
| ۲۱- جو شخص گواہ پیش نہیں کرسکتا وہ مدعا علیہ کے دروازہ پر دعوی کو پکار کر کہے۔ | |

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ حضرت عمرؓ کے نظام قضاء سے متعلق رہنمایانہ اصول، ماڈرن لا کے جدید اصولوں سے بھی مطابقت رکھتے ہیں چنانچہ نظر ثانی یا Review اور یکطرفہ سماعت یعنی Ex-Parte Proceedings کے علاوہ ماہرین کی رائے سے متعلق Expert Opinion کا بھی ذکر ملتا ہے چنانچہ جب خطبہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں شعر کہا تو حضرت

عمرؓ نے مقدمہ کے فیصلے کے لئے حضرت حسان بن ثابتؓ جو خود بھی شاعر تھے، ان کی رائے حاصل کی۔ اس کے علاوہ پولیس ڈپارٹمنٹ کو صیغۂ احداث کا نام دیا گیا اور پولیس آفیسر کو صاحب الاحداث کہا جاتا تھا۔ جیل خانہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا چنانچہ صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اس کو جیل میں منتقل کیا گیا، جلاوطنی کی سزا کا ذکر بھی ملتا ہے چنانچہ ابوحجن نامی شخص کو ایک جزیرہ میں بھیج دیا گیا تھا، اس کے علاوہ غیر مسلموں کے لئے علیحدہ عدالتیں اور ان کے قانون کے مطابق قاضی کے ذریعہ مقدمات فیصل ہوتے تھے۔

## ماڈرن قانون کے جدید تصورات اور احکاماتِ قرآنی کا مختصر جائزہ:

دورِ جدید میں عالمی سطح پر بعض حقوق کو ماڈرن قانون کی بنیاد کے طور پر اہم سمجھا جاتا رہا ہے جس کا احکاماتِ قرآنی سے تقابلی مطالعہ، اسلامی قانون کی عالمگیریت اور آفاقیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ان جدید تصورات میں امن و انصاف کا تصور، مساوات و اخوت کا تصور، حق زندگی، آزادی مذہب اور قانون کے نفاذ اور انصاف رسانی میں غیر جانبداری کا تصور اہمیت کا حامل ہے۔ ان تمام کا ذکر تھوڑی سی تبدیلی الفاظ کے ساتھ امریکہ کے اعلان آزادی بابتہ 1796ء فرانس کا لبنان کے حقوق سے متعلق اعلامیہ، دستور ہند میں تصورات بالا کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے اور امن و انصاف کے انصرام میں ان حقوق کو اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ مختلف عدالتوں کے فیصلے اور سپریم کورٹ آف انڈیا کے مختلف فیصلوں میں ان تصورات و حقوق کو یقینی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآنی احکامات میں عدل سے متعلق ۱۷ مقامات پر اور قسط کے عنوان سے ۲۳ مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔

مساوات کا تصور سورہ البقرہ کے آیات نمبر ۱۷۸ تا ۱۷۹ میں انصاف کرتے وقت غیر جانبدار رہنے کی تلقین اور اپنے والدین، رشتہ دار یا غریب اور امیر کے درمیان جانبداری کو سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔ قیام امن کے لئے سورہ انفعال کی آیت نمبر ۱۶ کے مطابق دوران جنگ

بھی اگر صلح وامن کا پیشکش کیا جائے تو اس کو قبول کرلیا جائے۔

آزادی مذہب کا قانون سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ اور سورہ الکافرون کی آیات نمبر ۶ میں بیان کردیا گیا ہے۔

## حصہ دوم

### موجودہ عہد میں اسلامی قانون کی معنویت - تقابلی مطالعہ:

بہترین قانون وہی سمجھا جاسکتا ہے جو انسانیت کی فلاح وبہبود کے وسیع تر مقصد کے حصول میں کامیاب ومؤثر ثابت ہو، اس پس منظر میں اسلامی قوانین کا دنیاوی قانون سے تقابلی مطالعہ پیش ہے۔

### ۱- اسلام کے تعزیری قوانین کی معنویت:

اس عنوان کے تحت مطالعہ کی بنیاد ہندوستان کے ایک چیف جسٹس کے حالیہ تقریر کے اقتباس پر رکھی جاسکتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ عصر حاضر میں بہترین قانون کا نمونہ اسلامی قانون ہے جو سعودی عرب میں نافذ العمل ہے، جہاں عورتیں آدھی رات کو بھی بے خوف وخطر گھر سے باہر نکل سکتی ہیں، تعزیری قوانین جس کا راست تعلق امن عامہ کی برقراری سے ہے، اسلامی قانون تعزیرات موجودہ عہد میں بڑھتے ہوئے مجرمانہ ذہنیت وماحول کے لئے مؤثر ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں، اس کا ایک تقابلی مطالعہ دنیاوی قانون کے پس منظر میں ضروری معلوم ہوتا ہے۔

### زنا کا جرم:

فی زمانہ جن جرائم میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے اس میں زنا جیسے گناہ کبیرہ کو اولیت حاصل ہے اور اس جرم کا ارتکاب تہذیب وتمدن، انسانیت اور شرم وحیا کے تمام حدود کو مجروح کرچکا ہے، اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب میں نہ صرف شرح فیصدی میں اضافہ ہوا ہے بلکہ تمام

محترم رشتوں کو بھی پامال کر دیا گیا ہے، دنیاوی قانون میں زنا بالجبر کو مستوجب سزا قرار دیا گیا ہے اور زنا بالرضا یعنی فریق ثانی کا رضامندی سے زنا کا ارتکاب مستوجب سزا نہیں ہے، سوائے اس استثنائی صورت کے جس میں لڑکی ۱۶ سال سے کم عمر کی ہو، یعنی اس جرم کے انسداد میں دنیاوی قانون محدود ہے اور کوئی بھی بالغ رضامندی سے اس جرم کا ارتکاب کرسکتا ہے، ایک اور سزا جو اس ضمن میں دی جاسکتی ہے وہ Adultory کا جرم ہے جس میں کسی شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا بالرضا یا زنا بالجبر دونوں ہی مستوجب سزا ہے، کیونکہ یہ جرم دراصل عورت کے شوہر کے حقوق میں مداخلت کی بناپر ہرجانہ کی سزا کو بیان کرتا ہے، لیکن ان استثنائی صورتوں کے علاوہ زنا، دنیاوی قانون کی رو سے زنا بالرضا کے انسداد میں مکمل طور پرنا کام ہو چکا ہے، چنانچہ حالیہ مقدمہ میں جس میں ایک فلمی اداکارہ کے برسر عام اظہار خیال کے دو بالغ عورت و مرد کو اپنی مرضی سے جنسی رشتہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، عدالت نے بھی یہی اظہار خیال کیا کہ کس طرح اور کس قانون کے تحت ان کو سزا دی جائے، یعنی سماج میں ہونے والے اس بے حیائی کے عمل کو روکنا دنیاوی قانون کے بس میں نہیں ہے، لیکن زنا سے متعلق اسلامی قانون نہایت وسیع العمل ہونے کی بنا بغیر نکاح جنسی رشتہ کو گناہ کبیرہ کی فہرست میں شامل کرتا ہے، اور اس کی سزا اتنی سخت ہے کہ اس کے اطلاق کے تصور میں ہی انسداد کا پہلو پوشیدہ ہے (سورۂ نور: ۲)، جیسا کہ سبھی جانتے ہیں کہ زنا کی سزا سو کوڑوں اور رجم کی سزا کی وجہ سے اس جرم کے مرتکب کا بچنا محال ہے، عصر حاضر میں بھی اب اس خیال کا اظہار کیا جارہا ہے کہ زنا کی سزا کو سزائے موت میں تبدیل کر دینا چاہئے، اسلامی قانون زنا کے معاملہ میں نہ صرف سخت سزاؤں کا تعین کرتا ہے بلکہ رہنمایانہ اصولوں کے طور پر قرآن میں بار بار اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ اس گناہ کے قریب بھی نہ پھٹکو، اس اصول میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی نفسیاتی اور جبلتی تقاضوں کے زیر اثر بھی اس گناہ سے بچانے کی کوشش کی ہے، ایسی مثال دنیاوی قانون میں ملنا مشکل نظر آتا ہے۔

## قتل کی سزا کا قانون:

اسلامی قانون میں انسانی جان کو بہت محترم قرار دیا گیا ہے، اور کسی بھی انسان کی جان لینے کو بھی گناہ کبیرہ کہا گیا ہے، سوائے اس استثنائی صورت کہ جس میں ایسا کرنا بجائے خود انصاف کے انصرام کے لئے ضروری ہو، چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیات نمبر ۳۱ تا ۳۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اس کو ناحق نہ مارو، اور جو ناحق مارا جائے اس کے وارثوں کو ہم نے حق دیا ہے کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے“، جہاں جان کے بدلے جان لینے کی گنجائش تھی وہاں خدا نے وارثوں کو صلاح دی ہے کہ وہ بطور قصاص ہرجانہ وصول کر لے، چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۸،۱۷۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اوعقلمندو! قصاص میں تمہاری زندگی ہے تاکہ تم خوں ریزی سے بچو“ (حوالہ ۲:۱۷۹،۱۷۸)۔

## موجودہ عہد میں قصاص کی معنویت:

قصاص کے تصور کو اسلامی قانون میں خون بہا وصول کر لینے کی رعایت اور رحم سے تعبیر کیا ہے، در اصل یہ اصول ماقبل اسلام کے جہالت کے اصولوں اور انتقام کے تصور کو ختم کرنے کی بھی کوشش ہے۔

موجودہ عہد میں خون بہا کا تصور دنیاوی قانون کی اصلاح اور اس کو معنویت عطا کرنے میں بہت معاون ثابت ہوسکتا ہے، دنیاوی قانون میں Law of Torts یا قانون جنایات کو بالکل ہی فراموش کردیا گیا ہے، اور اس شعبہ قانون کو خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ ہوسکی، لیکن اب ہندوستانی عدالتیں اس قانون کو اپنے متعلقہ فیصلوں کی بنیاد بنانے اور اس کو عملاً نافذ کرنے کی طرف مائل نظر آ رہے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ قانون جنایات کی تدوین کر کے باضابطہ اس کو نافذ العمل بنانے کی سمت پیش رفت ہورہی ہے، اسلامی قانون کا قانون دیت اس قانون

جنایات کی بنیاد فراہم کرتا ہے، اور اس اصول کے ذریعہ فی زمانہ دنیاوی و اسلامی قوانین میں مطابقت کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔

## سرقہ یا چوری:

اسلام کے تعزیری قوانین میں سرقہ کی سزا قطع ید پر طویل عرصہ سے تنقید کی جاتی رہی ہے، اور چوری کی سزا میں چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کو غیر مہذب اور وحشیانہ سزا سمجھا جاتا رہا ہے، حالانکہ اسلامی قانون اس سزا کے اطلاق کے لئے کئی ایک شرائط بھی عائد کرتا ہے، جس کے تحت ہی ایسی سزا کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، مثلاً مسروقہ مال کی قیمت، پہلی بار چوری کا ارتکاب یا عادتاً چوری اور دیگر شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اس سخت قانون کی بنیاد اسلامی اصول فقہ کے اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ اسلامی قانون اجتماعی فلاح و بہبود کو انفرادی فلاح و بہبود پر ترجیح دیتا ہے، ویسے بھی اسلامی عہد کی تاریخ میں اس سزا کا اطلاق چار سو سال کے عرصہ میں صرف ٦ بار عمل میں آیا ہے، سرقہ کی اس سخت سزا کی وجہ سے ہی اسلامی ممالک میں چوری اور سرقہ کا جرم تقریباً ناپید ہے، اور شاید اسی پس منظر میں ہندوستان کے چیف جسٹس نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا کہ سعودی عرب میں عورتیں آدھی رات کو بے خوف و خطر گھر سے باہر نکل سکتی ہیں۔

## شراب کی ممانعت:

مؤثر تعزیری قانون کی ایک اہم مثال اسلامی قانون میں شراب کی ممانعت ہے، اس خصوص میں دنیاوی قانون بالکل ہی بے دست و پا نظر آتا ہے، چنانچہ بشمول ہندوستان دنیا کے دیگر ممالک نے شراب پر امتناع کی کئی بار کوشش کی لیکن وہ بری طرح ناکام رہے، چنانچہ امریکہ نے بھی Law of Prohibition کے نفاذ میں ناکامی کے بعد یہ کہا کہ جس قانون کو عوامی قبولیت و پشت پناہی حاصل نہ ہو اس کو نافذ کرنا بہت مشکل ہے، ہندوستان میں بھی مختلف

ریاستوں میں وقتاً فوقتاً شراب بندی کا قانون نافذ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کسی بھی طرح اس کو نافذ نہ کیا جاسکا، بلکہ خود حکومت شراب بندی کی وجہ سے ہونے والی مالی خسارے کو برداشت نہ کرسکی اور اس امتناع کو واپس لے لیا۔

اسلامی قانون کے مؤثر ہونے اور اس کی معنویت کی ایک اچھی مثال شراب کی حرمت کے تعلق سے ہے، قرآن کریم میں شراب کی ممانعت کا حکم سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۹ میں نازل ہوا اور اس کے قانون کے نفاذ کا حکم رسول کریم ﷺ کی طرف سے ہوا تو مدینہ کے مسلمانوں نے نہ صرف فوراً ہی شراب نوشی کو ترک کردیا بلکہ شراب کا جتنا بھی ذخیرہ موجود تھا، چاہے وہ شراب پینے والوں کے پاس ہو، فروخت کرنے والے یا بنانے والوں کے پاس سبھوں نے شراب کو مدینہ کی گلیوں میں بہا کر ضائع کردیا، کسی بھی قانون کی اتنی برق رفتاری سے عمل آوری کی مثال شاید ہی دنیاوی قانون میں مل سکے۔

## جوے کی ممانعت:

جوئے کے تعلق سے بھی اسلامی قانون کا حکم سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ میں ہی ملتا ہے، اور یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ شراب اور جوے پر امتناع سے متعلق احکام میں استعمال کئے گئے الفاظ بھی اپنے آپ میں عمیق معنویت کے حامل ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’جو لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا کیا حکم ہے کہو کہ ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے، کچھ فائدہ بھی ہے لیکن گناہ فائدہ سے زیادہ ہے، اس حکم پر اگر موجودہ دور میں سائنسی اور سماجی نقطۂ نظر سے بھی غور کریں تو معلوم ہوا کہ شراب میں استعمال کی جانے والی الکحل بعض دواؤں میں علاج کے لئے استعمال کی جاتی ہے، لیکن اس کی محدود مقدار میں استعمال علاج کے لئے مفید ہوتا ہے، لیکن اگر اس کی مقدار بڑھادی جائے کہ جس سے دماغ ماؤف ہوکر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجائے تو اس سے بہت سارے نقصانات ہوتے ہیں، یہی

حال جوئے کا بھی ہے کبھی کبھار جوئے یا پانسہ میں فائدہ ہوتا ہے لیکن یہ عادت آخر میں تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔

## غیر فطری جنسی جرائم:

۲؍جولائی ۲۰۰۹ء کو دہلی ہائیکورٹ نے غیر فطری جنسی جرائم اور ہم جنسی سے متعلق ایک مقدمہ میں تعزیرات ہند کے دفعہ ۳۷۷ کو جو غیر فطری جنسی جرائم کو مستوجب سزا جرم قرار دیا ہے، قابل ترمیم قرار دیتے ہوئے ہم جنسی کے عمل کو ناقابل سزا عمل قرار دیا، ہائیکورٹ کا یہ بھی ادعا ہے کہ اس فیصلے کے تحت ہم جنسی کو جائز قرار دینا مقصود نہیں بلکہ اس عمل کو دفعہ ۳۷۷ کے دائرہ عمل سے خارج کر کے ہم جنسی کو غیر تعزیری یا Decrimnalize کیا گیا ہے، اس قانونی موشگافیوں کے باوجود اس فیصلے کے معاشرہ پر مضر اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس مقدمہ کو دائر کرنے والے درخواست گذار نے کئی دلائل میں یہ دلیل بھی پیش کی کہ غیر فطری جنسی جرائم سے متعلق دفعہ ۳۷۷ دراصل قدیم یہود ونصاریٰ کے اخلاقی قدر پر مبنی ہے جو جنس کو صرف افزائش نسل کے مقصد کی روشنی میں ہی دیکھتے ہیں اس لئے اس عمل کو قدرت کے نظام کے مغائر تصور کرتے ہیں، لیکن یہ بات ماڈرن سوسائٹی میں کوئی مقام نہیں رکھتی اور جنس کا یہ پرانا تصور اب دقیانوسی ہوگیا ہے، اس فیصلے کے پس منظر میں برطانیہ کے قانونی اصلاحات کے تحت قانون جنسی جرائم بابت ۱۹۶۷ کے تحت ہم جنسی کو غیر تعزیری عمل قرار دینا بھی شامل ہے، اس قانون کو برطانیہ میں ولفونڈن کمیٹی Welfendon Committee کی سفارشات کے پیش نظر مدون کیا گیا ہے، دہلی ہائیکورٹ نے اپنے اس ۱۰۵ صفحات اور ۱۳۲ پیراگراف پر مشتمل فیصلے میں یہ بھی کہا ہے کہ انسان کے عمل کو کنٹرول کرنے والی قوت قانون اور اخلاق ہیں، اگر اخلاقی معیارات تبدیل پذیر ہوکر معاشرہ کے اجتماعی تصور کو منفی راہ پر لے جاتے ہوں تو اس سے معاشرہ کو نقصان پہنچے گا، یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اخلاق کا تصور پیش کرتے وقت اس کے منفی یا مثبت

اثرات کو جانچنے کی کوئی میثاق یا کسوٹی عدالت نے نہیں بتائی اور کس بنیاد پر کس عمل کو منفی یا مثبت قرار دیا جاسکتا ہے اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

عدالت نے اس فیصلے میں انسانی عمل کو کنٹرول کرنے والے عوامل میں صرف قانون اور اخلاق کا ذکر کیا لیکن ایک اور نہایت مؤثر قوت یعنی مذہب کا ذکر نہیں کیا حالانکہ ہندوستان کا کوئی بھی مذہب ہم جنسی کو جائز قرار نہیں دیتا۔

اسلامی قانون کی رو سے سورۂ اعراف کی آیات نمبر ۸۰ تا ۸۴ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ ایسا بے شرمی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی اور مخلوق نے نہیں کیا، تم لوگ شہوت رانی کے لئے عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو، بے شک تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو''، آیت نمبر ۸۴ میں اس گناہ کی سزا کا ذکر ہے جو قوم لوطؑ پر نازل کیا گیا اور ان پر کنکریٹ کی بارش کردی گئی''، اسلامی قانون کے تحت ایسے جرم کے مرتکب کے تعلق سے کہا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو سمجھاؤ اور ان کی تنبیہ کرو، اگر وہ راہ راست پر آجائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو، ظاہر ہے کہ روزحشر اس جرم کی سزا سے بچا نہیں جاسکتا۔

**انسداد خواتین تشدد ایکٹ اور اسلامی قانون:**

تعزیرات ہند میں خواتین کے خلاف جرائم کی فہرست میں دیگر قوانین کے علاوہ خصوصی قوانین جیسے دفعہ 498-A قابل ذکر ہے، جس کے تحت کسی بھی عورت پر شوہر یا دیگر سسرالی رشتہ داروں کی جانب سے ظلم وستم، یا جہیز کے مطالبہ کے ساتھ تشدد کے انسداد کے لئے سخت قانون بنایا گیا اور اس قانون کا سب سے زیادہ خوفناک پہلو وہ ہے جس کے تحت کسی بھی شادی شدہ عورت یا اس کے رشتہ داروں کی جانب سے شوہر یا سسرالی رشتہ داروں کے خلاف شکایت درج کرانے پر بشمول شوہر دیگر سسرالی رشتہ داروں کی گرفتاری عمل میں آتی ہے۔

اس قانون کے نفاذ کے وقت ہی ماہرین قانون اور ماہرین عمرانیات نے کئی خدشات کا اظہار کیا کہ ایسے یکطرفہ قانون کی وجہ سے دیگر سنگین جرائم جیسے شکایت کنندہ پر جارحانہ حملہ یا اقدام قتل کے بھی امکانات ہیں، گذشتہ دس پندرہ برسوں میں اس دفعہ 498-A کو TADA یا POTA جیسے قوانین سے زیادہ خوفناک سمجھا جاتا رہا ہے، اور اس دفعہ کے نفاذ کے دوران سینکڑوں خاندان منتشر ہوکر رہ گئے، اس دفعہ کے دوران نفاذ خود حکومت کو محسوس ہوا کہ اس دفعہ کی وجہ سے شوہر اور سسرالی رشتہ داروں کو ڈرانے دھمکانے کی شکایات زیادہ موصول ہوئیں اور تقریبا ۴۰ تا ۷۰ فیصد واقعات میں اس دفعہ کا ناجائز اور جھوٹا استعمال ہوا ہے، چنانچہ اس قانون کو جو ابتدا میں ناقابل مفاہمت تھا اور جس کے تحت لازمی گرفتاری عمل میں آتی تھی، اب ترمیم کر کے اس دفعہ کے تحت شکایت کو قابل مفاہمت قرار دیا گیا ہے اور شوہر وغیرہ کی گرفتاری کے لئے پولیس کے اعلی عہدہ دار جیسے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کم درجہ کے آفیسر کو گرفتاری سے باز رکھا گیا ہے، اور اعلی پولیس عہدہ دار کو بھی ہر ایک کیس میں حالات کے پیش نظر اگر ناگزیر ہو تو گرفتاری کی اجازت ہے، ورنہ نہیں، حال ہی میں شہر حیدرآباد میں ایک عبرتناک واقعہ میں A-498 کے تحت شکایت درج کرنے والے پر شوہر اور سسرالی رشتہ دار برہم ہوکر اور ان کے رشتہ داروں پر قاتلانہ حملہ کردیا اور بیک وقت چار آدمیوں کو قتل کردیا، بہر حال ایک اہم مقصد سے بنایا گیا قانون خواتین کو تحفظ فراہم کرنے کی بجائے ازدواجی زندگی کو تباہ اور تاراج کرنے کا باعث بنا۔

## قانون انسداد گھریلو تشدد:

تعزیرات ہند کی دفعہ A-498 کے بعد اکتوبر ۲۰۰۶ء سے ایک اور نیا قانون انسداد گھریلو تشدد Prevention of Domestic Violence Act نافذ کردیا گیا، اس قانون کے تحت بھی فوراہی مقدمات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور سپریم کورٹ نے باترا بنام باترا کے مقدمہ میں صاف صاف الفاظ میں کہا کہ یہ ایک اچھے مقصد سے بنایا ہوا قانون مناسب الفاظ

میں تدوین نہیں کیا گیا۔

انسداد گھریلو تشدد ایکٹ سے متعلق قانون سازی کی بین الاقوامی تاریخ ۱۹۶۰ء کے دہے سے شروع ہوئی، 1970-80 کے درمیان امریکہ کے ۵۲ ریاستوں میں سے ۴۷ ریاستوں میں گھریلو تشدد کے انسداد کے لئے قانون سازی کر دی گئی۔

اقوام متحدہ نے بھی ۱۸ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو Convention on Elimination of Discrimination Against Women یعنی CEDAW کے نام سے ایک قرارداد منظور کی جس کو دنیا کے ۱۴۷ ممالک نے منظور کر کے دستخط تصدیق ثبت کی، ۱۹۹۳ء میں عورتوں کو با اختیار بنانے کا تصور پیدا ہوا اور عورتوں کے حقوق کو حقوق انسانی کے زمرہ میں شامل کر لیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں پر تشدد اور مظالم کا سلسلہ یقیناً مختلف سطحوں پر مختلف اشکال میں موجود ہے اور اس کے تدارک کے لئے اقدامات کرنا بہت ضروری ہے، لیکن گھریلو تشدد کے انسداد سے متعلق یہ قانون جو ۳۷ دفعات پر مشتمل ہے کئی ایک خوبیوں کے باوجود نقائص سے پاک نہیں ہے، اور اس قانون کا بھی تعزیرات ہند کی دفعہ 498-A کی طرح ناجائز استعمال ہو رہا ہے، اور اس کی کافی گنجائش اس قانون میں موجود ہے، اس قانون کے تحت بنائے گئے قواعد وضوابط میں ایک شکایتی فارم ترتیب دیا گیا ہے جس کی خانہ پری کے ذریعہ ایک شادی عورت شکایت درج کروا سکتی ہے، اس قانون کے تحت حفاظتی آفیسر کے تقرر کی گنجائش فراہم کی گئی ہے جو شکایت کنندہ کے مکان پر وقتاً فوقتاً جا کر شکایت کنندہ کے تحفظ کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہے گی، اس شکایتی فارم کے اندراجات سے ہی اس قانون سے شادی شدہ زندگی پر مرتب ہونے والے مضر اثرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مثلاً اس فارم میں کئی سوالات درج کئے گئے ہیں جس کا جواب شکایت کنندہ کو دینا ہوتا ہے، اس شکایتی فارم میں شکایت کنندہ خاتون سے یہ پوچھا گیا ہے کہ آپ کے شوہر یا سسرالی عزیز آپ کو گھر سے باہر

جانے سے منع کرتے ہیں؟ کیا یہ لوگ آپ کو کسی مخصوص شخص سے ملنے سے منع کرتے ہیں، جن سے آپ ملنا چاہتی ہیں؟ اس کے علاوہ اس قانون کے تحت عورت کو دوران تنازعہ شوہر کے گھر میں قیام کا حق، شوہر کے بینک اکاؤنٹ اور بینک لاکر کو استعمال کرنے پر نگرانی یا امتناع عائد کرنے کا بھی حق دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کے غیر واجبی الزامات کا ازدواجی زندگی پر منفی اثر پڑے گا اور شوہر یقیناً انتقامی کارروائی پر مائل ہو جائیگا۔

اس کے علاوہ ایک اور زیادہ سنگین دفعہ ہے جس میں ''گھریلو رشتہ'' کی تعریف میں نہ صرف منکوحہ بیوی شامل ہے بلکہ اس قانونی تعریف میں ایسی عورت بھی شامل کردی گئی ہے جو منکوحہ نہیں ہے لیکن نکاح کے قسم کے رشتہ سے مدعی علیہ سے منسلک ہے، اور ایسی عورت جو ناجائز رشتہ کی بنا پر گھریلو رشتہ میں شامل ہے ان تمام قانونی تحفظات کی حقدار بن گئی ہے جو کسی منکوحہ بیوی کو ہی حاصل ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی غیر منکوحہ عورت کا مقام نہ صرف اسلام میں بلکہ ہر مہذب معاشرہ میں ناقابل قبول ہوگا، اور عملاً یہ قانون ناجائز رشتوں کی پشت پناہی بھی کرے گا، ایسی صورت حال کسی بھی مہذب سماج یا مذہب میں یقیناً تشویش کا باعث اور اخلاقی اقدار کے لئے سنگین خطرہ ثابت ہوگی۔ عورتوں پر تشدد کے متعلق اس باب میں تمام متعلقہ قوانین بشمول انسداد جہیز، انسداد تشدد اور انسداد ہراسانی کا مجموعی اثر ازدواجی زندگی پر مرتب ہوتا ہے اور اسی وجہ سے طلاق، خلع، تشدد وغیرہ کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مندرجہ بالا تمام قوانین جن کا تعلق خواتین پر تشدد کے انسداد سے ہے ان تمام امور کا احاطہ اسلامی قانون بھی کرتا ہے اور بہ احسن الوجہ خواتین کے حقوق کی حفاظت اور شوہر کی ذمہ داریوں کو جائز، مناسب اور قابل عمل حدود میں متعین کرتا ہے۔

مندرجہ بالا دنیاوی قوانین کے مقاصد کا اسلامی قانون کے تحت مکمل طور پر احاطہ کیا گیا ہے جس کا مختصر اجائزہ پیش ہے۔

## اسلامی قانون اورحقوق الزوجین

### ۱-رشتہ نکاح کا تقدس:

اسلامی قانون نکاح کا مقصد شوہر اور بیوی کے درمیان اشتراک عمل پیدا کرنا ہے تا کہ دونوں محبت اور اپنائیت کے احساس کو فروغ دیں اور ایک صحت مند خاندان کا قیام عمل میں آئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ" اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے خود تم میں سے جوڑے پیدا کئے"(سورۂ روم: ۳)، اس کے علاوہ سورۂ اعراف رکوع ۴، سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۷ بھی شوہر اور بیوی کے رشتہ کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر کئی ایک مضمر باتیں بیان کردی ہیں، یعنی جس طرح لباس جسم سے متصل رہتا ہے اور یہ انسان کو موسم کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے اور جس طرح اس لفظ" لباس" کے استعماری اور پر معنی استعمال سے خدا نے شوہر اور بیوی کے رشتہ کی قربت واہمیت کا اظہار کردیا۔

### ۲-نفسیاتی اور جذباتی تشدد سے تحفظ:

اسلامی قانون کا طرہ امتیاز یہ رہا ہے کہ وہ کبھی بھی ظلم وزیادتی کی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ ایام جاہلیت میں شوہر بیوی کو جذباتی اور نفسیاتی طور پر اذیت پہنچانے کے لئے اپنی بیویوں سے جنسی تعلقات ترک کرلیا کرتے تھے، اس لئے اس کے تدارک کے لئے خدا نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۶ میں خاص طور پر منع فرمایا کہ جو لوگ اپنی عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں ان کے لئے چار مہینوں کی مہلت ہے، اگر وہ بیویوں سے رجوع کرلیں تو اللہ معاف کردے گا، اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ" اور ان کو ستانے اور زیادتی کرنے کے لئے روک نہ رکھو جو ایسا کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا، اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بنالو"۔

### ۳-جسمانی تشدد اور مار پیٹ سے تحفظ :

سورہ نساء آیت نمبر ۳۴ میں اللہ تعالیٰ نے بیوی کے ساتھ محافظ جیسا سلوک کرنے کی ہدایت دی ہے، البتہ اگر بیوی بدکرداری اور بے وفائی کرے تو اس کو تنبیہ کرنے کی ہدایت دی ہے، اور اگر اس کے باوجود بیوی بدکرداری و بے وفائی ترک نہ کرے تو ان کو تادیباً ہلکا سا مارنے کی بھی اجازت ہے لیکن جسمانی تشدد اور شدید مار پیٹ سے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۱ میں منع فرمایا ہے۔

### ۴-زبانی تشدد یا گالی گلوچ سے تحفظ :

مندرجہ بالا قرآنی حوالہ کے علاوہ رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے کہ ''**لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام**" کے ذریعہ بیوی سے زبانی تشدد اور گالی گلوچ سے منع فرمایا ہے، اور اگر کوئی شوہر بیوی سے بدکلامی اور گالی گلوچ کرے تو اس ضرر کے تدارک کے لئے عورت کو قاضی سے رجوع ہونے کا حق حاصل ہوگا، جو پہلے تو افہام و تفہیم سے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرے گا، یا پھر شوہر اور بیوی میں تفریق کر کے اس زبانی ضرر و تشدد کا تدارک کرے گا۔

اسلامی قانون کا یہ اصول مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے شائع کردہ ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کے دفعہ ۲۴۵ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

### بیوی پر الزام تراشی سے تحفظ :

اب اگر کوئی مرد کسی باعصمت عورت پر بدکرداری کا الزام لگائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ چار گواہ پیش کرے ورنہ ایسے مرد کو الزام تراشی کے جرم میں قذف کی سزا یعنی ۸۰ کوڑے مارنے کی سزا دی جائے گی، اسی طرح اگر شوہر بیوی پر جھوٹا الزام لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کو بھی قذف کی سزا دی جائے گی ورنہ چار گواہ پیش کرنے میں ناکامی اور بدکرداری ثابت نہ کر سکنے کی صورت میں شوہر چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اور پانچویں مرتبہ قسم کھا کر

یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹ کہہ رہا ہوتو اس پر خدا کی لعنت، اس کے بعد قاضی کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں تفریق کرا دے۔

## بیوی کا حق مہر و نفقہ یا معاشی تحفظ :

قرآن کریم میں خدا فرماتا ہے کہ پھر جو تم ازدواجی زندگی کا لطف اٹھاؤ تو اس کے بدلے ان کو مہر بطور فرض ادا کر دو، سورۂ نساء: ۲۴، اسی طرح شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام کرے اور اس کی پوری ذمہ داری خود اٹھائے، اسی آیت میں نفقہ کی ادائیگی کا فرض بھی شوہر پر عائد کیا گیا ہے، اور یہ کلیہ بیان کر دیا گیا ہے کہ مالدار پر اس کی استطاعت کے مطابق اور مفلس پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ ادا کرنا مرد کا فرض ہے (سورۂ طلاق: ۷)۔

## بیوی کا حق سکونت :

دنیاوی قانون گھریلو تشدد ایکٹ جس کو اکتوبر ۲۰۰۶ء سے نافذ کر دیا گیا لڑائی جھگڑے اور نفاق کی صورت میں عورت کو شوہر کے گھر میں رہنے کا حق دیا گیا ہے، لیکن اسلامی قانون کی رو سے حقوق الزوجین ایک مکمل ضابطہ حیات اور ازدواجی تعلقات کے ضابطے کا نام ہے، اور شوہر کے گھر میں بیوی کے حق سکونت سے متعلق اسلامی احکام اتنے واضح اور مکمل ہیں کہ نہ صرف دوران ازدواج بلکہ بیوی کو طلاق دینے کی صورت میں بھی ایسی عورت کو ایام عدت میں شوہر ہی کے گھر میں سکونت و نان و نفقہ فراہم کرنے کے احکام ہیں، چنانچہ سورۂ طلاق کی آیات نمبر ۱، ۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کا زمانہ گنتے رہو اور اللہ سے ڈرو اور ان کو گھروں سے نہ نکال دو اور نہ وہ خود نکلیں"، یہ عدت کی مدت تین مہینے بھی ہو سکتی ہے اور اگر بیوی حاملہ ہو تو پھر یہ مدت وضع حمل تک بڑھ جائے گی، نہ صرف یہ بلکہ وضع حمل کے بعد شوہر نومولود کو دودھ پلانے کی مدت تک دودھ پلانے کا معاوضہ بھی ادا کرے گا۔

## مصالحت کی ترغیب:

سورۂ نساء: ۳۵ میں کہا گیا ہے کہ اگر شوہر اور بیوی میں نا اتفاقی ہو جائے تو اس دوران مصالحتی کوشش کے لئے شوہر کی جانب سے ایک ثالث اور بیوی کی جانب سے ایک ثالث خلوص دل کے ساتھ صلح کروانے کی کوشش کرے تو اللہ ان کی مدد کرے گا''۔

دنیاوی قانون کی بین الاقوامی قراردایں، امریکہ کی ۵۲ میں سے ۴۷ ریاستوں میں انسداد گھریلو تشدد قانون کا نفاذ، ہندوستان کے تعزیرات کا دفعہ 498-A، انسداد جہیز قانون، انسداد گھریلو تشدد ایکٹ اور ضابطہ فوجداری کی متنازعہ دفعہ ۱۲۵، ان تمام دنیاوی قوانین کا اسلامی قانون کے مندرجہ بالا آیت قرآنی سے تقابلی مطالعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلامی قانون عورت کو ہر قسم کے تشدد اور ظلم وستم سے تحفظ فراہم کرتا ہے اس کے علاوہ عورتوں کے حقوق وراثت اور دیگر حقوق عورت کو مرد کے مساوی فراہم کرتا ہے جس میں معاشرہ کی اکائی خاندان کے استحکام کا راز پوشیدہ ہے۔

## عدالتوں کے اہم فیصلے اور شرعی موقف:

موجودہ عہد میں اسلامی قانون کی معنویت کا یہ بہت اہم پہلو ہے، جس کا راست تعلق مسلم پرسنل لا اور اس کے ہندوستان میں نفاذ سے متعلق ہے، شریعت اپلیکیشن ایکٹ بابت ۱۹۳۷ کے تحت ان تمام امور کا ذکر کردیا گیا جو مسلم پرسنل لا کی تعریف میں آتے ہیں، اور ہندستانی عدالتیں ان معاملات میں مقدمات کا فیصلہ شرعی قانون کے مطابق طے کرنے کے پابند ہیں، لیکن بدقسمتی سے ان معاملات میں بھی شرعی موقف سے مختلف عدالتی فیصلے صادر ہوتے رہے اور ان کا سلسلہ نہ صرف شاہ بانو کیس بلکہ اس مقدمہ کا من وعن عکس ۱۸۹۸ء کے وقف علی الاولاد سے متعلق دیئے گئے پریوی کونسل کے اس فیصلے میں بھی ملتا ہے جو ابو الفتح محمد اسحاق بنام دامودر

چودھری کے مقدمہ کے نام سے مشہور ہے، اگر ان دونوں فیصلوں کے تاریخی پس منظر پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ شاہ بانو کیس میں ابو الفتح محمد اسحاق کے مقدمہ کی تاریخ کو دہرایا گیا ہے، وقف علی الاولاد کو پریوی کونسل نے غیر شرعی تصور کر کے رد کر دیا تھا جس پر مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا اور اس فیصلے کو شریعت میں مداخلت قرار دیا، مسلمانوں کے اس ملک گیر احتجاج نے برٹش حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ Waqf Validating Act منظور کر کے اس قانون سازی کے ذریعہ ابو الفتح محمد اسحاق کے مقدمہ کے اثرات کو زائل کر دے، اور وقف علی الاولاد سے متعلق اسلامی قانون کو مروج کر دے، ٹھیک یہی صورتحال شاہ بانو کیس میں بھی پیش آئی اور اس فیصلے کو بھی اسلامی قانون کے مغائر قرار دے کر ہندوستان کے مسلمانوں نے ملک گیر احتجاج کیا جس کے نتیجہ میں سپریم کورٹ کے اس فیصلے کو معدوم کرنے کی غرض سے Muslim women(Rights on Divorce) Act 1986 منظور کیا گیا اور اس قانون سازی کے ذریعہ مطلقہ کو نفقہ صرف دوران عدت تک محدود کر دیا گیا، لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس خصوصی قانون سازی کے باوجود کئی ریاستی ہائیکورٹس نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت مطلقہ کو تا عقد ثانی بعد مرور مدت عدت نفقہ بھی ادا کرنے کے احکام جاری کئے، اس طرح ۱۹۸۶ء کا قانون عملاً غیر موثر ہو کر رہ گیا۔

## طلاق ثلاثہ اور شرعی موقف:

نفقہ کے بعد طلاق ثلاثہ سے متعلق عدالتوں کے فیصلے قابل غور و فکر ہیں، طلاق سے متعلق ایک اہم فیصلے کی شروعات سپریم کورٹ کے ایک فیصلے سے ہوئی جو ایک مقدمہ شمیم آراء بنام ریاست اتر پردیش (2002(7)SC39) سے شروع ہو کر زمرد بیگم بنام محمد حنیف (2003 ALD220) سے گذرتے ہوئے شاہ الحمید بنام سلیمہ (AIR2003 Modh P 162) کے مقدمہ میں بام عروج پر پہنچا اور اس سفر میں اسلامی قانون طلاق بہت بڑی حد تک

متاثر ہوا ہے۔

اختصار کی خاطر عدالتوں کے ان فیصلوں کا لب لباب مندرجہ ذیل ہے:

۱-عدالت نے کہا کہ طلاق صرف معقول وجوہات کی بناپر ہی دی جاسکتی ہے، اور بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق بے اثر اور کالعدم سمجھی جائے گی، جبکہ اسلامی قانون کی رو سے بغیر معقول وجہ کے طلاق ناپسندیدہ ہے لیکن یہ واقع ہوجاتی ہے اور رشتہ ازدواج ختم ہوجاتا ہے۔

۲-عدالت نے کہا کہ طلاق دینے سے قبل مصالحتی کوشش کرنا ضروری ہے جو فریقین کی جانب سے مقرر کردہ ثالثوں کی جانب سے کی جائے، ورنہ طلاق کالعدم ہوگی، جبکہ اسلامی قانون کی رو سے مصالحتی کوشش کی ہدایت دی گئی ہے لیکن ثالثی کے بغیر بھی طلاق دی جائے تو مؤثر اور نافذ العمل قرار دی جائے گی۔

۳-عدالت نے کہا کہ طلاق کی اطلاع بیوی کو دینا ضروری ہے اور بیوی کی عدم موجودگی میں دی گئی طلاق ناقابل قبول ہے، جبکہ اسلامی قانون کی رو سے طلاق بیوی کی غیر موجودگی لیکن گواہوں کی موجودگی میں دی جاسکتی ہے۔

۴-عدالت نے کہا کہ اگر شوہر بیوی کو طلاق بذریعہ تحریر دیتا ہے تو طلاق کو تین مرتبہ تحریری طور پر دہرانا ضروری ہے، ورنہ ایسی طلاق کالعدم قرار پائے گی، جبکہ اسلامی قانون کی رو سے تحریراً اگر ایک بار بھی طلاق دے دی جائے تو وہ نافذ العمل ہوگی۔

طلاق سے متعلق مندرجہ بالا فیصلے بہت بری طرح اسلامی قانون طلاق کو متاثر کرتے ہیں، کیونکہ کئی ایک لزوم جو عدالتوں نے لگائے ہیں وہ معقول ہونے کی بناپر اور بعض کے حوالے قرآن میں موجود ہونے کی وجہ سے سفارشانہ سمجھی جاسکتی ہیں، مثلاً جیسے کہ شوہر اور بیوی میں تنازعہ کی صورت میں سورۂ نسا کی آیت نمبر ۳۴ میں ہدایت دی گئی ہے کہ شوہر اور بیوی کی جانب سے ایک ایک ثالث مقرر کرکے مصالحت کی کوشش کی جائے، یہ حکم قرآنی ہونے کی وجہ سے یقیناً لازم العمل ہے لیکن اگر اس کے بغیر بھی طلاق دے دی جائے تو طلاق دینے والا اللہ کی نظر میں

گنہگار رہوگا،لیکن طلاق واقع ہوجائے گی۔اسلامی قانون طلاق سے متعلق ان عدالتی فیصلوں نے نہایت تشویشناک صورت حال پیدا کردی ہے کیونکہ اسلامی قانون طلاق کی رو سے مندرجہ بالا صورتوں میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اورزن وشو کا ازدواجی رشتہ ختم ہوجاتا ہے اور اس کے بعد شوہر وبیوی کے درمیان کوئی بھی جنسی تعلق جائز نہ ہوگا،لیکن عدالتی فیصلوں کی رو سے مندرجہ بالاصورتوں میں طلاق کو کالعدم یا غیر مؤثر Invalid قرار دیا گیا ہے جس کالازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایسی طلاق جس کوعدالت کالعدم قرار دیتی ہے ازدواجی رشتہ جاری اور قائم سمجھا جائے گا، جو اسلامی قانون کی رو سے زنا کی تعریف میں آئے گا، پس طلاق سے متعلق عدالتی فیصلے شریعت اپلیکیشن ایکٹ بابت ۱۹۳۷ کے دائرہ عمل میں داخل ہونے کے باوجود اسلامی قانون کی رو سے فیصل نہ ہوسکے، اس لئے اس صورت حال کا حل تلاش کرنا گناہ کبیرہ کے تدارک کے لئے ضروری ہے۔

## عدالتوں میں اسلامی قانون کے ماہر وکلاء کی ضرورت:

مندرجہ بالاسطور میں عدالتوں کے فیصلوں میں شرعی قوانین کی فروگذاشت کے پس منظر میں اسلامی قانون کے ماہر وکلاء کی ان مقدمات کے دوران بہت شدت سے کمی محسوس کی گئی، نہ صرف یہ بلکہ اس خصوص میں مزید دوفیصلوں کا حوالہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔

## مسلمان کی قانونی تعریف:

2004 میں حکومت آندھراپردیش نے مسلمانوں کو چار فیصد تحفظات فراہم کرنے کی غرض سے قانون سازی کی تھی جس کوآندھراپردیش ہائیکورٹ میں چیلنج کیا گیا،مقدمہ کی پیشی کے پہلے ہی دن معزز جج صاحبان نے وکلاء سے لفظ 'مسلمان' کی قانونی تعریف دریافت کی کہ قانون کی نظر میں مسلمان کس کو کہتے ہیں،لیکن اس غیر متوقع سوال کا جواب دینے کے لئے ایڈوکیٹ جنرل نے مسلم وکلاءاور دیگر مسلم تنظیموں کے ذمہ داروں سے مسلمان کی قانونی تعریف کے متعلق

سے موافر اہم کرنے کی خواہش کی۔

اس وقت تک شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ لفظ مسلمان کی قانونی تعریف ماضی میں کئی مقدمات میں زیر بحث آئی ہے اور تقریباً سو سال قبل یہ مسئلہ عدالت میں زیر غور آیا تھا، کم از کم تین چار مقدمات کے فیصلے دستیاب ہیں جس میں عدالتوں نے مسلمان کی قانونی تعریف بالکلیہ اسلامی عقیدہ کے مطابق بیان کی اور کہا کہ ''مسلمان وہ ہے جو اللہ کی وحدت کا قائل ہو اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا پیغمبر مانتا ہو'' ظاہر ہے کہ مسلمان کی یہ تعریف کلمہ طیبہ کا من وعن ترجمہ ہے اس کے علاوہ بھی کوئی شخص تبدیلی مذہب کے ذریعہ مذہب اسلام قبول کرلیتا ہے تو وہ بھی مسلمان کی قانونی تعریف میں شامل سمجھا جائے گا، اس موقع پر بھی مسلم وکلا کی کمی شدت سے محسوس کی گئی۔

## دو سگی بہنوں سے نکاح:

دوسرا اہم مقدمہ سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ ہے جو دو حقیقی بہنوں کے ایک ہی شخص سے شادی سے متعلق ہے، اور جس میں پہلی بیوی کے دوران ازدواج اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا گیا، اور دونوں بہنوں کو منکوحہ بیوی تصور کیا جاتا رہا اور آٹھ سال تک دونوں سگی بہنیں بیویوں کی حیثیت سے ایک ہی مکان میں رہتی رہیں اور ان دونوں بیویوں سے اولاد بھی پیدا ہوئی، یہ مقدمہ چاند پٹیل بنام بسم اللہ بیگم (۲۰۰۸ سپریم کورٹ کیس صفحہ ۷۷۴) کے نام سے رپورٹ ہوا ہے۔

مختصراً اس مقدمہ کی روداد یوں ہے کہ آٹھ سال تک دونوں بہنوں سے رشتہ ازدواج جاری رکھنے کے بعد شوہر نے دوسری بیوی سے لاپرواہی برتنا شروع کردیا اور اس کے نان ونفقہ اور اولاد کی پرورش سے بھی غافل رہا، مجبوراً دوسری بیوی نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت نان ونفقہ کا مطالبہ کیا اور یہ مقدمہ چنچولی کی عدالت سے ہوتا ہوا، اپیل در اپیل کے مرحلوں سے گذرتا ہوا ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج گلبرگہ، پھر کرناٹک ہائیکورٹ سے ہوتا ہوا سپریم کورٹ تک جا پہنچا۔

کرناٹک ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ میں اس مقدمہ کی بحث کے دوران دو حقیقی بہنوں سے بیک وقت رشتہ ازدواج منسلک رکھنے کے تعلق سے ایک قدیم مقدمہ عزیز النسا بیگم بنام کریم النسا بیگم (ILR (1895) 23 Col 130) کے نام سے کلکتہ ہائیکورٹ اور تاج بی بنام مولا خان (ILR (1917)41 Bom 485) کے نام سے ممبئ ہائیکورٹ کے فیصلے بھی زیرغور آئے۔

عدالتوں کی اسلامی قانون سے واقفیت اور ایسے مقدمات کے فیصلوں کی بنیاد کے تعین کے تعلق سے ممبئ ہائیکورٹ کا یہ تبصرہ بہت معنی خیز اور قابل غور ہے کہ ''ایسے مخصوص مقدمات میں عدالتیں مسلم لا سے متعلق مشہور کتابیں جیسے امیر علی، طیب جی، عبدالرحیم، یا فتاوی عالم گیری اور انگریزی مصنف بیلی Bailee کی کتابوں پر انحصار کریں گی''، ان تمام مقدمات کی روشنی میں سپریم کورٹ کے زیر بحث مقدمہ میں ممبئ ہائی کورٹ کے فیصلے جو تاج بی بنام مولا خان کے مذکورہ بالا مقدمہ میں دیا گیا تھا اور جس کی بنیاد مذکورہ بالا اسلامی قانون کی کتابوں کے مشہور مصنفین، فتاوی عالمگیری اور بیلی Bailee پر رکھی گئی تھی، اس کا حوالہ دیا گیا اور کہا کہ'' ان تمام ذخائر کی روشنی میں دو حقیقی بہنوں سے نکاح ''نکاح فاسد'' کی تعریف میں آتا ہے اور ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے حنفی مسلک کے لحاظ سے ایسا نکاح فاسد اس وقت تک برقرار رہتا ہے جب تک عدالت مجاز ایسے نکاح کو ختم نہیں کرادیتی''، اس لئے اس نکاح فاسد کو برقرار تصور کرتے ہوئے دوسری بیوی کی ادعا کو قبول کرتے ہوئے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت ایک ہزار روپئے ماہانہ نفقہ اور دس ہزار روپیہ اخراجات مقدمہ کے طور پر ادا کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔

اس تمام روداد میں یہ بات قابل غور ہے کہ زیر بحث بسم اللہ بیگم کے مقدمہ میں ذیلی عدالت سے لے کر سپریم کورٹ تک تمام نے یہ بات متفقہ طور پر کہی کہ نکاح فاسد اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک کہ عدالت مجاز ایسے نکاح کو ختم نہیں کرادیتی، جبکہ اسلامی قانون کی رو سے ایسے نکاح کو ختم کروانا ''قاضی کا فرض'' قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں نکاح کے عنوان سے

دس ابواب پر مشتمل مواد میں آٹھویں باب میں جو بالکلیہ نکاح فاسد سے متعلق ہے اس کے اولین سطور میں ہی یہ صراحت کردی گئی ہے کہ ایسے فاسد نکاح کو ختم کرادینا قاضی کا فرض ہے۔

ہندوستانی عدالتوں نے دیگر کتب کے علاوہ انگریزی مصنف بیلی Bailee کی کتاب پر بھی انحصار کیا جو دراصل فتاوی عالمگیری کا انگریزی ترجمہ ہے اور اس مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت دیگر مشہور کتب کے علاوہ بیلی کی انگریزی تصنیف بھی زیر غور رہی، لیکن ظاہر ہے کہ فتاوی عالمگیری کا عربی متن عدالتوں کو میسر نہ آیا ہوگا اس لئے وہ فتاوی عالمگیری میں درج اس نکتہ پر غور نہ کرسکے کہ ایسے نکاح فاسد کو ختم کرادینا ''قاضی کا فرض'' ہے حالانکہ عدالت نے بیلی کا ترجمہ دیکھا لیکن ''بیلی کے ترجمہ میں فتاوی عالمگیری میں درج یہ نکتہ نداردہے''۔ اوراس نکتہ کی عدم شمولیت کی وجہ سے یہ بات عدالت کے زیر غور نہیں آئی اور نہ ہی اسلامی قانون کے کسی ماہر وکیل نے اس استدلال کو پیش کیا، اس اہم فروگذاشت اور غلطی کی وجہ سے اسلامی قانون سے متعلق ایک اہم فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق فیصل ہونے سے رہ گیا، افسوس تو اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ نکاح فاسد سے متعلق یہ اہم نکتہ فتاوی عالمگیری کے علاوہ مسلم لا کے دیگر قابل مصنفین کی کتب میں بھی موجود ہے لیکن اس جانب توجہ نہیں دی گئی۔

اس مقدمہ کے پیش نظر یہ نکتہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ بابت ۱۹۳۷ کے تحت مسلم پرسنل لا کے وہ معاملات جو ہندوستان میں نافذ العمل ہیں اور جن کی رو سے ہی عدالتیں ایسے مقدمات کا فیصلہ شریعت کے مطابق کرنے کی پابند ہیں اس مقدمہ میں اپنی ذمہ داری سے کماحقہ سبکدوش نہ ہوسکے، دوسرا اہم نکتہ یہ بھی قابل غور ہے کہ جس وقت قاضی ایکٹ کے تحت حکومت کی جانب سے قاضی کے تقررات کو ختم کردیا گیا تھا، اس وقت یہ بات کہی گئی تھی کہ قاضی کے اختیارات اب دیوانی عدالتیں استعمال کریں گی، اس لئے عدالت کا فرض تھا کہ وہ قاضی کے اس فرض کو بھی انجام دیتی جس میں ایسے فاسد نکاح کو ختم کرانے کی ذمہ داری شریعت کی رو سے قاضی پر عائد ہوتی ہے، یہ بھی ممکن تھا ایسے مخصوص مقدمات جن کا راست تعلق اسلامی قانون کی

باریک نکات سے ہے،عدالت کم ازکم اسلامی قانون کے کسی ماہر یا مسلمہ دینی جامعات سے ان کی رائے طلب کرتی اور اس کی روشنی میں اپنا فیصلہ لیتی ۔اس لئے یہی کمی اسلامی قانون سے متعلق مقدمات کے شرعی تصفیہ کے لئے دارالقضاء کی ضرورت کا جواز فراہم کرتی ہے۔

## مقدمات کے شرعی تصفیہ کے لئے دارالقضاء کی ضرورت:

جیسا کہ مذکورہ صدر بحث میں عرض کیا گیا کہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ کی رو سے وہ معاملات جو اسلامی قانون کی رو سے فیصل ہوتے ہیں، ان امور میں دارالقضاء ایک اہم کردار ادا کرسکتا ہے،خصوصا دیہات یا ضلعی سطح پر اکثر لوگ جو عدالتوں کے اخراجات کے متحمل نہیں ہوسکتے وہ متعلقہ دارالقضاء سے رجوع ہوکر اپنے فیصلے ثالثی کے ذریعہ فیصل کراسکتے ہیں، یہاں یہ غلط فہمی دورکرنا بہت ضروری ہے کہ دارالقضا کا مقصد ہندوستانی نظام عدلیہ کا بدل فراہم کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا قیام بیرون عدالت یکسوئی کے ذریعہ عدالتوں کے کام کو سہل بنانا اور ان پر موجود مقدمات کے بھاری بوجھ کو کم کرنا ہے، اس لئے مجوزہ دارالقضاء ہندوستانی عدالتوں کا قائم مقام نہیں بلکہ مددومعاون ہوگا، اب جبکہ Alternative Dispute (ADR) Resolution اور لوک عدالت کے نظام کو فروغ دینے کی کوشش جاری ہے اور ثالثی سے متعلق Arbitration Act کی قانون سازی بھی کردی گئی ہے، دارالقضاء کے نظام کو اس کے دائرہ اختیار کو متعین کرکے باقاعدہ بنایا جاسکتا ہے، یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فی الحال دارالقضا کو اپنے صادر کردہ فیصلے نافذ کرنے کے لئے قوت نافذہ حاصل نہیں ہے، اور کوئی بھی فریق جو دارالقضاء کے فیصلے سے مطمئن نہیں ہے وہ کبھی بھی عدالت سے رجوع ہوسکتا ہے اور اس معاملہ میں کوئی بھی امر مانع نہیں ہے۔

## اسلامی قانون کے مؤثر نفاذ کی وجوہات:

جیسا کہ حصہ اول میں عرض کیا گیا کہ اسلامی قانون قرآن اور حدیث پر مبنی ہونے کی

وجہ سے اس کا تعلق عقائد کے ساتھ ساتھ آئینی قانون سے بھی ہے، اور وہ اس زندگی کے حال اور مستقبل میں پیش آنے والے مختلف حوادث کا احاطہ کرتا ہے، اسلامی قانون کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ قرآن وحدیث کے علاوہ، بدلتے زمانے کے ساتھ ساتھ پیش آنے والے مسائل کا حل قرآن وحدیث کے تحت ومطابق دیگر ثانوی ماخذوں سے جیسے اجماع، قیاس، استحسان اور مصالح مرسلہ کے ذریعہ حاصل کرسکتا ہے، اور اس خصوص میں اسلامی فقہ کے جید علماء وفقہاء نے ماضی وحال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اسلامی قانون کو دور جدید کے مسائل سے ہم آہنگ کرنے کی سعی جاری رہی، چونکہ یہ مضمون ایک علاحدہ دفتر کا دفتر چاہتا ہے اس لئے اس کو صرف اشارتاً بیان کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اسلامی قانون عقائد اور عبادت پر مبنی ہونے کی وجہ سے انسان کی کردار سازی میں اہم رول ادا کرتا ہے اور مذہبی عقیدہ کے مطابق روزحشر، حساب کتاب، سزا وجزا اور اس سے ناممکن فرار کی وجہ سے انسان کے دل میں خوف خدا پیدا کرتا ہے، اس لئے ایسے ایمان وکردار کی بنا پر مسلمان اسلامی قانون کی اتباع دل کی گہرائیوں سے کرتے ہیں شاید یہی بات تھی جس نے شراب کی ممانعت کے حکم پر اتنی برق رفتاری سے عمل آوری کر دکھائی اور ایسی کئی مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں نیز یہ کہ اسلامی قانون الٰہی ہونے کی وجہ سے نقائص سے پاک ہے، اور اس میں کوئی بھی ترمیم نقص کی بنا پر نہیں کی جاسکتی بلکہ بدلتے حالات کے تحت قرآن وحدیث کے اصل نصوص کو مجروح کئے بغیر دیگر ماخذوں اور ذرائع سے مسائل کا حل نکالا جاتا ہے، اس لئے اسلامی قانون کے حال اور مستقبل میں ربط پایا جاتا ہے، رفت نہیں۔ اور یہی اسلامی قانون کی موجودہ عہد میں معنویت کا بین ثبوت ہے۔

☆☆☆

# کلیدی خطبہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی☆

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین، وعلیٰ من تبعھم باحسان الی یوم الدین ۔

صدر عالی قدر، بزرگانِ محترم، حضرات گرامی!

''اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ ہم سب اس وقت ایک اہم موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے جمع ہیں، کیونکہ اس سے انسان کے طریقہ زندگی کی ہدایات وتعلیمات متعلق ہیں، انسان کی خواہشات، اس کی چاہتیں اور آرزوئیں جن کو قرآن نے ''امانی'' (النساء:۱۲۳) سے تعبیر کیا ہے، بے شمار اور بے نہایت ہیں؛ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اس کی تمام تر وسعت کے باوجود محدود وسائل کا حامل بنایا ہے، اس دنیا میں انسان کی ضرورتیں تو پوری ہوسکتی ہیں، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا عین تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَى اللهِ رِزْقُهَا'' (ہود:۶)، اور رزق میں تمام ضرورتیں شامل ہیں؛ لیکن اس کی نہ ختم ہونے والی سرحد اور نا آشنا خواہشات پوری نہیں ہوسکتیں، اس کی جگہ دنیا نہیں، آخرت ہے، جو ''مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسَكُمْ'' کی جگہ ہے (فصلت:۳۱)؛ اسی لئے آخرت میں جنت مکیں لوگوں کے درمیان کوئی ٹکراؤ اور تصادم نہیں ہوگا اور ان کے قلوب ہر طرح کے ''غل وغش'' سے پاک ہوں گے؛ مگر اس دنیا

☆ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

میں محدود وسائل کی وجہ سے خواہشات کے درمیان ٹکراؤ ہوگا، اس ٹکراؤ کی وجہ سے ظلم وزیادتی کے واقعات بھی پیش آئیں گے اور جرائم کا ارتکاب بھی ہوگا؛ بلکہ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہابیل اور قابیل سے ہی اس کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے (سورۂ مائدہ: ۲۸)۔

اسی کے لئے قانون کی ضرورت پیش آتی ہے، قانون اس تصادم کو روکتا ہے، قانون ہر شخص کے لئے دائرے مقرر کرتا ہے کہ اس کے حقوق اور اختیارات کی حدیں کہاں تک ہیں؟ قانون ظالم کو ظلم سے باز رکھتا ہے اور اس کے جرائم کی سزا دیتا ہے، مظلوم کو انصاف دلاتا ہے اور اس کے حق کو بازیاب کرتا ہے، اس لئے کوئی مہذب انسانی سماج ایسا نہیں ہوسکتا، جو کسی قانون کے بغیر زندگی بسر کرے، جو سماج لاقانونیت پر مبنی ہو، وہ حقیقت میں ''جنگل راج'' کا مصداق ہوگا اور وہاں ''جس کی لاٹھی، اس کی بھینس'' کے اُصول پر جبر وظلم کے سایہ میں لوگوں کو زندگی بسر کرنی ہوگی، اس لئے قانون کی اہمیت اور انسانی سماج کے لئے اس کی ضرورت کا کوئی سمجھدار شخص انکار نہیں کرسکتا''۔

اہمیت اس بات کی ہے کہ قانون بنانے کا حق کس کو ہے؟ — بنیادی طور پر دنیا کی تاریخ میں تین قسم کے قوانین پائے جاتے ہیں، شخصی قانون، عوامی قانون اور الہامی قانون، شخصی قانون میں ایک شخص کی زبان اور اس کی سوچ قانون کی اساس ہوتی ہے، تنہا بادشاہ یا ڈکٹیٹر کے فیصلے تمام عوام پر واجب العمل سمجھے جاتے ہیں، آج کی دنیا شاہی نظامِ حکومت کو رد کر چکی ہے، بہت کم ملکوں میں اس طرح کے نظام قائم ہیں اور جہاں ہیں، وہاں بھی بہت سی جگہوں میں بادشاہ کو محض ایک علامتی سربراہ کی حیثیت سے باقی رکھا گیا ہے۔ عوام اپنے منتخب نمائندوں کے واسطہ سے خود قانون بناتے ہیں، جسے ہم ''جمہوریت'' کہتے ہیں، آج کی دنیا میں یہ ایک آئیڈیل، پسندیدہ اور مقبول ترین نظام حکومت ہے، جو ہمارے ملک میں بھی جاری ہے؛ بلکہ کہا جاتا ہے کہ ہم دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہیں، ان دونوں نظام ہائے حکومت میں انسان کو قانون بنانے کا اہل مانا جاتا ہے اور وہی قانون کا اصل سرچشمہ ہوتا ہے، چاہے شاہی فرامین ہوں، عوام کے منتخب

نمائندوں کے فیصلے ہوں یا حکومت کے نامزد عوامی نمائندوں کے فیصلے، یا وہ رسوم ورواجات جنھیں عوامی مقبولیت حاصل ہوگئی ہے۔

اس کے مقابلہ قانون کی ایک قسم وہ ہے جو الہام پر مبنی ہے، یعنی وہ قانون جس کی بنیاد مذہب پر ہے اور مذہب وجود میں آتا ہے خدا کے تصور سے، اس لئے اہل مذہب اپنے قوانین کے بارے میں خیال رکھتے ہیں کہ یہ خدا کا بھیجا ہوا قانون ہے، جو کسی ذریعہ سے انسانیت تک پہنچا ہے، اسلام بنیادی طور پر اسی کا قائل ہے؛ چنانچہ اسلام کی نگاہ میں قانون بنانے اور حلال وحرام کو متعین کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّهِ (الانعام: ۵۷)، وَلَهُ الْأَمْرُ (الاعراف: ۵۴)؛ کیوں کہ پوری انسانیت کے لئے وہی ذات نظامِ حیات کو طے کرسکتی ہے، جو ایک طرف پوری کائنات کے بارے میں باخبر ہو اور پوری انسانیت کے جذبات واحساسات اور اس کی خواہشات ضروریات، نیز اس کے نفع ونقصان اور اشیاء کے نتائج واثرات سے پوری طرح واقف ہو؛ کیوں کہ اگر وہ ان حقیقتوں کا علم نہیں رکھتا ہو، تو عین ممکن ہے کہ اس کے دیئے ہوئے بعض احکام نفع کے بجائے نقصان اور خیر وفلاح کے بجائے ناکامی وخسران کا باعث بن جائیں۔

دوسری طرف وہ تمام انسانی طبقات کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرسکتا ہو، کالے گورے، امیر وغریب، مرد وعورت، رنگ ونسل اور زبان ووطن کی بنیاد پر ان کے درمیان کوئی تفریق روا نہ رکھتا ہو — اور ایسی ذات خدا ہی کی ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ وہ علیم وخبیر بھی ہے اور عادل ومنصف بھی۔

انسان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ کائنات کی تمام اشیاء کے فائدہ ونقصان اور پوری انسانیت کے جذبات واحساسات سے واقف ہے؛ بلکہ وہ تو اپنے آپ سے بھی پوری آگہی کا مدعی نہیں ہوسکتا، اور ہر انسان چوں کہ کسی خاص رنگ ونسل، کنبہ وخاندان اور زبان وعلاقہ کی وابستگی کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور یہ وابستگی اس میں فطری طور پر ترجیح وطرفداری کا ذہن پیدا کرتی ہے؛ اس لئے کسی انسان یا انسانی گروہ کے بارے میں یہ بات نہیں سوچی جاسکتی کہ وہ تمام

انسانوں کے ساتھ مساوی طریقہ پر عدل و انصاف کا برتاؤ کرے گا؛ اس لئے خدا کا بھیجا ہوا قانون انسانی قانون کے مقابلہ یقیناً برتر و فائق اور مبنی بر انصاف ہوگا۔

''اللہ تعالیٰ نے جس دن سے کائنات کی یہ بستی انسانوں سے بسائی ہے، اسی دن سے انسان کو زندگی بسر کرنے کے طریقہ کی بھی تعلیم دی ہے، پھر انسانی تمدن کے ارتقاء کے اعتبار سے وقتاً فوقتاً نئے احکام بھی دیئے جاتے رہے ہیں، نیز قانون کی گرفت کو کمزور کرنے کے لئے انسان نے آسمانی ہدایات میں اپنی طرف سے آمیزشیں بھی کی ہیں، ان تحریفات اور آمیزشوں سے پاک کرنے کی غرض سے رب کائنات کی طرف سے انسانیت کے لئے نئے بے آمیز ہدایت نامے آتے رہے ہیں، اس سلسلہ کی آخری کتاب قرآن مجید کی صورت میں پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، یہ کوئی نیا قانون اور نئی شریعت نہیں ہے؛ بلکہ اسی قانون کا تسلسل ہے، جو مختلف ادوار میں پیغمبروں کے واسطہ سے انسانیت تک پہنچتا رہا ہے''۔

محترم حضرات! شریعتِ اسلامی کو جو باتیں انسان کے خود ساختہ قوانین سے ممتاز کرتی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے:

## ۱- عدل

شریعتِ اسلامی کا سب سے امتیازی پہلو اس کا عدل ہے، اس دین کی بنیاد ہی عدل پر ہے، اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل: ۹۰)، اسلام کی نگاہ میں رنگ و نسل، جنس اور قبیلہ و خاندان کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات: ۱۳)۔

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے؛ تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ

کےنزدیک وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقوی اختیار کرنے والا ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کو مزید واضح فرمایا اور ارشاد ہوا کہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے (مسند احمد: ۵/۴۱۱)، اسلام کے تمام قوانین کی اساس اسی اُصول پر ہے، برخلاف انسانی قوانین کے، کہ انسانوں نے جو بھی قوانین وضع کئے ہیں، وہ ایک گروہ کی برتری اور دوسرے طبقہ کی تذلیل وحق تلفی پر مبنی رہا ہے، مغربی ممالک میں نصف صدی پہلے تک نسلی تفریق موجود تھی، ساؤتھ افریقہ میں تو یہ تفریق (جو اہل یورپ کی طرف سے مسلط کی گئی تھی) گذشتہ پندرہ بیس سال پہلے تک بھی موجود تھی، آج بھی ان کے آثار وشواہد باقی ہیں، جنھیں دیکھ کر انسانیت کا سر مارے شرم کے جھک جاتا ہے، امریکہ جو دُنیا کی واحد سُپر طاقت ہے، وہاں کی بعض ریاستوں میں آج بھی نسلی امتیاز پر مبنی قوانین موجود ہیں، شہریت کے مختلف درجات مقرر ہیں اور اسی نسبت سے ان کو رعایتیں اور سہولتیں حاصل ہوتی ہیں، بعض ریاستوں میں اب بھی گوری اور کالی نسل کے درمیان شادی نہیں ہوسکتی، اگر کرلی جائے تو یہ شادی غیر معتبر ہوگی اور پانچ سو ڈالر یا چھ مہینہ کی قید یا دونوں سزائیں اس کا ارتکاب کرنے والوں کو دی جائیں گی (الرق ماضیہ و حاضرہ، ۳۹، تالیف عبد السلام الترمانینی)۔

## ۲- توازن واعتدال:

شریعتِ اسلامی کا دوسرا امتیازی وصف اس کا ’’توازن واعتدال‘‘ ہے، مثلاً مرد وعورت انسانی سماج کے دو لازمی جز و ہیں، دُنیا میں کچھ ایسے قوانین وضع کئے گئے، جن میں عورت کی حیثیت جانور اور بے جان املاک (Property) کی سی قرار دے دی گئی، نہ وہ کسی جائیداد کی مالک ہوسکتی تھی نہ اس میں تصرف کرسکتی تھی، نہ اس کو اپنے مال پر اختیار حاصل تھا نہ اپنی جان پر، یہاں تک کہ اہل علم کے درمیان بحث جاری تھی کہ عورتوں میں انسانی روح پائی جاتی ہے یا حیوانی روح؟ اس کے مقابل دوسری طرف کچھ لوگوں نے عورتوں کو تمام ذمہ داریوں میں

مردوں کے مساوی قرار دے دیا، عورتوں کی جسمانی کمزوری، ان کے ساتھ پیش آنے والے قدرتی حالات وعوارض اور طبیعت ومزاج اور قوتِ فیصلہ پر ان کے اثرات کو نظر انداز کردیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہ ظاہر تو اسے عورت کی حمایت سمجھا گیا؛ لیکن انجام کار اس آزادی نے سماج کو بے حیائی، اخلاقی انارکی، نا قابل علاج امراض، خاندانی نظام کا بکھراؤ اور خود عورتوں کو نا قابل تحمل فرائض کا تحفہ دیا۔

اسلام نے مردوں اور عورتوں سے متعلق نہایت متوازن قانون دیا ہے، انسانی حقوق میں مردوں اور عورتوں کو مساوی درجہ دیا گیا ہے، وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ (البقرۃ: ۲۲۸)، لیکن سماجی زندگی میں دونوں کے قویٰ اور صلاحیت کے لحاظ سے فرق کیا گیا ہے اور بال بچوں کی تربیت کی ذمہ داری عورتوں پر اور کسبِ معاش کی ذمہ داری مردوں پر رکھی گئی ہے، سماجی زندگی کا یہ نہایت ہی زریں اُصول ہے، جس میں خاندانی نظام کا بقاء، اخلاقی اقدار کی حفاظت اور عورت کو نا قابل برداشت مصائب سے بچانا ہے۔

دولت مندوں اور غریبوں، آجروں اور مزدوروں، عوام اور حکومت کے تعلقات اور مجرموں اور جرم سے متاثر مظلوموں کے درمیان انصاف وغیرہ سے متعلق اسلامی تعلیمات کو اگر حقیقت پسندی کے ساتھ دیکھا جائے تو قانونِ شریعت میں جو اعتدال نظر آئے گا، گذشتہ اور موجودہ ادوار میں انسانوں کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ایسی میانہ روی نہیں ملے گی۔

## ۳- عقل ومصلحت سے ہم آہنگی:

خدا سے بڑھ کر کوئی ذات انسان کی مصلحتوں سے آگاہ نہیں ہوسکتی؛ اسی لئے شریعت کے احکام عقل کے تقاضوں اور مصلحتوں کے عین مطابق ہیں، یہاں تک کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ شریعت تمام تر مصلحت ہی سے عبارت ہے اور ہر حکم شرعی کا مقصد یا تو کسی مصلحت کو پانا ہے، یا کسی نقصان اور مفسدہ کا ازالہ: ''إن الشريعة كلها مصالح، إما درأ مفاسد، أو جلب

**مصالح**''(قواعد الاحکام لعز الدین بن عبد السلام ۹/۱)۔

اس کے برخلاف انسان کی عقل کوتاہ ونارسا ہے اور بہت سی دفعہ خود اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے سے بھی قاصر وعاجز ، انسان بعض اوقات خواہشات سے اس قدر مغلوب ہوجاتا ہے کہ کسی بات کو نقصان جانتے ہوئے بھی اس کو قبول کرلیتا ہے، اس کی واضح مثال شراب ہے، شراب انسان کے لئے نہایت نقصان دہ اور اس کی صحت کو برباد کردینے والی چیز ہے، اس پر اتفاق ہے؛ لیکن آج دُنیا کے ان تمام ملکوں میں جو انسانی قانون کے زیر سایہ زندگی بسر کررہے ہیں، شراب کی اجازت ہے، غیر قانونی جنسی تعلق اور ہم جنسی کے بارے میں تمام میڈیکل ماہرین متفق ہیں کہ یہ صحت کے لئے نہایت مہلک فعل ہے اور نہ صرف اخلاق کے لئے تباہ کن ہے؛ بلکہ طبی نقطۂ نظر سے بھی زہر ہلاہل سے کم نہیں، اس کے باوجود عوامی دباؤ اور آوارہ خیال لوگوں کی کثرت سے مجبور ہوکر بہت سے ترقی یافتہ ملکوں میں ان خلافِ فطرت اُمور کی بھی اجازت دے دی گئی ہے۔

اسلامی شریعت کہیں بھی عقل اور حکمت ومصلحت سے برسر پیکار نظر نہیں آتی اور اس کا ایک ایک حکم انسانی مفاد ومصلحت پر مبنی ہے۔

## ۴- فطرتِ انسانی سے مطابقت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اسی لئے وہی انسانی فطرت سے بھی پوری طرح واقف ہے اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت مکمل طور پر فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہے؛ اسی لئے قرآن نے اسلام کو دینِ فطرت سے تعبیر کیا ہے، **فِطْرَةَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا** (الروم: ۳۰)، فطرت سے بغاوت ہمیشہ انسان کے لئے نقصان وخسران اور تباہی وبربادی کا سبب بنا ہے، انسان کے بنائے ہوئے قانون میں فطرت سے بغاوت کا رجحان قدم قدم پر ملتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے عورت کی فطرت میں جلد بازی، زود رنجی اور عجلت قدم اُٹھانے کا مزاج رکھا ہے؛ اسی

لئے اسلام نے طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں نہیں رکھا، مرد کو طلاق کا اختیار دیا اور عورت کے لئے عدلیہ کے واسطہ سے گلو خلاصی کی سہولت دی، مغرب نے مرد و عورت کو مساوی درجہ دیتے ہوئے طلاق کے معاملہ میں بھی دونوں کو یکساں حیثیت دے دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق کی شرح بہت بڑھ گئی؛ یہاں تک کہ بہت سے ملکوں میں نکاح کے مقابلہ طلاق کی شرح بڑھی ہوئی ہے، خاندانی نظام بکھر کر رہ گیا ہے، اس وقت مغربی سماج اس درد میں کراہ رہا ہے اور رشتوں کی بنیاد محبت کی بجائے خود غرضی پر قائم ہوگئی ہے۔

اسی طرح انسانی فطرت ہے کہ سخت اور مناسب سزائیں ہی انسان کو جرم سے باز رکھ سکتی ہیں اور مجرم کے ساتھ حسن سلوک دراصل مظلوم کے ساتھ ناانصافی اور سماج کو امن سے محروم کردینے کے مترادف ہے؛ اسی لئے اسلام میں قتل کی سزا قتل رکھی گئی اور بعض دیگر جرائم میں بھی سخت سزائیں رکھی گئیں؛ لیکن مختلف ملکوں میں قتل کے مقابلہ قتل کی سزا ختم کردی گئی اور ہمدردی و انسانیت کے نام پر مجرم کو سہولتیں دی گئیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرائم پر جسارت بڑھتی جارہی ہے اور جو سزائیں دی جاتی ہیں، وہ جرم کے سد باب کے لئے قطعاً کافی ثابت ہورہی ہیں؛ اسی لئے بعض ملکوں میں تو قتل کی سزا منسوخ کرنے کے بعد دوبارہ ان کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

شریعتِ اسلامی کے جس حکم کو بھی حقیقت پسندی کے ساتھ دیکھا جائے، محسوس ہوگا کہ اس میں قانونِ فطرت کی مطابقت غیر معمولی حد تک پائی جاتی ہے، برخلاف انسان کے خود ساختہ قوانین کے، کہ اس میں فطرت سے بغاوت اور عقل و مصلحت کے تقاضوں پر خواہشات کے غلبہ کا رجحان ہر جگہ نمایاں ہے۔

### ۵- ثبات و تغیر- دوش بدوش:

کسی بھی قانون کے مفید اور فعال رہنے کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ اس میں حالات

اور مواقع کے لحاظ سے تغیرات کو قبول کرنے کی گنجائش رہے، وہیں ایک گونہ ثبات ودوام اور بقاء واستمرار بھی ضروری ہے، جو قانون بالکل بے لچک اور تغیر نا آشنا ہو، وہ زمانہ کی تبدیلیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا اور جس قانون میں کوئی بقاء واستحکام ہی نہ ہو، وہ انصاف قائم کرنے اور لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس کے ہر اُصول میں شکست وریخت کی گنجائش ہوگی اور لوگ اس کو اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھال لیں گے۔

شریعتِ اسلامی میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ ہے، کچھ احکام وہ ہیں، جن کی بابت اُصول وقواعد اور شریعت کے مقاصد کی وضاحت پر اکتفاء کیا گیا ہے، ہر عہد میں جو مسائل پیدا ہوں، ان کو ان اُصولوں کی روشنی میں حل کیا جائے گا؛ کیوں کہ شریعت کا اصل مقصد عدل کو قائم کرنا اور ظلم کو دفع کرنا ہے، اگر ایک ہی حکم کسی زمانہ میں عدل کو قائم رکھنے کا سبب ہو اور دوسرے عہد میں ظلم وناانصافی کا باعث بن جائے، تو دونوں حالات میں حکم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔

شریعت نے بعض مسائل میں جزوی تفصیلات کو بغیر کسی استثناء اور تخصیص کے متعین کردیا ہے، یہ تعیین وتحدید اس بات کی علامت ہے کہ یہ قیامت تک قابل عمل ہے، اسی طرح شریعت میں جو اُصولی ہدایات دی گئی ہیں اور جن قواعد اور مقاصد کی رہنمائی کی گئی ہے، وہ نا قابل تبدیل ہیں، اسی لئے قرآن مجید نے کہا ہے کہ قرآنی ہدایات کے ذریعہ دین پایۂ کمال کو پہنچ چکا ہے، اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ، (المائدۃ:۳)، اور محمد رسول اللہ ﷺ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کردیا گیا ہے (الاحزاب:۴۰)، لہٰذا اب خالق کائنات کی طرف سے کسی نئی شریعت کے آنے کا امکان باقی نہیں رہا۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے، لباس کی مقدار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے؛ لیکن جب انسان جوانی کی عمر کو پہنچ جاتا ہے، تو اس وقت جو لباس اس کے لئے موزوں

ہوتا ہے، وہ ہمیشہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس کی موزونیت باقی رہتی ہے، اسی طرح انسانی تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسب حال احکام آتے رہے، یہاں تک کہ جب انسانی شعور اور اس کا تمدن اپنے اوجِ کمال کو پہنچ گیا تو اسے شریعت محمدی ﷺ سے نوازا گیا، اب یہ انسانی سماج کے لئے ایسا موزوں قانون ہے کہ قیامت تک اس کی موزونیت اور اس کی افادیت کم نہیں ہوسکتی۔

مگر --- جیسا کہ مذکور ہوا --- اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی قانون میں کوئی لچک نہیں ہے؛ بلکہ شریعت کے وہ قوانین جو قیاس و اجتہاد یا مصلحت پر مبنی ہوں، براہ راست قرآن مجید اور معتبر احادیث سے ماخوذ نہ ہوں یا جن پر فقہاء مجتہدین کا اتفاق نہ ہو، ہر عہد میں ان کی تطبیق اس زمانے کے مطابق ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی؛ بلکہ خود قرآن وحدیث میں بھی ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، جن کی مختلف ادوار میں، ان ادوار کے وسائل اور احوال کے لحاظ سے تعبیر کی جاسکے، جیسے قرآن مجید میں گواہوں کے ''عادل'' ہونے کی شرط لگائی گئی ہے (طلاق: ۲)؛ لیکن ''عادل'' کا مصداق متعین نہیں کیا گیا ہے؛ تاکہ ہر زمانہ میں اس زمانہ کے اخلاقی معیار کے مطابق اس کا مصداق متعین کیا جائے، اسی طرح حدیث میں کسی چیز پر قبضہ سے پہلے خرید فروخت سے منع کیا گیا (بخاری، عن علی بن عبداللہ، حدیث: ۲۱۳۵)؛ لیکن اس کا قطعی مفہوم متعین نہیں کیا گیا؛ تاکہ ہر زمانہ میں قبضہ کی جو نئی شکلیں پیدا ہوں، وہ اس حکم کے دائرہ میں آسکیں۔

## ۶- قانون کی تنفیذ:

کسی بھی قانون کا نفاذ دو طریقوں پر ہوتا ہے، سماج کے اندر قبول وطاعت کا جذبہ پیدا کرکے اور قانون کے خلاف طاقت کا استعمال کرکے۔

کچھ طبیعتیں سلامتی اور شرافت کی حامل ہوتی ہیں، ان میں از خود قانون پر عمل کرنے کا

جذبہ موجود ہوتا ہے؛ لیکن جن طبیعتوں میں سرکشی اور بغاوت ہوتی ہے، یا جو خواہشات سے مغلوب ہوتی ہیں، وہ جبر وخوف کے بغیر یا قانون کو قبول کرنے کی شکل میں اس سے خوب تر کی اُمید کے بغیر سر تسلیم خم نہیں کرتیں، انسانی قوانین میں عدالت، پولیس اور ان دونوں شعبوں کے ذریعہ سزاؤں کا خوف ہی انسان کو جرم سے باز رکھتا ہے، لیکن شریعتِ اسلامی میں اس سے آگے ایک اور عقیدہ ''آخرت کے عذاب وثواب'' کا ہے، اسی لئے قرآن وحدیث میں ہر حکم کے ساتھ، اس کے ماننے پر آخرت کا اجر اور اس کے نہ ماننے پر آخرت کی پکڑ کا ذکر موجود ہے، یہ ایسا انقلاب انگیز عقیدہ ہے، جو طاقتور سے طاقتور انسان کے دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور بڑے بڑے مجرموں کو قانون کے سامنے سپر انداز ہونے پر مجبور کرتا ہے، جب کوئی آنکھ دیکھنے والی اور کوئی زبان ٹوکنے والی نہیں ہوتی، اس وقت بھی یہ عقیدہ اس کے ہاتھوں کے لئے ہتھکڑی اور اس کے پاؤں کے لئے زنجیر بن جاتا ہے۔

مسلم سماج میں اِس گئے گذرے دور میں بھی اس کی مثالیں بہ آسانی دیکھی جاسکتی ہیں، مثلاً یہی منشیات کا مسئلہ ہے، آج پوری دُنیا اس مسئلہ سے دوچار ہے اور اس کے نقصانات بحث سے ماوراء ہیں، امریکہ نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے ۱۹۳۰ء میں نشہ بندی کا ایک قانون بنایا اور شراب کی مضرتوں کو واضح کرنے کے لئے صرف تشہیر پر ۶۵ ملین ڈالر خرچ کئے، ۹ ہزار ملین صفحات شراب کے نقصانات پر لکھے گئے، ۲۰۰ آدمی قتل کئے گئے، ۵ لاکھ کو قید کی سزا دی گئی، جو جرمانے کئے گئے، اس کی مقدار بے شمار ہے؛ لیکن اس کے باوجود قانون کی طاقت سے قانون کو منوایا نہیں جاسکا اور ۱۹۳۳ء میں امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ اس قانون کو واپس لے لے۔

قرآن مجید نے جب شراب کو حرام قرار دیا، تو عرب اس کے بے حد عادی تھے، یہاں تک کہ اسلام سے پہلے ان کی مذہبی تقریبات بھی شراب سے خالی نہیں ہوتی تھیں؛ لیکن شراب کی حرمت کا حکم آتے ہی لوگوں نے اپنا سر جھکا دیا اور مدینہ کی گلیوں، کوچوں میں شراب بہنے لگی، آج

بھی صورتِ حال یہ ہے کہ جہالت وغفلت کے باوجود مسلمان سماج میں شراب سے جو احتیاط برتی جاتی ہے، شاید ہی اس کی مثال مل سکے، مغربی ممالک میں خاص طور پر اس کو محسوس کیا جاسکتا ہے کہ دوش بدوش زندگی گذارنے والے مسلمان اور غیر مسلم مئے نوشی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف کردار کے حامل ہوتے ہیں۔

اسی طرح زنا اور غیر قانونی جنسی تعلق کا معاملہ ہے، کہ آج بھی اس معاملہ میں مسلم سماج دوسری قوموں سے بدرجہا غنیمت ہے، یہی وجہ ہے کہ ایڈس کی بیماری کی شرح مسلم ملکوں میں سب سے کم ہے، یہاں تک کہ وہ مسلمان ملک جنھیں سیکولرزم کے نام پر "اغواء" کرلیا گیا ہے، وہ بھی ایسی برائیوں میں مغربی اور مغرب زدہ ممالک سے بہتر حالت میں ہیں،۔۔۔۔مغربی ملکوں میں شہر شہر بوڑھے لوگوں کے لئے ہاسٹل قائم کردیئے گئے ہیں، لوگ بوڑھے ماں باپ اور بزرگانِ خاندان کو ان ہاسٹلوں میں رکھ کر اپنا بوجھ ہلکا کرلیتے ہیں، لیکن مسلم سماج میں آج بھی ایسی خودغرضی نسبتاً کم پائی جاتی ہے، والدین کا احترام اور بزرگوں کی قدر دانی کو لوگ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں، یہ آخرت کے خوف اور آخرت میں جوابدہی کے احساس کے بغیر نہیں ہوسکتا، پس وضعی قوانین کا نفاذ قانون کی طاقت ہی سے ممکن ہے؛ لیکن قانون شریعت کے نفاذ میں عقیدہ وایمان کی طاقت بھی مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

## اجتہاد:

حضرات گرامی! اسلامی قانون کا تعارف اس وقت تک نامکمل ہوگا جب تک مسئلہ اجتہاد کے بارے میں کچھ عرض نہ کیا جائے، اجتہاد کے سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اسلامی قانون کے بنیادی مصادر چار ہیں: کتاب اللہ، سنتِ رسول، اجماع یعنی اُمت کا کسی مسئلہ پر اتفاق، قیاس یعنی جس صورتِ حال کا حکم قرآن وحدیث میں صراحتاً ذکر نہ کیا گیا ہو اس میں قرآن وحدیث کے مماثل حکم جاری کرنا، اس کے علاوہ بعض ضمنی ماخذ بھی ہیں جن کا تعلق ضرورت

ومصلحت اور عرف ورواج وغیرہ سے ہے، ان ماٰخذ سے شرعی احکام مستنبط کرنے اور جو نئے واقعات پیش آئے ان کو اس پر منطبق کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ''اجتہاد'' کو درست قرار دیا؛ بلکہ اس کو اجر وثواب کا باعث بھی بتایا، اس لئے اجتہاد کا مسئلہ اسلامی قانون سے حد درجہ مربوط ہے۔

یہ بات عرصہ سے زیر بحث ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے یا بند ہو چکا؟ --- اس پر اہل علم کے درمیان کافی بحثیں بھی کی جاتی ہیں، اس سلسلہ میں ایک بات تو واضح ہے کہ جس دروازہ کو رسول اللہ ﷺ نے کھولا ہے اسے کوئی کیسے بند کرسکتا ہے، اُمت کے بڑے سے بڑے عالم کو بھی اس کا حق نہیں پہنچتا کہ قرآن وحدیث میں جس بات کو جائز قرار دیا گیا ہے وہ اس سے منع کردے؛ البتہ دو باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ کس حد تک اجتہاد کی ضرورت ہے؟ دوسرے یہ کہ کونسے مسائل اجتہاد کا محل ہیں؟

مجتہد بنیادی طور پر تین کام کرتا ہے:

الف- جس ذرائع سے کوئی حکم ہم تک پہنچا ہے، اس کے معتبر و نامعتبر اور مقبول ونامقبول ہونے کی تحقیق، جیسے وہ احادیث جو متواتر نہیں ہیں، یا صحابہ کے قول وغیرہ کے بارے میں اس بات کو جاننا کہ جن شخصیتوں کی طرف ان اقوال وافعال کی نسبت کی گئی ہے، وہ نسبت مستند و معتبر بھی ہے یا نہیں؟

ب-شریعت میں قرآن وحدیث میں بعض احکام وہ ہیں جن کے اسباب وعلل اور مقاصد کو بھی واضح کردیا گیا ہے اور بہت سے احکام وہ ہیں جن میں ان کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، غور وفکر کرکے مجتہدین ان کی علتوں کو دریافت کرتے ہیں۔

ج- تیسرا کام یہ ہے کہ جن صورتوں کے بارے میں کتاب وسنت میں صراحت نہیں کی گئی ہے اور اس دور میں وہ پیش آتی ہیں، دریافت شدہ اسباب وعلل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان پر اس کو منطبق کیا جائے۔

ان میں سے پہلے دو کام وہ ہیں جو صدیوں کی محنتوں کے نتیجے میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں، ائمۂ مجتہدین نے روایت اور درایت اور داخلی اور خارجی شہادتوں کے ذریعہ نصوص کو پرکھنے کا کام اس ذہانت ومحنت کے ساتھ انجام دیا ہے کہ تاریخ علم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، اب ازسرنو اس کام کو کرنا بنی بنائی مستحکم عمارت کو ڈھا کر دوبارہ تعمیر کرنے کے مترادف ہے، جو یقیناً ایک عبث کام ہوگا، ہر علم میں تدریج اور ارتقاء کا ایک فطری دور ہوتا ہے اور جب وہ ارتقاء کی ایک منزل تک پہنچ جاتا ہے تو اب اس میں مزید ترقی کی گنجائش نہیں رہتی، یہ دونوں کام اپنی اس منزل کو پہنچ چکے ہیں۔

تیسرا کام وہ ہے جس کی ضرورت قیامت تک باقی رہے گی، اسی کو فقہاء احناف نے ''تخریج مسائل'' اور علامہ شاطبی نے ''تحقیق مناط'' سے تعبیر کیا ہے، ہر دور میں علماء اس کام کو کرتے رہے ہیں اور موجودہ دور میں تیز رفتار تبدیلیوں اور سائنسی ترقیوں کی وجہ سے اس کی ضرورت بڑھ گئی ہے، اس لئے ''اجتہاد مطلق'' جو مذکورہ تینوں کاموں سے مرکب ہے، کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی؛ بلکہ اس میں بعض مفاسد کا اندیشہ ہے اور جزوی اجتہاد اپنے عہد کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ضروری بھی ہے اور کافی بھی، اور کسی صاحبِ نظر عالم نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔

دوسرا قابل غور پہلو یہ ہے کہ کونسے مسائل اجتہاد کا محل ہیں؟ --- اس سلسلہ میں اُصولی بات یہ ہے کہ جو مسائل یقینی ذریعہ یعنی قرآن مجید اور حدیثِ متواتر سے ثابت ہوں اور اپنے معنی و مفہوم پر بھی اس کی دلالت واضح ہو، اس میں کسی اور معنی کا احتمال نہ ہو یا جن مسائل پر اُمت کا اجماع واتفاق ہو ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں، جو احکام قیاس ومصلحت پر مبنی ہوں، ایسے دلیلوں سے ثابت ہوں جن کا معتبر ہونا متفق علیہ نہ ہو، ایسے الفاظ میں ان احکام کا ذکر کیا گیا ہو جن میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو یا جن اُمور کے بارے میں معتبر فقہاء کے درمیان

اختلاف رائے پایا جاتا ہو وہی اصل میں اجتہاد کا محل ہیں، بدقسمتی سے ہمارے دور میں ایک طبقہ ایسے مسائل میں اجتہاد چاہتا ہے جو محل اجتہاد ہیں ہی نہیں، اور جو مسائل اجتہاد کا محل ہیں اور ان میں اجتہاد کی ضرورت ہے ان میں اجتہاد کا عمل جاری ہے، خاص کر فقہ اکیڈمیاں جو عالم اسلام اور بعض غیر مسلم ممالک جیسے: ہندوستان اور یورپ وغیرہ میں خدمت انجام دے رہی ہیں وہ اجتہاد کی ضرورت کو اجتماعی کوششوں کے ذریعہ پوری کر رہی ہیں، ہندوستان میں بھی خاص کر مسلمان خواتین کے مسائل کو حل کرنے کے لئے علماء ایسی کوششیں کرتے رہے ہیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ''الحیلة الناجزة'' کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آٹھویں سمینار منعقدہ: ۲۲-۲۴/اکتوبر ۱۹۹۵ء علی گڑھ کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جس میں کئی فیصلوں کے بہ شمول دو اہم فیصلے کئے گئے، ایک ''اشتراط فی النکاح'' کا، یعنی اگر نکاح کے وقت عورت کوئی ایسی شرط لگائے جو شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ معتبر ہوگی، دوسرے مشروط مہر کا یعنی نکاح کے وقت اگر دو مختلف حالتوں کے ساتھ دو مہر مقرر کئے جائیں تو اس کا اعتبار ہوگا، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ ضرورت کی حد تک اجتہاد کا عمل ہمیشہ سے جاری رہا ہے اور جاری رہے گا، یہ شریعتِ اسلامی کی ابدیت اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم نبوت کا لازمی تقاضہ ہے۔

حضرات! قانون شریعت کی ضرورت و مصلحت اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا میں اور خود ہمارے ملک میں بھی اسلامی قانون سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے، جیسے قانونِ طلاق ہے؛ چوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک اخلاقی ہدایت انجیل متی میں موجود ہے کہ ''جس کو خدا جوڑے، اس کو کوئی نہ توڑے'' اس لئے عیسائی دنیا میں نکاح ایسا بندھن سمجھا جاتا تھا، جس کو کھولا نہیں جاسکتا، اسی لئے مغربی دنیا میں طلاق کا تصور نہیں تھا اور نہ ہمارے ہندو بھائیوں کے یہاں تھا؛ لیکن آج پوری دنیا میں طلاق کو ایک سماجی ضرورت تسلیم کیا گیا ہے، ---عورتوں کو نہ یورپ میں میراث کا حق تھا اور نہ ہندوستان میں، یورپ میں انیسویں صدی کے اختتام تک بھی عورتوں کو حق میراث حاصل نہ ہوتا تھا؛ لیکن آج مغرب سے

مشرق تک خواتین کو حق میراث دیا گیا ہے، ہمارے ملک میں بیوہ عورتوں کو دوسرے نکاح کی اجازت نہیں تھی؛ لیکن موجودہ ہندو قانون میں اجازت دی گئی ،غرض کہ زندگی کے مختلف شعبوں کا جائزہ لیا جائے تو آج کی دنیا کے بہت سے قوانین وہ ہیں، جو شریعت اسلامی سے مستفاد ہیں، مجھے یاد آتا ہے کہ جسٹس کرشنا ایرَ نے اپنے ایک خطاب میں کہا تھا کہ اگر ہندوستان میں یکساں سیول کوڈ نافذ ہوا تو یقیناً وہ زیادہ تر مسلم پرسنل لا سے ماخوذ ہوگا، اور سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے اپنے وزارت عظمیٰ کے دور میں کہا تھا کہ مجھے اسلامی شریعت کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ اس میں عورت کو خود اپنا نکاح کرنے کا حق دیا گیا ہے اور کسی لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

اس لئے یہ خوش فہمی اور مذہبی خوش اعتقادی نہیں ہے؛ بلکہ روشن حقیقت ہے کہ اسلامی قانون میں ہر عہد کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے اور انسانی زندگی کے مصالح کو روبہ عمل لانے کی پوری صلاحیت ہے اور مشرق ومغرب کا کوئی قانون نہیں ،جس نے اس چشمۂ فیض سے کسب فیض نہ کیا ہو، اور کیوں نہ ہو کہ یہ مخلوق کا نہیں ؛ بلکہ خالق کا بھیجا ہوا قانون ہے،جس سے بڑھ کر کوئی ذات انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں سے باخبر نہیں ہوسکتی۔

حضرات! جب بات قانون کی چل رہی ہے تو قانون سے جڑا ہوا ایک اہم موضوع قانون کی تشریح وتعبیر کا بھی ہے،خاص کر ہندوستان جیسے کثیر مذہبی اور کثیر تہذیبی ملک میں اس پہلو کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اگر قانون کی تشریح اس کی روح کے مطابق نہ ہو اور شارحین قانون الفاظ کے پیچ وخم سے کھیلنے لگیں تو پھر عبارت کے ایسے مطلب اخذ کئے جاسکتے ہیں، جو بالکل اس قانون کے مقصد ومزاج کے خلاف ہوں،مثلاً کوئی مسلمان جو ہندو معتقدات پر یقین نہیں رکھتا، اس نے ہندو مذہب کی کتابوں کو مالہ وماعلیہ کے ساتھ پڑھا نہیں ہے، یہاں تک کہ سنسکرت زبان سے بھی واقف نہیں ہے، جس میں ہندو مذہب کے مآخذ پائے جاتے ہیں اور وہ دھرم شاستر کی نقل کی ہوئی ترجمہ شدہ کسی عبارت کی بہ طور خود تشریح کرنے لگے تو وہ یقیناً اس قانون کے

ساتھ انصاف نہیں کرسکتا اور وہ ایسی تشریح کا مرتکب ہوسکتا ہے، جس کا حقیقی ہندو مذہب سے کوئی واسطہ تک نہ ہو، اسی طرح جو جج عربی زبان سے واقف نہ ہو، جنہوں نے اسلام کے اصول قانون اور فقہاء کے اجتہادات کا مطالعہ نہ کیا ہو اور وہ صرف دو چار آیات کا ترجمہ یا چند احادیث کا ترجمہ دیکھ کر ان کی تشریح کرنے لگیں تو ممکن ہے کہ وہ اپنی سوچ میں مخلص ہوں، لیکن اس کے باوجود وہ غلطی کے ارتکاب سے بچ نہیں سکتے، اسی لئے یہ ضروری ہے کہ کسی بھی مذہبی قانون کی تشریح اس قانون کے معتبر شارحین کے مطابق کی جائے اور انہوں نے اس کا جو مفہوم متعین کیا ہے، اس کو نقل کرنے پر اکتفا کیا جائے، جیسے یہ بات نا قابل قبول ہے کہ امریکہ و برطانیہ کا کوئی جج ہمارے ملک کے کسی قانون کی تشریح کرے، اسی طرح یہ بات بھی انصاف کے خلاف اور نا قابل قبول ہے کہ جن حضرات نے صرف ہمارے دستور اور ملکی قوانین کو پڑھا ہے، وہ از خود مذہبی قوانین کی تشریح کرنے لگیں، برطانوی عہد میں عدالتیں اس اصول پر سختی سے قائم تھیں اور ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد بھی عدالتوں نے عرصہ تک اس معقول اور منصفانہ روش کو باقی رکھا، لیکن شاہ بانو کیس ۱۹۸۲ء میں معزز جج جناب چندر چور صاحب نے اس روایت سے انحراف کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا، انہوں نے براہ راست قرآن مجید سے اخذ واستنباط کی کوشش کی اور بعض آیات قرآنی کی ایسی تشریح کی جو آج تک مسلمانوں کے کسی معتبر عالم دین نے نہیں کی تھی اور جو پوری طرح شریعت اسلامی کی بنیادی تعلیمات اور اس کے مزاج کے مغائر تھیں، صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ جیسے عدالتیں میڈیکل مسائل میں اسی شعبہ کے ماہرین کی رائے پر بھروسہ کرتی ہیں، خود میڈیکل سائنس کی کتابوں سے مراجعت کر کے کوئی فیصلہ نہیں دیتیں، اسی طرح بعض معاملات میں اس معاملہ سے متعلق فنی ماہرین کی رائے حاصل کرتی ہیں اور اس کی روشنی میں فیصلے کرتی ہیں، اسی طرح جب کوئی قانون کسی خاص مذہب سے جڑا ہوا ہو تو اس وقت ضروری ہے کہ اس مذہب کے معتبر ماہرین کی مدد حاصل کی جائے اور ان کی وضاحت سے باہر نہ جایا جائے، اس کے بغیر انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوسکتے۔

محترم حضرات! اسلامک فقہ اکیڈمی جہاں عصر حاضر میں پیدا ہونے والے مسائل کو اجتماعی طور پر حل کرنے کے لئے سمینار منعقد کرتی ہے، وہیں فکری اور تربیتی سیمینار، سمپوزیم اور ورکشاپ بھی منعقد کرتی ہے، اور اب تک اس نوعیت کے ۵۲ پروگرام منعقد ہو چکے ہیں، یہ پروگرام بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس کا مقصد اسلامی قانون کی اہمیت، عصر حاضر میں اسلامی قانون سے متعلق خدمات، بعض پہلوؤں سے ہندوستان کے دستور اور قوانین کا تجزیہ، اسلامی قوانین کی معنویت وواقعیت، ہندوستان میں اس کی تنفیذ کی ممکنہ کوشش اور قانون کی تعلیم کے سلسلہ میں غور وفکر اور مسلمان طلبہ کو اس کی طرف توجہ دہانی وغیرہ جیسے موضوعات کو زیر بحث لایا جارہا ہے، اس سے ایک طرف ہمیں خود احتسابی کا موقع ملے گا، تو دوسری طرف اسلامی قانون سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے میں مدد ملے گی، اور تیسری طرف ہم اپنے نوجوان طلبہ کو توجہ دلاسکیں گے کہ وہ شعبۂ قانون کی طرف آئیں اور اس میں محنت کریں؛ تاکہ ملک کی اعلیٰ عدالتوں میں مسلمان قانون دانوں کا جو خلا پایا جاتا ہے، اسے دور کیا جاسکے؛ کیوں کہ ہم سے اس سلسلہ میں جو بے توجہی ہوئی ہے اور جس کا ہم شدید نقصان اُٹھا رہے ہیں، اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ہوسکے، وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

☆☆☆

# خصوصی خطاب

پروفیسر اختر الواسع ☆

اسلامی قانون کے نزول پر تقریبا ڈیڑھ ہزار برس کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل زمانہ میں اس نے کتنے ہی نشیب فراز دیکھے، زمانہ نے کتنی کروٹیں لیں، حالات کس کس طرح تبدیل ہوئے، انسانیت نے کس کس نوع کے سوالات کا سامنا کیا لیکن اسلامی قانون نے اپنی رہنمائی جاری رکھی۔ اس قانون نے عربی تہذیب کو پرکھا، عجمی تمدن سے آشنا ہوا، علاقائی عادات واطوار دیکھے اور قوموں وقبیلوں کے بدلتے طرز زندگی کا مشاہدہ کیا۔ ان تمام حالات سے گزرتے ہوئے چودہ سو سال کے عرصہ میں اسلامی قانون نے جو تجربہ حاصل کیا وہ متنوع وہمہ گیر اور بے حد مالا مال ہے۔ اسے حکومت وسلطنت کی سرپرستی بھی حاصل رہی، سرکاری سطح پر فروغ کی کوششوں سے بھی وہ مستفید ہوا، سیاسی کشمکش سے بھی اسے گزرنا پڑا اور مخالفانہ کوششوں نے بھی اس کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ لیکن اسلامی قانون نے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا اور انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہا۔

تاریخ کے اس پورے مدوجزر میں اسلامی قانون کے شجر طوبی نے نہ تو اپنی جڑیں کمزور ہونے دیں اور نہ اس کی پھیلتی شاخوں کے گھنیرے سایے میں کوئی کمی آئی۔ در اصل اسلامی

---

☆ وائس چیئرمین: دہلی اردو اکادمی (حکومت قومی راجدھانی دہلی)
ڈائرکٹر: ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
صدر: اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

قانون بہ یک وقت دو خصوصیتوں کو ساتھ لے کر چل رہا تھا۔ پہلی خصوصیت اس کا آسمانی رشتہ ہے جس سے وہ کبھی جدا نہیں ہوتا، اور دوسری خصوصیت انسانی تعبیر وتشریح اور تطبیق ہے جو اسے ہر زمانہ سے ہم آہنگ رکھتی ہے۔ اسلامی قانون کے اندر یہی وہ اصالت اور معاصرت ہے جس کی وجہ سے وہ ٹھوس بھی ہے اور لچکدار بھی۔ اپنی جگہ مضبوطی سے قائم بھی ہے اور بدلتے زمانہ سے وابستہ بھی، اور یہی وہ راز ہے جس نے اسے تاریخ کے اس طویل عرصہ میں زندہ وتابندہ رکھا اور آج بھی وہ زندگی وتازگی سے بھرپور ہے۔

محترم حضرات!

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلامی قانون یا دوسرے الفاظ میں اسلامی شریعت اللہ رب العالمین کا بھیجا ہوا قانون ہے، جو تمام انسانوں کا خالق ومالک بھی ہے، ان کے لئے رحیم ومہربان بھی اور ان کی ضرورتوں سے پوری طرح آگاہ بھی۔ لہذا اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس قانون میں انسانیت کے لئے خیر ہی خیر اور بھلائی ہی بھلائی ہے۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ کے الفاظ میں: ''یہ سراپا عدل ہے، پوری رحمت ہے، تمام تر مصلحت ہے اور بھرپور حکمت ہے'' (اعلام الموقعین)۔ اس خیر وبھلائی کی گرہ کشائی ہی وہ مقدس اور نازک عمل ہے جسے اسلامی تاریخ میں ہمارے فقہاء، مجتہدین اور ائمہ انجام دیتے رہے ہیں، اور جس نے اجتہاد کی شاندار روایات سے اسلامی تاریخ کے دامن کو مالا مال کیا ہے۔ ہم اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ اسلام کی ابتدائی صدیوں کی ان خدمات کو یاد کرتے ہیں جب ہمارے عظیم اسلاف نے اجتہاد وتفقہ کی روشن بزمیں آراستہ کررکھی تھیں، اور اسلامی مملکت کے تمام بڑے شہروں میں سینکڑوں ایسے مراکز تھے جہاں اسلامی قانون سازی کا عمل انجام پارہا تھا، اور حکومت کی گوناگوں ضروریات سے لے کر انفرادی زندگی کی نوع بہ نوع پیچیدگیوں تک کوئی سوال ایسا نہیں بچا تھا جس کا جواب فراہم نہ کیا جاسکا ہو۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اجتہادی عمل اس وقت کے لئے اسلامی قانون کی معنویت کا عملی ثبوت تھا۔

حضرات!

ہندوستان کے تکثیری سماج میں اسلامی قانون کی معنویت اور افادیت کو پیش کرنا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اور خوش قسمتی ہے کہ ہمارا ملک اس معاملہ میں ایک ہزار برس کے زریں تجربات سے مالا مال ہے۔ مختلف مذاہب، نظریات اور تہذیبوں کے اس ملک میں مسلمانوں نے اسلامی قانون کی تشریح وتعبیر کی ایسی مثالیں پیش کیں جن سے یہاں کے تکثیری معاشرہ کے اندر اسلامی قانون کی معنویت اجاگر ہوئی، اور پُرامن بقائے باہم کے ساتھ اسلام پر عملداری کی راہیں روشن ہوئیں۔ بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے عصری ہم آہنگی کے ساتھ فقہی گنجائشوں سے استفادہ اور مختلف فقہی مسالک کے درمیان تطبیق کے جو نظریات پیش کئے وہ نہ صرف معاصر سماج میں اسلامی قانون کی معنویت کے لئے رول ماڈل ہے، بلکہ دنیا کے تمام تکثیری معاشروں کے لئے بھی قابل عمل نمونہ ہے۔

یہاں میں خصوصیت کے ساتھ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جس کے زیر اہتمام موجودہ سمینار منعقد ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، اس میں بھی نئے نئے سوالات اور نوع بہ نوع مسائل کی کثرت ہے۔ اور تیز رفتار دنیا ان کے جوابات کی متلاشی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ایسے حالات میں اسلامی قانون کی عصری تعبیر وتشریح اور تطبیق کا عظیم کام خود ہمارے ملک کے اندر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا بہترین طریقے پر انجام دے رہی ہے۔ فقیہ امت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی بنیاد رکھ کر ہندوستان میں اسلامی قانون کی عصری تعبیر وتشریح کا ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کر دیا تھا جسے نہ صرف ملک کے اندر بلکہ عالمی سطح پر اعتبار اور وقار حاصل ہوا ہے۔ اور اب ان کے لائق وفائق جانشین حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور ان کے رفقاء اس عظیم المرتبت کام کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ اکیڈمی گذشتہ بائیس برسوں سے اپنے فاضل ارکان اور علماء ہند کے تعاون سے وقت کے مسائل کا شرعی حل پیش کر رہی ہے۔ ایسی کوششیں

عالمی سطح پر دوسرے کئی ممالک کے اندر بھی انجام دی جارہی ہیں، لیکن اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے فقہی سمینار تسلسل کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں۔ یہ یقیناً اسلامی قانون کی عصری معنویت کی معاصر کوشش ہے، جس کے لئے ہم اکیڈمی کے تمام ذمہ داران اور متعلقین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم معروضیت کے ساتھ جائزہ لیں کہ آج ہمارے سماج کو کس نوع کے مسائل کا سامنا ہے، اور ان میں ہم اسلامی قانون کی معنویت کس طرح ثابت کرسکتے ہیں؟ اس حوالے سے آج طلاق سے جڑے کئی سوالات ہماری توجہ کے محتاج ہیں۔ طلاق کی موجودہ روش جس طرح ایک ساتھ کئی طرح کی مصیبتوں کو جنم دینے کا باعث بن رہی ہے، اور مابعد طلاق کی صورت حال میں متاثرہ خواتین اور بچے جن سنگین قسم کے مسائل سے دوچار ہورہے ہیں، ان کے پیش نظر ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ایسے لوگوں کے لئے اسلامی قانون کی معنویت کس طرح سامنے آسکتی ہے، جو انہیں خیر ورحمت سے ہمکنار کرسکے۔ اسی طرح خواتین سے تعلق رکھنے والے اور بھی کئی مسائل ہماری توجہ کے طالب ہیں۔ جیسے موجودہ حالات میں خواتین اپنے معاشی مسائل کو عزت اور تحفظ کے ساتھ کس طرح حل کریں؟ سماج کی تعمیر وترقی میں خواتین کا مثبت اور تعمیری رول کس طرح سامنے آئے؟ نئی نسل کی تربیت کی عظیم ذمہ داریوں سے وہ موجودہ عہد میں کیسے عہدہ برآ ہوسکتی ہیں؟ سیاسی میدان میں ان کی نفع بخش حصہ داری کی حقیقی شکل کیا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ اس طرح کے سوالات کا جواب عصر حاضر میں اسلامی قانون کی معنویت کو مزید آشکارا کرسکے گا۔

یہاں ایک پہلو اور بھی ہے جو اسلامی قانون کی عصری معنویت کے حوالے سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ آج کی دنیا کو جن مشکلات اور چیلنجز کا سامنا ہے ان میں ماحولیات کا روز بروز سنگین ہوتا مسئلہ ہے، انسانی جان کی بے قدری کا مسئلہ ہے، مادیت کی بڑھتی ہوس کے نتیجہ میں بدترین بدعنوانی اور کرپشن کا مسئلہ ہے، اسرافیت پسندی کی وجہ سے قدرتی وسائل کی

تیزی سے ہوتی کمی کا مسئلہ ہے، امیری اورغریبی کے درمیان بڑھتی خلیج کا مسئلہ ہے، اورخواتین وبچوں کی صحت اور ان کے تحفظ کا مسئلہ ہے ۔ یہ اور ان جیسے مسائل کے سلسلہ میں اسلامی قانون دنیا کے سامنے کیا حل پیش کرتا ہے، جو انسانیت کی پریشانیوں کا مداوابھی ہواور رحمت وبرکت کا سبب بھی ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی قانون کے ماہرین کی جانب سے یہ عمل عصر حاضر میں اس کی معنویت کواس طرح پیش کرسکے گا جس میں ایک جانب امت مسلمہ کے لئے شریعت کے ساتھ سچی وابستگی کا سامان ہوگا تو دوسری طرف معاصر دنیا کے لئے ایک حیات آفریں پیغام بھی ۔

☆☆☆

# تجاویز

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے زیر اہتمام مؤرخہ ۲۸-۲۹ رمئی ۲۰۱۱ءکو"موجودہ عہد میں اسلامی قانون کی معنویت" کے موضوع پر انڈین لاءانسٹی ٹیوٹ، بھگوان داس روڈ، نئی دہلی میں دوروزہ سمینار منعقد ہوا، اس سمینار میں ملک کے مختلف علاقوں سے قانون شریعت کے ماہر علماء، ارباب افتاءاور قانون کے ماہرین نے شرکت کی، بحیثیت مجموعی......مقالات پیش کئے گئے اور سمینار میں باتفاق رائے درج ذیل تجاویز منظور ہوئیں:

۱-شریعت اسلامی فطرت انسانی سے ہم آہنگ اور عقل ومصلحت سے مطابقت رکھنے والاعدل واعتدال پرمبنی ایسا نظام قانون ہے جو پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتا ہے، تمام طبقات کو انصاف فراہم کرتا ہے، اور سماج میں امن وامان قائم رکھنے کا ضامن ہے، نیز تجربات کی کسوٹی پر پورا اتر چکا ہے؛ اس لئے اقوام عالم اور اہل دانش سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق قانون شریعت کا مثبت ذہن کے ساتھ مطالعہ کریں اور صرف ایک مذہب کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک جامع اور متوازن نظام قانون کی حیثیت سے اس کی افادیت پر غور کریں؛ کیونکہ رب کائنات کے بھیجے ہوئے قانون سے بڑھ کر کوئی قانون انسانیت کے لئے فائدہ مند اور نفع بخش نہیں ہوسکتا۔

۲- یہ ایک حقیقت ہے کہ شریعت اسلامی کے بارے میں بہت سے غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور بہت سی غلط فہمیاں پیدا کی جاتی رہی ہیں، ان غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے؛ اس لئے علماء وارباب افتاء اور مسلمان قانون داں قانون شریعت مصلحتوں اور حکمتوں کی تفہیم پر خصوصی توجہ دیں اور لوگوں پر واضح کریں کہ اسلامی قانون سے نہ صرف آخرت کی نجات متعلق

ہے بلکہ دنیا کی کامیابی اور فلاح وکامرانی بھی متعلق ہے۔

۳- اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ دینی مدارس کے ایسے فضلاء- جن کوفقہ سے مناسبت ہویا جنہوں نے فقہ وافتاء میں تخصص کیا ہو- وہ ملکی قوانین کوبھی پڑھیں؛ اس لئے دینی مدارس سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے فضلا کی شعبہ قانون کی طرف آنے میں حوصلہ افزائی کریں؛ تاکہ عدالتوں میں قانون شریعت کی ترجمانی کرنے والے ایسے وکلاء دستیاب ہوں جوفقہ اسلامی میں بھی دستگاہ رکھتے ہوں۔

۴- یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمان قانون دانوں کوشریعت کے اصل مآخذ سے مربوط کرتے ہوئے اسلامی قانون کی تعلیم دی جائے، اس لئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مسلمان وکلاء اورماہرین قانون کے لئے فقہ اسلامی کا ایک سالہ فاصلاتی کورس شروع کرے اور ان کے لئے ورکشاپ کا اہتمام کرے؛ تاکہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ مسلم پرسنل لا سے متعلق مقدمات کی پیروی کرسکیں اوران کے ذریعہ شریعت اسلامی کی صحیح ترجمانی ہو۔

۵- موجودہ حالات کے پس منظر میں ضروری ہے کہ ہمارے قضاۃ و ارباب افتاء" مروجہ وضعی قوانین" کا بھی مطالعہ کریں؛ تاکہ قانون شریعت کی افادیت و اہمیت کو وہ پوری بصیرت کے ساتھ موجودہ زمانہ کے تصورات کوسامنے رکھتے ہوئے پیش کرسکیں۔

٦- قانون کی تعلیم سے متعلق جو ادارے مسلمانوں کے زیر انتظام ہیں یا ان کے انتظام میں مسلمانون کا عمل دخل ہے، کم سے کم وہاں ایک مضمون کی حیثیت سے فقہ اسلامی اور خاص کر عائلی قوانین کو داخل نصاب کیا جائے تاکہ قانون شریعت سے آگاہ اور اس کی روح ومقصد سے باخبر وکلاء پیدا ہوں اور وہ اسلام کی صحیح ترجمانی کریں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی)، جامعہ ہمدرد (دہلی)، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (حیدرآباد)، انٹگرل یونیورسٹی (لکھنؤ) اوراس طرح کی دوسری جامعات سے خاص طور پر اس کی گذارش کی جاتی ہے

۷- کسی بھی قانون کو اس کے اصل ماخذ سے سمجھے بغیر اس کی صحیح ترجمانی نہیں کی جاسکتی

، اس لئے ہندوستان کی باوقار عدلیہ سے گذارش کی جاتی ہے کہ مذہبی قوانین کی تشریح میں اس کو ملحوظ رکھا جائے اور کچھ عربی کتابوں کے انگریزی ترجمہ کی مدد سے اپنے طور پر مسلم پرسنل لا سے متعلق قوانین کی تشریح کرنے سے اجتناب کیا جائے، اور جیسے دوسرے فنی معاملات میں ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے، اسی طرح فقہ اسلامی کے معتبر شارحین کی تشریحات کو ہی فیصلہ کی بنیاد بنایا جائے جب ہی انصاف کا حق ادا ہوگا اور قانون شریعت کی توضیح اس کی روح کے مطابق ہو سکے گی۔

☆☆☆

**مقالات:**

# موجودہ دور میں اسلامی قانون کی معنویت

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی ☆

اسلامی قانون کی معنویت کی وسیع الذیل مرادات ومفاہیم ہیں۔اس کی انسانی فطرت سے مطابقت، عقل انسانی کے ساتھ اس کی موافقت، بلا استثناء انسانی زندگی کے بے شمار پہلوؤں میں اس کی داخلیت، عالم آخرت میں اس کے ذریعہ رب کائنات کی رحمت ومغفرت، صلاح انسانی کے لئے اس کی ضرورت، اور فلاح انسانی کی اس پر موقوفیت، اس کی عظمت واہمیت پر شاہدعدل ہیں، پس انسانی زندگی کے جزوکل پر محیط اسلامی قانون کی یہ معنویت کے یہ مفاہیم کسی دور کے ساتھ مخصوص ومحدودنہیں بلکہ ان کو انسانیت کاملہ کے ساتھ مربوط قرار دیا جانا ہی قرین انصاف ہوگا۔

اس معنویت کی تعبیر کتاب اللہ ہے اور نبی کریم ﷺ کے اعمال، افعال، اقوال اور احوال اس کی تعلیمی شرح معتبر ہیں جومتبوعیت کا مقام عظمت بنے ہوئے ہیں، اسی متبوعیت کی قانونی دفعات کی صورت میں تدوین پر پوری پوری زندگیاں لگانے والے ابن اسحٰق، ابن ہشام، سہیلی، زرقانی، ابن سعید، قاضی مبارک، اور مغلطائی ہی نہیں بلکہ ان لاتعداد تلامذہ اور بے شمار وسیع النظر شخصیات کی ہزارہا صفحات پر پھیلی ہوئی ضخیم مجلدات میں جمع شدہ بے مثال ذخیرہ ہے کہ جس کی کوئی دوسری ادنیٰ مثال بھی عالمی شخصیات کی زندگیوں سے دنیا کے سامنے نہیں آئی۔

---

☆ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند۔

''اسلامی قانون کی منضبط قانونی معنویت سے انسانی زندگی کے تمام عقائد واعمال، طاعات وعبادات، انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تمام دوائر اخلاقیات، تمام عقود ومعاملات، تمام کاروبار وتجارات، تمام اجتماعیات وسیاسیات، تمام اقتصادیات، تمام معاشیات اور معیشات ومعاشرات وغیرہ کوئی چیز باہر نہیں ہے، فقہائے باکمال امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالک ابن انحق ہی نہیں بلکہ امامت کے مرتبے پر فائز ان کے تلامذہ سفیان ثوری، اوزاعی، ابو یوسف، محمد، زفر، حسن، حماد، طحاوی، اور سرخسی رحمہم اللہ وغیرہ اسی معنویت کی ترتیب مدوین پر پورے ایام حیات لگا کر گئے۔

قانون اسلامی کی دلائل عقل سے مدلل کلامی معنویت پر ابو بکر باقلانی، رازی، آمدی، نسفی اور جرجانی رحمہم اللہ عمر بھر اسی خدمت پر لگے رہے کہ جس کو انسانیت کبھی فراموش نہیں کر سکے گی''۔

قانون اسلامی کی تفسیری معنویت پر ابن عباسؓ، بیضاوی، زمخشری، ضحاک، قتادہ، مجاہد ابن زید، ابن جریر، ابن کثیر، بغوی، نسفی، ابن حبان، ابو مسعود، شاہ ولی اللہ، شاہ عبد القادر، شاہ رفیع الدین، محمد قاسم نانوتوی، شبیر احمد عثمانی، اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن دیوبندی رحمہم اللہ وغیرہ کی بے مثال خدمات شاہد عدل ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اسلامی قانون کی حکیمانہ وفلسفیانہ معنویت کا ذکر آئے گا تو ابن سفیان، ابن رشد، طوسی، فارابی، رازی، ابن حجر اور شیرازی رحمہم اللہ سے کون صرف نظر کر سکتا ہے۔ آگے بڑھئے تو اہل اخلاق، صوفیاء، ملوک وسلاطین، فوجی سالار، اہل سیر، اہل رجال، اہل معانی، اہل فلسفہ، اہل سائنس اور ہر فن کے اہلِ کمال محسن انسانیت خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے حاصل شدہ، انسانیت نواز قانون اسلامی کی ہمہ جہت بیکراں معنویت کو بلاتخصیص مذہب وملت دنیا کے لاتعداد سلیم الفطرت دانشوروں سے وہ بیکراں خراج تحسین حاصل ہو چکا ہے کہ جس کی کوئی دوسری مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ہر دور میں ایسا تو ہوتا رہا ہے کہ اسلام کی صداقت ومعنویت کو تمام انسانی مسائل کے

حل کا مکمل و مدلل وسیلہ ہونے کی حیثیت کو جاننے والے لیکن کج فطرت طبقات نے اسے قبول نہیں کیا لیکن یہ ناممکن ہی رہا کہ اس کے نا قابل انکار حقیقتوں پر قائم ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی صحیح العقل انکار کردے: اس لئے ضرورت ہے کہ اس کی آزمودہ اور مدلل و مبرہن قانون کی معنویت کے علمی اور عرفانی پرواز پر، آج کی آگ پانی کے گھروندوں میں پھنسی ہوئی انسانیت کے نجات کا سامان فراہم کیا جائے، اس کے لئے ضرورت ہے کہ مخاطبین کی نفسیات کی رعایت کے ساتھ آغاز پیشکش، اسلام کے غیر متزلزل فطری عقائد سے کیا جائے اور ان کی معقولیت کے قلب و دماغ میں اتر جانے کے بعد فطرت انسانی کی طلب کے مطابق تعلیمات طاعات وعبادات کو ذریعہ دعوت بنایا جائے۔ امید ہے کہ ان دو مرحلوں سے گزر جانے والوں کے لئے قانون اسلامی کی معنویت اس قدر منکشف ہو جائے گی کہ اسلام ان کے لئے انشاء اللہ نہ صرف قابل غور ہی بنے گا بلکہ توقع یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ وہ قابل قبول بن جائے گا۔

یوروپ کے مشہور عالم ادیب شیکسپیئر نے اسلام کی انسانیت نوازی کو ان وقیع الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ: ''عصر رواں میں سائنس کی غیر معمولی حیرتناک اور کسی مرحلے پر نہ رکنے والی ترقیات یہ یقین دلا رہی ہیں کہ اسلام کے علاوہ تمام قابل ذکر مذاہب کے مسلمات، سائنس کی موجودہ چیلنج کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے اپنی مذہبی اہمیت کو برقرار نہیں رکھ پائے اس لئے مستقبل میں ان کی برقراری مذاہب کے ماننے والوں کے ان طبقات میں رہ جائے گی کہ جن کے معقول و مدلل ہونے کا کوئی تصور ان کے ذہنوں میں نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف سائنس کے تیز رفتار افکار اور حیرتناک ترقیات وایجادات اسلام کے برخلاف نہیں بلکہ اس کے لئے مؤید ثابت ہو رہی ہیں، آج ''کمپیوٹر'' کی ایجاد اور اس کی روز افزوں حیرت افزا ترقیات نے ''وحی'' کی حقیقت کے سمجھنے کو ایک امر مشاہد بنا دیا ہے۔ ''الیکٹرانک'' کی ضروری مادی وسائل کے بغیر تکمیل کار نے کھلی آنکھوں ''معجزات'' کے انکار کو ناممکن بنا کر رکھ دیا ہے، ایسے ہی جسم انسانی کی راحت رسانی کے آج کے عجائبات نے جنت کے ''لا عین رأت و لا اذن سمعت

**و لا خطر علی قلب بشر**" کے مصداقات عجیبہ کے انکار کو ناممکن بنادیا ہے۔

ایسے ہی رہائشی مکانات کو حسب منشاء ٹھنڈا یا گرم کرنے کے لئے اے سی (.A.C)، عالمی خبروں کے لئے، عالمی موسموں، عالمی اثرات اور عالمی ارتباطات کے لئے سفر وحضر میں ہمہ وقت خانگی اور دفتری روابط اور تکمیل فرائض کے لئے لیپ ٹاپ، کمپیوٹر اور موبائل کی فراہم کردہ حیرتناک سہولتیں انسانی محدود قدرت واختیار سے معرض وجود میں آئی ہیں۔لہذا عالم غیب وشاہد میں حق تعالی کی بے نہایت قدرت واختیار، انسانی قدرت واختیار سے لاکھوں گنا برتر وبہتر ہیں، جنت کی ایسی آسائشوں اور راحت رساں نعمتوں کے بارے میں یہ وضاحت فرمائیں کہ "**لاعین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر**" تو اس کے یقین وتصدیق میں عقلاً کوئی مانع قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

پس تحقیقی ذوق اللہ رب العزت کی عطافرمودہ بے شمار نعمتوں میں وہ سب سے عظیم نعمت ہے کہ اللہ کی مقدس فرماں بردار مخلوق فرشتوں کو بھی میسر نہیں آئی۔ اور انہیں حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے پر برملا یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ہمارے پاس تو اتنا ہی علم ہے جتنا آپ نے ہمیں بوقت تخلیق عطافرمایا تھا۔ہم حاصل شدہ علم میں لاکھوں برس گزرجانے کے باوجود بھی اس میں کوئی اضافہ یا ترقی نہیں کرسکے۔

''**لاعلم لنا إلا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم**'' عہد آغاز سے انسانی ذوق تحقیق لامحدود دوائر زندگی میں حسب تقاضائے وقت نت نئی ارتقائی راہیں طے کرتا رہا ہے اسی مدبرانہ تدریجی ترقی سے انسانی تدبر کا اہم ترین محور فکر یعنی ''تلاش حقیقت'' یا تلاش حق تک پہنچا جوفکری ارتقاء پذیری کے نتیجے میں ''سائنس''، ''فلسفہ'' اور ''تصوف'' کے تین وسیع الذیل مختلف مکاتب فکر کی تولید کا ذریعہ بنا۔

(۱) سائنس نے حقیقت یا حق کو پانے کے لئے محسوسات، ''مشاہدات'' اور ''مادیات'' پر تجربوں کو وسیلہ تحقیق بنایا۔ اس لئے سائنس کی دنیا میں ''تجربات'' بنیادی اہمیت کے

حامل ہے؛ اس لئے ان کے یہاں بذریعہ تجربات جو صحیح ثابت ہو وہ صحیح ہے ورنہ غلط۔ اس لئے حقیقت یا حق کی یافت کی حد تک ناکامیاں اہل سائنس کو بالعموم ورطۂ حیرت میں پڑ جانے کا باعث منتج رہتی ہیں۔

(۲) فلسفہ میں متفلسفین نے تلاش حق وحقیقت کا مدار عقل پر رکھا انہوں نے رہبر کا مقام صرف عقل کو دیا چنانچہ یونانی فلاسفہ کے آباء یعنی سقراط، افلاطون اور ارسطو سب کے سب کائنات کا اصل جوہر اور متاع گرانمایہ ''عقل'' کو قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک عقل ہی معیار صداقت ہے پس جو چیز عقل کے معیار پر پوری نہ اترے وہ ناقص و ناتمام ہے۔ افلاطون سقراط کا شاگرد تھا اور ارسطو افلاطون کا شاگرد تھا، اور یہ سب عقل ہی کو وجود حقیقی قرار دیتے ہیں۔

(۳) تصوف، اہل تصوف، تلاش حق وحقیقت کے ساتھ معرفت حق کو بھی لازم قرار دیتے ہیں اور معرفت حق کے لئے عقل کی رسائی سے آگے عرفانی حقائق کے لئے لطیفہ وجدان کو وسیلہ ادراک قرار دیتے ہیں۔ قانون اسلامی کی یہ معنویت کوئی نظر بندی یا شعبدہ گری نہیں کہ جو حقیقت سے خالی ڈھکوں کو نام نہاد اعتقاد بنا کر لوگوں کو مبتلائے فریب کرتے ہیں بلکہ اسلامی قانون کی وہ مشاہد معنویت ہے کہ جو عقل وشعور انسانی کو عالم شاہد کے ناسوتی عجائب ودقائق سے آشنائی بخشتی ہے اور اس کے ساتھ معنویات کے مدرک لطیفہ وجدان کے ذریعہ عقل کی پہنچ سے آگے عالم ملکوتی کے لطائف وحقائق کے انکشاف کے ذریعہ سرمایۂ ایمان کو عرفان کی عظمتوں سے آراستہ کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ ناسوت وملکوت تک رسائی کی عزت مندی کا حصول نہ کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ کسی انسانی طبقہ تک محدود ہے۔

نوع انسانی کا یہ ایمانی اور عرفانی ناسوتی اور ملکوتی ارتقاء اسلام کا وہ اختصاص ہے کہ جس کے بارے میں بلاخوف تردید کہا جاتا ہے کہ مذاہب عالم میں ان کا کوئی متبادل موجود نہیں

ہے۔تصوف کے اس تلاش حق وحقیقت کے ذریعہ باطنی ''حس لطیف'' وجدان سے سائنس وفلسفہ کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔سائنس،فلسفہ اور تصوف میں خود مشترک تلاش حق وحقیقت ہے کہ جس کے لئے امور معلومہ کی گہرائیوں میں اترنا ضروری ہے۔لہذاان تینوں طبقات کے تدبر وتفکر میں سب سے زیادہ گہرائی صرف تصوف میں پائی جاتی ہے کیونکہ تصوف معرفت حق کو تلاش حق کا ہمرکاب بناتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تصوف کا تفکر وتدبر صرف عالم ظاہر یعنی کائنات تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ خود اپنے اندرون کو بھی محور تدبر بناتا ہے۔گویا اس کے بارے میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ ع

سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر

اس وضاحت کی روشنی میں اہل سائنس اور اہل فلسفہ کے بارے میں یہ کہنا بجا وبرمحل ہوگا کہ عصر حاضر کے اخبارات،ریڈیو،ٹی وی،اور انٹرنیٹ وغیرہ۔ساری دنیا سے باخبر رہنے کے حیرتناک ذرائع انسان کے پاس موجود ہیں لیکن وہ اپنے اندرون سے قطعاً بے خبر ہے۔

درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا     چراغ رہگذر کو کیا خبر ہے

آج کا انسان جوان عالمی وسائل پرنازاں ہے اس سے بے خبر ہے کہ اپنادل کس حال میں ہے یا کن بیماریوں کا شکار ہے اور اپنا نفس کن اخلاقی کمزوریوں اور خامیوں سے دوچار ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کی صحیح اور مؤثر ترجمانی اس طرح فرمائی ہے:

علم سے دولت بھی ہے عزت بھی ہے شہرت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ

پس معرفت حق کی تلاش میں سائنس اور فلسفہ کے مقابلے میں اہل تصوف کی تلاش حق کی راہ نہایت صحیح اور مکمل ہے؛ کیونکہ وہ نفس کی کمزوریوں سے واقف ہونے کے ساتھ اس کے تزکیہ واصلاح پر بھی تصوف کی پوری توجہ رہتی ہے، بالفاظ مختصر تصوف ''تلاش حق'' کی راہ، ''معرفت حق'' اور ''تزکیہ نفس'' یہ تینوں کے مجموعے پر مشتمل ہے۔

منطق وفلسفہ کے امام امام غزالیؒ کومختلف علوم پر کمال کے باوجود انہیں خود تجربہ کے بعد اپنی معرکۃ الآراء کتاب "المنقذ من الضلال" میں اعتراف کرنا پڑا کہ:

"معرفت حق کا راستہ تصوف کی وادی سے ہوکر گزرتا ہے"۔

آج سائنس اور عقلی علوم حیرتناک ارتقاء پر ہیں اس لئے اس دور میں انسان کے پاس ہر فکر ونظر کی جانچ اور پرکھ کا واحد پیمانہ عقل کے سوا کوئی اور نہیں ہے، ظاہر ہے کہ عقل کے اس پیمانہ جانچ پر صرف وہی افکار ونظریات۔ خیالات ونظریات، خیالات وتجربات اور ازم ہی نہیں بلکہ وہ عقائد مذاہب بھی کھرے اتر سکتے ہیں کہ جن کا ہر جز عقل کے لئے لائق ادراک ہو، جس کے عالم غیب کی حقائق کا انکشاف کرنے والے مذاہب کے عقائد جو عقل کے لئے ناقابل ادراک ہوں گے ان کے لئے عقل کا پیمانہ بے معنی ثابت ہوکر بے معیار بن جائے گا۔

دین فطرت اسلام کا موضوع حقیقی ہی اس عالم غیب کی فلاح ہے کہ جہاں ہر نفس کا بعد الموت پہنچنا ضروری ہے اس لئے ہم برملا کہہ سکتے ہیں کہ آج کی مادہ پرست دنیا کو اپنے اطمینان قلب کی دولت سے محرومی کا احساس جس تیز رفتاری کے ساتھ ہورہا ہے ان کا مادیت زدہ فہم اس طرف آرہا ہے کہ اس متاع گمشدہ کی بازیابی صرف اور محض "اسلام" ہی میں ہے ان کے کائناتی مطالعہ کی وسعت نے انہیں یہ برمحل اور صحیح یقین عطا کردیا ہے کہ اس کی بازیابی اسلام کے علاوہ کہیں سے نہیں مل سکتی جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سائنسی بنیاد پر اجزائے کائنات کے تجزیہ نے اس حقیقت کو طشت ازبام کردیا ہے کہ ان کائناتی چیزوں کو کہ جو اپنے وجود میں بھی اور بقائے وجود میں بھی دوسرے کی محتاج ہوں، ان کو دوسروں کا موجد وخالق قرار دینا عقل کے ساتھ بھی حماقت آمیز تمسخر ہے اور فطرت کے ساتھ بھی جہالت مذاق ہے اس لئے غیر متزلزل یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ عقل وفطرت جس فکر سلیم اور عقیدہ صحیح کی مؤید وہمنوا ہیں وہ صرف اسلام کا وحدہ لاشریک پر مبنی عقیدہ توحید ہے کہ جو اس حقیقت کا مفاد ہے کہ تمام موجودات اور تمام معدودات کا وجود وعدم اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔

آج مادیت میں غرق اقوام عالم میں اسلامی عقیدہ توحید صرف پنپ ہی نہیں رہا ہے بلکہ اسلام کے لئے ان میں جذبہ قبولیت کا بھی زبردست ذریعہ بن رہا ہے، چنانچہ اطلاعات کے مطابق مذہب تبدیل کرنے والوں کی تقریباً ۹۰ رفیصد سے زائد تعداد وہی ہے کہ جو اسلام کے دامن توحید میں پناہ لے رہی ہے، اسلامی قانون کی یہ وہ معنویت ہے کہ عالم شاہد کے ناسوتی عجائب وحقائق کے انکشافات، عقل کے لئے وسیلہ حق شناسی بنتے ہیں لیکن پھر عقل کی رسائی سے ماوراء، ملکوتی لطائف ودقائق باطنی کے لئے ذریعہ انکشاف لطیفہ وجدان بنتا ہے جونورانیت ایمان وعرفان سے مستنیر ہوکر معرفت حق وحقیقت کی جانب عروج کی راہیں منکشف کرتا ہے اور امر رب یعنی روح انسانی کی یہ وہ اہم فطری ارتقائی ضرورت ہے کہ جو کسی نہ زمانہ کے ساتھ محدود ہے اور نہ کسی انسانی طبقہ کے لئے مخصوص، اس کے بعد یہ حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہیں رہتی کہ قانون اسلامی کے یہی وہ منفرد اختصاصات ہیں کہ جو عبد مومن کے لئے "لایزال یتقرب عبدی بالنوافل حتی اکون سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها" کے عروج عظیم تک پہنچنے کا ذریعہ بنتے ہیں جس کا ادنیٰ شائبہ بھی دین فطرت اسلام کے سوا کہیں موجود نہیں ہے۔

میں آخر میں بواسطۂ محترم ملت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی فقہ اکیڈمی کے لائق صد احترام ارباب بست وکشاد بزرگوں سے با ادب ملتمس ہوں کہ حقیقت وحق طلبی کے مغرب زدہ آج کے نام نہاد محققین نے مبنی بر صداقت تعلیمات اسلام کی معنویت پر غلط فہمیوں کا بازار گرم کر رکھا ہے، اس کے تحت ضرورت ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے دور حاضر کے گم کردہ راہ طالبان حق وحقیقت کو صحیح اسلامی قانون معنویت کی راہ سے رہنمائی دی جائے تو امید ہے کہ یہ ایک تاریخ ساز اور عہد آفریں اسلامی اور اقدامی خدمت ہوگی۔

وفقنا ووفقکم اللہ بخدمۃ الاسلام والمسلمین۔ آمین۔

☆☆☆

# دورحاضر میں اسلامی سزاؤں کی معنویت
# (جرم زنا کی سزا)

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی ☆

## قرآن مجید انسانیت کے لئے کتاب ہدایت:

''قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہدایت ہے قرآن کریم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لیے کوئی دوسری کتاب آنے والی نہیں، وحی کا سلسلہ موقوف ہو چکا ہے، احمد مجتبیٰ محمد ﷺ پر سلسلۂ نبوت و رسالت تکمیل کو پہنچ گیا، آپ ﷺ کو ختم نبوت سے سرفراز فرمایا گیا، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے

**ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين** (احزاب:۴۰)۔

(محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، البتہ اللہ کے رسول ہیں اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کی زبانی تکمیل دین اور اتمام نعمت کا اعلان کردیا گیا، ارشاد باری ہے:

**اليوم اكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا** (مائدہ:۳)۔

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کرلیا)۔

خاتم النبیین ﷺ (فداہ ابی وامی) جو شریعت لے کر آئے وہ کامل ترین اور جامع ترین شریعت ہے، قیامت تک انسانوں کے لیے یہی شریعت دستورحیات اور سفینۂ نجات ہے، خود رسول اکرم ﷺ کو بھی اس شریعت پر چلنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی مخالفت سے روکا گیا ہے''۔

## اتباع شریعت کا حکم:

ارشاد ربانی ہے ''**ثم جعلناک علی شریعة من الأمر فاتبعها ولا تتبع أهواء الذین لا یعلمون أنهم لم یغنوا عنک من الله شیئا وإن الظالمین بعضهم اولیاء بعض والله ولی المتقین** (جاثیہ:۱۹۔۲۰)۔

(پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا، سو آپ اسی پر چلے جایئے اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیے، یہ لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا دوست تو اللہ ہے)

مسلمانوں کو قرآن میں بار بار ہدایت دی گئی ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ احکام وتعلیمات کی پیروی کریں، کسی دوسری راہ پر چلنے سے باز رہیں۔

**اتبعوا ما أنزل إلیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه أولیاء قلیلا ما تذکرون** (اعراف:۳)۔

(پیروی اس کی کرو جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا اور اللہ کو چھوڑ کر (دوسرے) رفیقوں کی پیروی نہ کرو، کم ہی تم لوگ نصیحت حاصل کرتے ہو)۔

## اسلامی نظام زندگی کی جامعیت:

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے قرآن کے ذریعہ جو آخری نظام زندگی بھیجا ہے وہ

بڑا ہی جامع اور کامل ہے، زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کے لئے اس میں بنیادی رہنما تعلیمات موجود ہیں، عقائد، عبادات، اخلاق سے لے کر معاملات، مناکحات، حدود وقصاص تک کی بنیادی تعلیمات اس معجزانہ کتاب میں پائی جاتی ہیں، سیاست، معیشت ومعاشرت، قانون، بین الاقوامی تعلقات، نفسیات اور سماجیات وغیرہ کے ایسے نظریات ومبادی اس کتاب میں سموئے ہوئے ہیں جن کا تصور بھی قدیم ادوار میں نہیں کیا جاسکتا تھا اور اس دور کے قابل سے قابل ماہرین قانون، اقتصادیات، سیاسیات، سماجیات کا دماغ ان بلند پایہ نظریات کا پورے طور پر ادراک نہیں کرسکا ہے۔

## قرآن اور جرم وسزا:

قرآن پاک کی بہت سی آیات جرائم اور ان کی سزاؤں سے متعلق ہیں، انسان فضائل ورذائل کا مجموعہ ہے، اس میں خیر وشر دونوں کی صلاحیت رکھی گئی ہے قرآن میں انسانوں کی نفسیات کے بارے میں بڑے معجزانہ بیانات اور انکشافات ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ سے زیادہ انسانی نفسیات کو کون جان سکتا ہے، وہی انسان کا خالق ومالک ہے۔

''ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير'' (سورۃ الملک: ۱۴) (کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا اور وہ تو (بڑا ہی) باریک بین اور (پورا) باخبر ہے)۔

## انسان مجموعۂ خیر وشر:

انسان میں خیر وشر دونوں کا مادہ موجود ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح پیدا فرمایا ہے کہ اس میں اچھے کام کرنے اور برا کام کرنے دونوں کی صلاحیت موجود ہے، اچھا برا پہچاننے، خیر وشر میں تمیز کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو عقل وفہم کی صلاحیت سے نوازا، آسمانی کتابیں اور انبیاء بھیجے تاکہ انسان کی کامل رہنمائی ہو، انسان کا امتحان یہی ہے کہ وہ گمراہی کے راستے سے بچے اور نجات کے راستے پر چلے، برائیوں کو چھوڑ کر اچھائیوں کو اپنائے۔

ونفس وما سوّا ها فالهمها فجور ها وتقواها قد أفلح من زكّاها وقد خاب من دساها (الشمس: ۷-۱۰)۔

(اور جان کی قسم اور اس کی جس نے اسے درست بنایا، پھر اس کی بدکرداری اور اس کی پرہیزگاری (دونوں) کا اسے القاء کیا کہ وہ یقیناً بامراد ہو گیا جس نے اپنے کو پاک کر لیا اور وہ یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا۔

فمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستوون، أما الذين آمنوا وعملوا الصالحات فلهم جنات المأوىٰ نزلا بما كانوا يعملون وأما الذين فسقوا فمأواهم النار كلما أرادوا أن يخرجوا منها أعيدوا فيها وقيل لهم ذوقوا عذاب النار الذي كنتم به تكذبون (سورة سجدة: ۱۸-۲۰)۔

(تو کیا جو کوئی مومن ہے وہ اس جیسا ہے جو نافرمان ہے (نہیں) یکساں نہیں ہو سکتے، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے سو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے (نیک) اعمال پر بطور مہمانی کے ہیں اور جو لوگ نافرمان رہے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ لوگ اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں ڈھکیل دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا دوزخ کا وہ عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے)۔

## خیر وشر کی شناخت:

اللہ جل شانہ کا انسانیت بلکہ اس کائنات پر ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے خیر و شر، معروف ومنکر کی شناخت کو صرف عقل انسانی کے حوالہ نہیں کیا، بلکہ انبیاء بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر خیر وشر، معروف ومنکر، اعمال صالحہ اور اعمال فاسدہ کی حد بندی فرمائی اور ایسے بنیادی اصول مقرر فرما دیے جن کی روشنی میں ہر زمانہ اور ہر ملک میں خیر وشر، معروف ومنکر کی شناخت کی جا سکتی ہے، اگر خیر وشر کا مسئلہ عقل انسانی پر چھوڑ دیا جاتا تو خیر وشر کے پیمانے بدلتے رہتے اور کسی نظریہ اور فکر پر ثبات نہ ہوتا۔

## عقل سے خیر وشر کی شناخت:

جولوگ وحی الٰہی کی رہنمائی کے بغیر صرف عقل انسانی کی بنا پر خیر وشر، نفع وضرر، معروف ومنکر کا فیصلہ کرتے ہیں، قانون سازی کرتے ہیں وہ اندھیری رات میں بھٹکتے رہتے ہیں اور بچوں کے مٹی کے گھروندے کی طرح قانون بناتے اور بدلتے رہتے ہیں، شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کے بقول

تھا جو نا خوب زمانے میں وہی خوب ہوا　　　کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

دورِ قدیم میں جو چیزیں تمام اقوام ومذاہب میں بے حیائی، جرم اور بدکاری شمار ہوتی تھیں ان میں سے کتنی چیزیں اب فن اور ہنر بن چکی ہیں، بہت سے ممالک کے قوانین میں انہیں جائز اور بنیادی حق قرار دیا جا چکا ہے، زنا کاری عیب نہیں بلکہ ہنر ہے بشرطیکہ باہمی رضامندی سے ہو، مردوں عورتوں کا بے محابا اختلاط بے حیائی شمار ہوتی تھی اب یہ ہنر اور کلچر ہے، لڑکوں کے لئے گرل فرینڈ تلاش کرلینا اور لڑکیوں کے لئے بوائے فرینڈ تلاش کرلینا اور ان سے ہر قسم کے تعلقات قائم کرلینا ہنر بن چکا ہے، لڑکے لڑکیوں کا یہ قانونی حق ہے کوئی انہیں روک نہیں سکتا، اگر کوئی لڑکی فرینڈ نہ بنا سکے تو یہ عیب شمار ہوتا ہے، سمجھا جاتا ہے وہ سوشل نہیں ہے، اس کی حیثیت گر جاتی ہے۔

## ہم جنسی اور دورِ حاضر:

ہم جنسی جو تمام اقوام ومذاہب میں سنگین ترین جرم شمار ہوتی تھی اور قوانین میں اس پر سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی امریکہ، یورپ وغیرہ کے بہت سے ملکوں اور صوبوں میں اس کی قانونی اجازت دے دی گئی ہے، اور ہم جنسی کرنے والوں کو قانونی تحفظ حاصل ہے، کروڑوں انسان اس مہلک وبا میں مبتلا ہیں اور ان کی بڑی بڑی ملکی اور بین الاقوامی تنظیمیں ہیں، بہت سے ملکوں میں اس طبقہ کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ وہ حکومت سازی میں اثر انداز ہے اور دور کیوں

جائیے خود اپنے ملک ہندوستان میں ہوا کا رخ یہ ہے کہ دہلی ہائی کورٹ نے ایک کیس کے فیصلہ میں ہم جنسی کی تائید کی ہے اور تعزیرات ہند میں ہم جنسی کی سزا کی دفعہ کی من مانی تشریح کر ڈالی ہے، اس فیصلہ کے خلاف بہت سی تنظیموں اور افراد نے سپریم کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے، مرکزی حکومت کا رویہ بھی اس معاملہ میں نرم ہے اور وہ گومگو کی شکار ہے۔

## دورحاضر میں عریانیت:

ماضی میں تمام متمدن اقوام میں عورتوں کے لئے شرم وحیا شرافت کی علامت تھی، عورت کے بارے میں یہ تصور ہی نہیں تھا کہ وہ عریاں اور نیم عریاں لباس میں رہے، ساتر لباس پہننا اور حتی الامکان جسم کو ڈھا کے رکھنا عورتوں کے لئے قابل ستائش بات تھی لیکن مغربی تہذیب کے اثر سے عورتوں کے جسم سے لباس اتر چکا ہے، عموماً مردوں کا لباس بھرپور اور ساتر ہوتا ہے اور عورتوں کا لباس نیم عریاں والا، بلکہ بسا اوقات جسم نازک پر صرف لباس کی تہمت ہوتی ہے۔

اکبر الہ آبادی مرحوم نے اپنے دور میں چند عورتوں کو بے پردہ دیکھ کر کہا تھا۔

بے پردہ نظر آئیں جو دو چار بیبیاں　　اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو میں نے آپ کا پردہ یہ کیا ہوا　　کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

اگر آج کا ماحول انہیں دیکھنا پڑتا تو خدا جانے ان پر کیا گزرتی اور کن الفاظ میں ان حالات کا مرثیہ لکھتے۔

## حجاب پر قانونی پابندی:

فتنہ یہیں پر نہیں رکا بلکہ اب تو عورتوں کو قانوناً بے لباس بنایا جا رہا ہے، پردہ تو بڑی چیز ہے یہ بھی گوارا نہیں کہ عورت سر پر اسکارف باندھ سکے، مختلف مغربی ممالک (فرانس وغیرہ) میں اسکارف پر قانوناً پابندی عائد ہوچکی ہے اور اسکارف پہننے پر جرمانہ لگایا جاتا ہے، شرمناک بات ہے کہ فرانس اس معاملہ میں سب سے پیش پیش ہے جب کہ اہل فرانس اپنے کو حریت،

جمہوریت، مساوات اور آزادی رائے اور آزادئ مذہب کا سب سے بڑا علمبردار سمجھتے ہیں۔

## حدود اور قصاص:

قرآن کریم نے چند جرائم اور ان کی سزاؤں کا متعین طور پر ذکر فرمایا ہے اور ان کے بارے میں کوئی نرمی اور ڈھیل نہیں رکھی ہے، انہیں فقہاء حدود کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ نام بھی قرآن پاک سے لیا گیا ہے، حدود کے علاوہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں قصاص اور اس کے متعلقات کا ذکر ہے۔

## مقاصد شریعت:

شریعت کا مقصد بندوں کے دین، جان، مال، عقل اور نسل کی حفاظت ہے، اسلامی شریعت کے سارے احکام اور تعلیمات مثبت یا منفی شکل میں انہیں چیزوں کی حفاظت وصیانت سے تعلق رکھتی ہے، اسلامی سزاؤں کا تعلق بھی انہیں مقاصد سے ہے۔

## قرآن میں زنا کی مذمت اور شناعت:

جن جرائم کی سزاؤں کا ذکر قرآن پاک میں ہے ان میں سے ایک زنا ہے، زنا کی سزا کا حکم آنے سے پہلے قرآن پاک نے زنا کو حرام قرار دیا، اہل ایمان کو زنا کے قریب جانے سے سختی سے منع فرمایا اور مسلمانوں کے دل ودماغ میں زنا کی کراہیت اس طرح بٹھادی کہ اس عمل کو سوچ کر گھن محسوس ہونے لگے۔

سورۂ اسراء میں جہاں اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں کو بہت سی چیزوں کا حکم دیا ہے اور بہت سے کاموں سے روکا ہے، زنا سے بھی بڑی حکمت اور شدت سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے:

''ولا تقربوا الزّنىٰ إنه كان فاحشة وساء سبيلا''(اسراء:۳۲)

(اور زنا کے پاس بھی نہ جاؤ، یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔

سورۂ فرقان میں عباد الرحمٰن (رحمٰن کے بندے) کی صفات میں خصوصیت سے زنا کرنے کا بھی ذکر ہے)

"والذين لا يدعون مع الله إلٰها آخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله إلا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق أثاما، يضٰعف له العذاب يوم القيامة و يخلد فيه مهانا" (فرقان: ۶۸-۶۹)۔

(اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ قرار دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے، مگر ہاں حق پر، اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا، قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا جائے گا اور وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہے گا)۔

سورۂ مومنون میں کامیابی پانے والے مومنین کی جن صفات کا خصوصیت سے ذکر ہے ان میں زنا کاری سے بچنا بھی ہے، ارشاد باری ہے۔" والذين هم لفروجهم حافظون إلا علىٰ أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم فإنهم غير ملومين فمن ابتغىٰ وراء ذلك فأولئك هم العادون " (مومنون: ۵-۷)۔

(اور جو اپنی شرم گاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں، ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں، ہاں جو کوئی اس کے علاوہ کا طلبگار ہوگا سو ایسے ہی لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں)

ایمان لانے والی عورتوں سے جن امور پر بیعت لی جاتی تھی ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ زنا کا ارتکاب نہیں کریں گی (ممتحنہ: ۱۲)۔

## زنا گھناؤنا جرم ہے:

قرآن کریم کی مختلف آیات میں زنا کا ذکر" فاحشہ" یا" فحشاء" کے لفظ سے ہے اور

مفسرین نے ''فواحش'' میں زنا کو بالاتفاق شامل کیا ہے، زنا کی سزا کے بارے میں نازل ہونے والی پہلی آیت میں زنا کا ذکر لفظ ''فاحشۃ'' کے ساتھ کیا گیا ہے، فاحشہ کا ترجمہ گھناؤنا جرم کیا جاسکتا ہے، اس آیت کے سیاق وسباق میں زنا کا تذکرہ اس طور پر کیا گیا کہ اگر طبیعت میں سلامتی ہو اور فطرت مسخ نہ ہوئی ہو تو واقعی انسان کو زنا کے تصور سے گھن محسوس ہونے لگے، ارشاد باری ہے۔'' **واللاتي ياتين الفاحشة من نساء كم فاستشهدوا عليهن أربعة منكم، فإن شهدوا فامسكوهن في البيوت حتى يتوفهن الموت أو يجعل الله لهن سبيلا، والذان ياتيينها منكم فآذوهما فإن تابا وأصلحا فاعرضوا عنهما إن الله كان توابا رحيما**'' (نساء:۱۵-۱۶)۔

(اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر چار (آدمی) اپنے میں سے گواہ کرلو، سو اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں کے اندر بند کردو، یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے، یا اللہ ان کے لئے کوئی (اور) راہ نکال دے، اور تم میں سے کوئی دو جو وہ کام کریں انہیں اذیت پہنچاؤ، پھر اگر دونوں توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے تعرض نہ کرو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے)۔

## زنا کے سدباب کے لئے احتیاطی احکام:

اسلام کا یہ طریقہ ہے کہ وہ جن چیزوں کو قابل سزا جرم قرار دیتا ہے انہیں روکنے کے لئے دوہرے انتظامات کرتا ہے ایک طرف ان جرائم پر اکسانے والے اسباب کا سدباب کرتا ہے ان پر بندش عائد کرتا ہے تاکہ انسان میں ان جرائم کا داعیہ نہ پیدا ہو، دوسری طرف وہ جرائم جن فطری ضرورتوں اور خواہشات کے غلط رخ پر پڑجانے کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں انہیں جائز طریقوں سے پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اور ان جائز طریقوں کو فراواں اور سہل بناتا ہے۔

چنانچہ زنا کو روکنے کے لئے اسلام نے ایسی بہت سی تعلیمات دیں جو زنا کے محرکات کو روکنے والی ہیں، اسلام نے مرد وزن کے بے محابا اختلاط کو منع فرمایا، عورتوں کو خصوصیت سے مکمل

ساتر لباس پہننے اور حتی الامکان پردہ میں رہنے کا حکم دیا، مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کی ہدایت دی، غیر محارم سے پردے کا حکم دیا، کیونکہ جب مرد وزن کا بامحابا اختلاط ہوتا ہے، بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہتے ہیں، نگاہیں لڑتی ہیں تو رفتہ رفتہ زنا تک نوبت پہنچ جاتی ہے، کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنے کے حکم کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اچانک بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کی صورت میں گھر کی عورتیں پردہ نہیں کر پائیں گی، ساتر لباس میں نہیں ہو پائیں گی اور ناپسندیدہ اختلاط ہوگا، اس تمہید کی روشنی میں قرآن کی درج ذیل آیات کا مطالعہ کیجئے اور اسلام کے نظام عفت وعصمت کی قدر کیجئے۔

(۱)'' **یأیها النبي قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن ذلک أدنیٰ أن یعرفن فلا یؤذین وکان الله غفورا رحیما**'' (احزاب:۵۹)۔

(اے نبی آپ کہہ دیجئے: اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کرلیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی، اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لئے انہیں ستایا نہ جائے گا اور اللہ تو بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا ہے)

(۲) **يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً** (احزاب:۳۲-۳۳)۔

(اے نبی کی بیویو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو جب کہ تم تقویٰ اختیار کررکھو تو بولی میں نزاکت مت اختیار کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیال (فاسد) پیدا ہونے لگے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدے کے موافق بات کیا کرو، اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور جاہلیت قدیم کے مطابق اپنے کو دکھاتی مت پھرو، اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا

اور اس کے رسول کا حکم مانو، اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے (نبی کے) گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب نکھار دے)

(۳) قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ،وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاء بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاء بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُوْلِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاء وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (نور:۳۰-۳۱)۔

(آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں، اور آپ کہہ دیجئے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں، مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں، مگر اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر اور اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور اپنے بھائیوں پر اور اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر اور اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر اور اپنی باندیوں پر اور ان مردوں پر جو طفیلی ہوں (اور عورت کی طرف) انہیں ذرا توجہ نہ ہو اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں، اور عورتیں اپنا پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو اے ایمان والو تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

(۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُون فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَداً فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ۔ (نور: ۲۷-۲۸)۔

(اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے، تا کہ تم خیال رکھو، پھر اگر ان میں تمہیں کوئی (آدمی) معلوم نہ ہو تو بھی ان میں نہ داخل ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے، اور اگر تم سے کہدیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو، یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے)۔

(۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاء ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔(نور: ۵۸-۶۰)۔

(اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے) حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے (ایک) نماز صبح سے پہلے (دوسرے) جب دوپہر میں اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) بعد نماز عشاء، (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے ہیں، ان (اوقات) کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے نہ ان پر، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، کوئی کسی کے پاس، اسی طرح اللہ تم سے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ہے اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی

اجازت لینا چاہئے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں اسی طرح اللہ تم سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑا حکمت والا ہے )۔

## نکاح کی ترغیب اور ہمت افزائی :

انسان کی جنسی خواہش کی بے راہ روی اور طغیانی انسان کو بدکاری (زنا) تک پہنچاتی ہے، اسلام نے انسان کی اس فطری خواہش کو پورا کرنے کے لئے جائز راستے متعین کئے اور انہیں آسان بنایا، اسلام نے رہبانیت کی دعوت دینے کے بجائے نکاح کرنے کا حکم دیا اور نکاح کو آسان بنایا، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاء يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحاً حَتَّى يُغْنِيَهُمْ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (نور:۳۲-۳۳)۔

(اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کرو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں سے جو اس کے (یعنی نکاح کے) لائق ہوں ان کا بھی، اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ بڑا وسعت والا بڑا جاننے والا ہے )۔

رسول اکرم ﷺ نے نکاح کو اپنی اور دوسرے انبیاء کی سنت قرار دی اور نوجوانوں کو نکاح کرنے اور ازدواجی زندگی گذارنے کا حکم فرمایا۔

**یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزو ج فإنه أغض للبصر و أحصن للفر ج و من لم یستطع فعلیه بالصو م فإنه له و جاء۔** (بخاری ومسلم)۔

(اے جوانو تم میں سے جس میں شادی کے اخراجات اٹھانے کی استطاعت ہو وہ شادی کرے، کیونکہ نکاح نگاہ کو پست رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے، اور جس میں استطاعت نہ ہو وہ روزہ کا اہتمام کرے، روزہ اس کی شہوت کو کچل دے گا)۔

نیز رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

**تزوجوا الودود والولود فإني مکاثر بکم الأمم یوم القیامة** (ابوداؤد،نسائی)۔

(ایسی عورتوں سے شادی کرو جو خوب محبت کرنے والی اور خوب بچے جننے والی ہوں، کیونکہ میں روز قیامت تمہاری کثرت پر فخر کروں گا)۔

اسلام نے نکاح کو آسان کیا اور جنسی خواہش جو ایک فطری خواہش ہے اس کی تکمیل کے جائز راستے کو آسان سے آسان بنانے کی کوشش کی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**أعظم النکاح برکة أیسرہ مؤنة**'' (سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جو مصارف کے اعتبار سے سب سے ہلکا ہو)۔

## ایک سے زائد شادیوں کی اجازت:

اسلام نے ایک سے زائد شادیوں کی بھی اجازت دی، اگر انسان ایک سے زائد بیویوں کے مصارف اٹھا سکتا ہو اور بیویوں کے درمیان انصاف کرسکتا ہو تو اسے ایک سے زائد بیوی رکھنے کی اجازت ہے، اور اس کی آخری حد چار بیویاں ہیں، اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت بھی زنا کا سدِ باب کرنے کے لئے ہے کہ اگر ایک بیوی سے جنسی خواہش کی مکمل تسکین نہیں ہو پا رہی ہے تو وہ مزید شادی کرکے اپنی یہ ضرورت پوری کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

'' **وإن خفتم أن لا تقسطوا في الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع، فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة أو ماملکت أیمانکم ذلک أدنیٰ ألا تعولوا** ''(نساء:۳)۔

(اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے باب میں انصاف نہ کرسکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو، دو دو سے خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا جو کنیز تمہارے ملک میں ہو، اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔

**ولن تستطیعوا أن تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل**

فتذروها کالمعلقة وإن تصلحوا وتتقوا فإن الله کان غفورا رحیما۔ (نسا:۱۲۹)۔

(اور تم سے یہ تو ہو ہی نہیں کہ تم بیویوں کے درمیان (پورا پورا) عدل کرو، خواہ تم اس کی (کیسی ہی) خواہش رکھتے ہو تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھلک جاؤ اور اسے بے سہارا لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو، اور اگر تم (اپنی) اصلاح کرلو اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو اللہ بے شک بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے)۔

اسلام نے زنا پر سخت ترین سزا مقرر کرنے سے پہلے ایسا سماج تشکیل کیا جس میں بے حیائی اور بدنگاہی کے امکانات کم سے کم ہوں اور عفت وعصمت کا ایسا نظام قائم کیا جس میں بدکاری کے تمام راستے اور سوراخ بند ہوں اور جائز طریقہ پر جنسی خواہش پورا کرنا انتہائی آسان ہو۔

## زنا کی سزا:

سورۂ نور کی دوسری آیت میں زنا کی سزا بیان کی گئی ہے اور تیسری آیت میں زانی اور زانیہ کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ زنا کے عمل سے گھن محسوس ہو، وہ دونوں آیات یہ ہیں:

''الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ'' (نور:۲-۳)۔

(زنا کار عورت اور زنا کار مرد (دونوں کا حکم یہ ہے) ان میں سے ہر ایک کے سو سو دُرّے مارو، اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور چاہئے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے، زنا کار مرد نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا، بجز زنا کار عورت اور مشرک عورت کے اور

زنا کار عورت کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور اہل ایمان سے یہ حرام کر دیا گیا ہے )۔

زنا کی سزا سوکوڑے لگانا اس وقت ہے جب کہ زنا کرنے والا شخص عاقل، بالغ آزاد تو ہو لیکن شادی شدہ نہ ہو، اگر وہ شادی شدہ بھی ہے تو اس کے لئے زنا کی سزا یہ ہے کہ اسے پتھر سے مارا جاتا رہے یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائے، اسے اصطلاح میں رجم کہا جاتا ہے، شادی شدہ شخص کے لئے رجم (سنگسار کیا جانا ) کی سزا متواتر احادیث سے ثابت ہو، خوارج کے علاوہ باقی تمام اسلامی فرقے رجم کی سزا پر متفق ہیں۔

## کیا زنا کی سزا بہت سخت ہے:

بعض ظاہر بین یہ کہتے ہیں کہ زنا کے جرم پر رجم کی سزا یا سوکوڑے لگانے کی سزا بڑی سخت سزا ہے، اس طرح کی باتیں زبان وقلم پر مغرب کے غلط پروپگنڈہ سے متاثر ہوکر آرہی ہیں، دور حاضر میں زنا عیب کے بجائے ہنر بنتا جارہا ہے اور بہت سے ممالک میں اس کی قانونی اجازت ہے، بہ شرطیکہ زور زبردستی کا عنصر شامل نہ ہو اور بہت سے ممالک کے اسکولوں اور کالجوں میں سیکس کی تعلیم اس طرح دی جارہی ہے کہ شادی کے بندھن میں بندھنے سے پہلے لڑکے لڑکیوں کا بار بار جنسی عمل سے گذرنا ایک عام بات ہوگئی ہے، تعلیم گاہوں، آفسوں، کارخانوں میں اور ہر جگہ مرد وزن کا بے محابا اختلاط ہے، عریانیت اور بے حیائی اس قدر عام ہے کہ حیاداروں کے لئے راستہ چلنا مشکل ہے ایسے ماحول اور حالات میں زنا کی اسلامی سزا ضرور سخت محسوس ہوگی۔

## زنا کے نقصانات:

لیکن زنا کے جو غیر معمولی نقصانات ہیں اور معاشرہ پر اس کے جو خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں، جس کا اعتراف اس دور کے ماہرین جنسیات وسماجیات بھی کرتے ہیں اگر ان کو مدنظر رکھا جائے تو یہ سزا ذرا بھی سخت محسوس نہ ہوگی، زنا سے نسب اور نسل کی بربادی ہوتی ہے،

خوفناک بیماریاں پھیلتی ہیں، زنا میں ملوث ہونے سے شرم وحیا ختم ہوجاتی ہے، شرم وحیا وہ صفت ہے جو انسان کو بہت سی برائیوں سے روکتی ہے اور جب انسان میں زنا کی نحوست سے بے حیائی آ گئی اور شرم رخصت ہوگئی تو اسے کسی جرم اور برائی کرنے میں باک محسوس نہیں ہوتا۔ اس طرح سماج میں بے حیائیوں اور برائیوں کا چلن ہوجاتا ہے اور معاشرہ فاسد ہوجاتا ہے۔

## زنا کی تباہ کاریاں:

مغربی ممالک میں زنا کو قانونی جواز ملنے اور زنا کا رواج بڑھنے سے صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ نو جوان لڑکے لڑکیوں میں نکاح کا رواج ہی ختم ہوتا جا رہا ہے اور فیملی جو انسانی سماج کی مضبوط بنیادی اینٹ ہے اسی کا وجود خطرے میں ہے، نو جوانوں کا رجحان یہ بنتا جا رہا ہے کہ جب نکاح کے بندھن میں بندھے بغیر اور نکاح کی ذمہ داریاں اٹھائے بغیر جنسی خواہش پورا کرنے کا آسان اور سستا راستہ (زنا) موجود ہے تو شادی بیاہ کی جھنجھٹ میں کیوں پھنسا جائے اور ایک ہی جنسی غذا پر کیوں قناعت کی جائے، اور اس سے زیادہ خطرناک اور خلاف فطرت یہ رجحان پروان چڑھ رہا ہے کہ جب مسئلہ جنسی خواہش پورا کرنے کا ہے تو مخالف جنس کی کیا قید ہے، مرد مرد سے اور عورت عورت سے بھی تو جنسی خواہش پورا کر سکتے ہیں اور اب ہم جنسی کی وبا بہت سے ملکوں میں بلکہ تقریباً پوری دنیا میں پھیل چکی ہے، مختلف ممالک میں اسے قانونی جواز حاصل ہو چکا ہے۔

اس لذت کوشی کے نظریہ نے مغربی ممالک میں بڑی قیامت ڈھائی ہے، بہت سے ملکوں میں آبادی کی شرح نمو رک چکی ہے یا بہت معمولی ہے، ان ممالک کے ماہرین سماجیات پریشان ہیں کہ اگر یہی صورت حال رہی تو آبادی اس قدر گھٹ جائے گی کہ ان ممالک کو دوسرے ممالک سے بڑی تعداد میں انسان درآمد کرنے پڑیں گے اور خود ان ممالک میں وہاں کے اصل باشندے عددی لحاظ سے مغلوب ہوجائیں گے۔

## زنا کاری اور ہم جنسی کے نقصانات:

زنا کاری اور ہم جنسی کی وبا سے آبادی گھٹنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم جنسی میں تو بیج کھیت میں ڈالنے کے بجائے نا قابل کاشت بنجر زمین میں پڑ رہا ہے یا خشک پتھروں پر ڈالا جارہا ہے، لہذا توالد و تناسل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ بے پناہ تولیدی قوت وقتی لذت کوشی کے نذر ہو جاتی ہے۔

زنا کاری کی صورت میں زنا کرنے والے مرد اور عورت اس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ حمل نہ ٹھہرنے پائے، اس کے لئے مانع حمل دوائیں اور تدبیریں استعمال کرتے ہیں، میڈیکل سائنس نے اس میدان میں کافی ترقی کی ہے اور اس مقصد کے لئے بہت سی سستی مہنگی دوائیں ایجاد کردی ہیں خواہ ان کا کتنا خطرناک سائڈ افیکٹ ہو اور مردوں کے لئے بھی ایسی چیزیں ایجاد کردی ہیں جن کے استعمال سے استقرار حمل کا خطرہ کم سے کم ہو جاتا ہے، غرضیکہ زنا کرنے والے مرد اور عورت اپنی جوانی کو بڑی سخاوت اور فراخ دلی سے برباد کرتے ہیں اور جوانی کا ابتدائی حصہ جو نسل انسانی کی کاشت کے لئے موزوں ترین ہے اسے وقتی لذت کوشی میں برباد کردیتے ہیں، ان مانع حمل دواؤں اور تدبیروں سے ان کی تولیدی قوت ختم ہو جاتی ہے یا بہت کمزور پڑ جاتی ہے، اس لئے اگر وہ بعد میں چاہتے بھی ہیں کہ شادی بیاہ کر کے ازدواجی زندگی گذاریں اور صاحب اولاد ہو جائیں تو انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، اولاد یا تو ہوتی نہیں یا ایک دو بچوں پر کھاتا بند ہو جاتا ہے۔

ایک مدت تک زنا کاری میں ملوث رہنے کی وجہ سے جو خطرناک جسمانی اور نفسیاتی بیماریاں گھیر لیتی ہیں وہ ان نقصانات کے علاوہ ہیں۔

## رحم مادر میں بچوں کا قتل:

زنا کے نتیجے میں اگر حمل ٹھہر گیا اور مانع حمل دوائیں اور تدبیریں کارگر نہ ہوئیں تو زنا کار

عورت حمل گروانے کی کوشش کرتی ہے اور اس کام کے لئے ماہر ڈاکٹرس کی خدمات ہر شہر اور ہر علاقہ میں حاصل ہیں، اس طرح ہر روز ہزاروں نہیں لاکھوں معصوم بے قصور بچے شکم مادر میں پوری بے دردی کے ساتھ قتل کر دیے جاتے ہیں اور زنا کار مرد اور عورت کے گھناؤنے جرم کی سزا اس بے گناہ بچے کو دی جاتی ہے جس نے ابھی اس کائنات رنگ و بو میں آنکھ بھی نہیں کھولی ہے۔

اسقاط حمل سے عورت کے جسم پر بہت برے اثرات پڑتے ہیں اس کی صحت برباد ہوجاتی ہے، تولیدی قوت بہت کمزور پڑ جاتی ہے یا فنا ہوجاتی ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ اسقاط حمل بار بار کرایا جائے۔

## زنا کاری سے پیدا شدہ بچوں کا لرزہ خیز انجام:

زنا کرانے والی عورت کو اگر حمل ٹھہر گیا اور وہ کسی وجہ سے اسقاط حمل بھی نہ کرا سکی اور اس کے بالکل نہ چاہنے کے باوجود اس کے چمن میں پھول کھل گیا، اس کے ساتھ وہ عورت جو برتاؤ کرتی ہے اس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور انسانیت شرما جاتی ہے۔

یہ معصوم بچہ جس کی ذمہ داری نہ وہ زنا کار مرد لینے کو تیار ہے جس کے نطفہ سے اس کی تخلیق ہوئی نہ وہ عورت اس کے بوجھ کو اٹھانے پر آمادہ ہے جس کے شکم میں اس کی پرورش ہوئی، اس معصوم بچے یا بچی کو بے دردی کے ساتھ مار کے کہیں پھینک دیا جاتا یا دفن کردیا جاتا ہے یا اگر ماں نے مارنے نہ دیا تو زندہ حالت میں اسے کسی ویران یا سنسان جگہ لے جا کر چھوڑ دیا جاتا ہے، یہ بچہ اس ویران جگہ میں تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے، یا اگر کسی کی نظر پڑ گئی یا پولس کو اطلاع ہوگئی تو اسے کاروائی کے بعد ان سرکاری اداروں کے حوالہ کردیا جاتا ہے، جو ایسے لاوارث، بچوں کی نگہداشت کے لئے بنائے گئے ہیں۔

اس طرح کے لاکھوں بچے حکومت کے بجٹ پر ایک بار ہوتے ہیں، ان کی دیکھ ریکھ، کھانے پینے رہنے اور ان کی تعلیم وتربیت، علاج معالجہ پر ملک کے بجٹ کا معتد بہ حصہ صرف

ہوتا ہے یعنی ان زنا کاروں کی لذت کوشیوں اور ہوس رانیوں کی سزا پورے ملک کو جھیلنی پڑتی ہے۔

## معصوم اور بے گناہ بچے:

پھر ان لاوارث بچوں کی دیکھ ریکھ، نشو ونما اور تعلیم وتربیت کا نظام ان سرکاری یا نیم سرکاری اداروں میں خواہ کتنے اعلیٰ پیمانے پر کردیا جائے ان کی صحیح نشو ونما نہیں ہو پاتی، بچوں کی ابتدائی نشو ونما کی فطری جگہ فیملی ہے جہاں اسے ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت وتربیت ملے، اپنائیت کا ماحول ملے، بچوں کے لئے بالغ ہونے کے بعد بھی ماں باپ، بھائی، بہن اور دوسرے اہل خاندان سہارا بنتے ہیں، قدم قدم پر اسے مشورے دیتے ہیں، ماں باپ اور خاندان کے سپوٹ سے بچہ آگے بڑھتا ہے اسے اپنی پشت پر ایک بڑی طاقت محسوس ہوتی ہے، اس کے برخلاف یہ لاوارث بچے جن کا اوپر ذکر ہوا کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوتے ہیں، ان کی نشو ونما فطری طور پر نہیں ہو پاتی مختلف قسم کے نفسیاتی اور جسمانی امراض کا شکار ہوجاتے ہیں، صحیح تربیت اور صحبت نہ ملنے کی وجہ سے بسا اوقات ان کا مزاج بگڑ جاتا ہے، عادات خراب ہوجاتی ہیں، اور رفتہ رفتہ جرائم کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔

زنا کے بدترین نتائج کے اس مختصر تجزیہ کے بعد بھی کیا یہ کہنے کا جواز باقی رہتا ہے کہ اسلام نے زنا کی جو سزا (سنگسار کرنا، سوکوڑے لگانا) مقرر فرمائی ہے وہ جرم کے لحاظ سے زیادہ سخت ہے؟

## زنا ثابت کرنے کا معیار:

پھر اس پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ شریعت میں زنا کی یہ سزا کب جاری ہوتی ہے؟ شریعت نے جرائم کے ثبوت کے لئے جو معیار متعین کیا ہے اس میں زنا کو ثابت کرنے کا معیار سب سے سخت ہے، دوسرے معاملات میں عموماً دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہوتی ہے، حتی کہ قتل جیسے بھیانک جرم کو ثابت کرنے میں دو مردوں کی گواہی کافی

مانی جاتی ہے،لیکن جرم زنا ثابت کرنے کے لئے چار عادل گواہوں کی گواہی ضروری ہے، اس سے کم میں جرم زنا ثابت نہ ہوگا، اور ان گواہوں کی گواہی میں بھی مکمل صراحت اور وضاحت ضروری ہے، یہ گواہی دینا کافی نہ ہوگا کہ میں نے فلاں فلاں کو ایک ساتھ برہنہ لیٹا ہوا دیکھا یا بوس وکنار کرتا ہوا دیکھا بلکہ صاف صاف یہ کہنا ہوگا کہ میں نے فلاں کو فلاں سے اس طرح زنا کرتا ہوا دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی داخل کی جاتی ہے؟

پھر یہ پہلو بھی مدنظر رہے کہ قاضی کے یہاں زنا کی گواہی دینا بھی آسان کام نہیں ہے، کیونکہ اگر شہادت کا نصاب مکمل نہ ہوسکا، یعنی چار گواہ فراہم نہ ہوسکے صرف تین لوگوں نے گواہی دی، یا چار گواہوں میں سے کسی ایک گواہ میں شہادت قبول کئے جانے کی شرطیں مکمل نہیں ہیں تو جرم زنا ثابت نہیں ہوا، لہذا گواہوں پر الزام تراشی (قذف) کی سزا اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔

## جنسی بھیڑیا:

ظاہر ہے کہ چار معتبر آدمیوں کی طرف سے زنا کی اتنی صاف گواہی اسی انسان کے خلاف مل سکتی ہے جو جنسی خواہش کی تکمیل میں اتنا دیوانہ ہو چکا ہو کہ برسر عام یا بھرے مجمع میں اس طرح کی واردات کرنے لگا ہو، یہ شخص تو جنسی بھیڑیا ہے جس کا وجود سماج کے لئے باعث عار ہے، وہ سماج کا ایسا ناسور ہے جس سے سماج کو پاک کرنا ضروری ہے، پھر بھی شریعت نے اتنی رعایت رکھی ہے کہ اگر وہ شخص شادی شدہ نہیں ہے اور اسے اپنی جنسی خواہش پورا کرنے کا جائز موقع اب تک نہیں ملا ہے اس کا جرم اس شخص کے مقابلہ میں کچھ ہلکا ہے، جس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود اتنے کھلے ہوئے جرم زنا کا ارتکاب کیا، لہذا غیر شادی شدہ شخص کی سزا سو کوڑے لگانا اور شادی شدہ شخص کی سزا سنگسار کیا جانا ہے۔

## زنا کا اقرار:

زنا کی سزا اقرار سے بھی ثابت ہوتی ہے لیکن زنا کا گناہ واقع ہونے کے بعد انسان پر

لازم نہیں ہے کہ قاضی کی عدالت میں آ کر اپنے گناہ کا اقرار کرے اپنے اوپر حد (سزا) جاری کرائے، بلکہ اگر اس کا جرم چھپا ہوا ہے تو اس کا چرچا نہ کرے بلکہ جس چیز پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے اس پر خود بھی پردہ ڈالے رہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے، اپنے گناہوں پر نادم ہو، اور آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے متعدد ائمہ کے نزدیک صرف ایک بار اقرار کرنے سے زنا کی سزا جاری نہیں کی جائے گی بلکہ جب الگ الگ چار مجلسوں میں آ کر قاضی کے پاس اقرار کرے اور قاضی کے ٹالنے کی کوشش کے باوجود وہ اپنے اقرار پر اصرار کرے، رجوع نہ کرے تب زنا کی سزا جاری کی جائے گی۔

عہد نبوی میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا کہ شہادت کی بنیاد پر زنا کی سزا جاری کی گئی ہو، زنا کی سزا جاری کرنے کے جو چند واقعات پیش آئے ان سب میں اقرار کی بنا پر سزا جاری کی گئی۔

☆☆☆

# اسلام کے تعزیری قوانین کی معنویت

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی☆

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق حق کے ساتھ کی ہے۔اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نظام بامقصد اور حکیمانہ نظام ہے۔اخلاق میں خیر وشر اور اعمال میں نیکی اور بدی کا فرق رکھا گیا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دی جائے اور مظلوموں کی دادرسی کی جائے۔

پورے پورے انصاف اور مکمل جزا اور سزا کے لئے اس دنیا کے بعد دوسری دنیا میں اللہ کی عدالت قائم ہوگی اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

”لیکن اس دنیا میں بھی اس دنیا کے نظام کو قائم رکھنے کیلئے جزا اور سزا کا قانون رکھا گیا ہے اور اسلام کا مقصد ہی یہ ہے کہ عدلِ اجتماعی (Social Justice) کا وہ نظام قائم ہوجائے جو انسانی حریت، اخوت، مساوات کے متوازن مجموعے کی حیثیت سے اس کے خالق و پروردگار کی رحمت وربوبیت کا جامع اور کامل مظہر بن جائے۔

اس لئے اسلام نے آخرت کی جزا اور سزا پر یقین کے ساتھ دنیا میں بھی جزا اور سزا کا قانون نافذ کیا ہے تا کہ دنیا میں بھی عدل وانصاف کا متوازن نظام قائم رہ سکے“۔

لیکن جزا اور سزا کے اس قانون کو نافذ کرنے کے لئے اسلام پہلے وہ نظام تعلیم وتربیت جاری کرتا ہے جس میں انسان کی اخلاقی حس کو ابھارا جائے......وہ ایسی اسکیم بناتا ہے کہ اُس فضا میں نیکیاں زیادہ سے زیادہ پروان چڑھیں اور برائیاں دبی رہیں۔اسلام کی اس اسکیم کا بنیادی

☆ دارالسلام اسلامی مرکز مالیر کوٹلہ۔

مقصد انسانی زندگی کے نظام کو معروفات پر قائم کرنا اور منکرات سے پاک کرنا ہے، یہ اسکیم سوسائٹی کے پورے نظام کو اس طرز پر ڈھالتی ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت کے مطابق ایک ایک بھلائی اپنی پوری پوری صورت پر قائم ہو، ہر طرف سے اس کو پروان چڑھنے میں مدد ملے اور ہر وہ رکاوٹ جو کسی طرح اسکی راہ میں حائل ہوسکتی ہے دور کی جائے۔

اسی طرح فطرت انسانی کے خلاف ایک ایک برائی کو چن چن کر زندگی سے نکالا جائے، اس کی پیدائش اور نشوونما کے اسباب دور کئے جائیں، جدھر جدھر سے وہ زندگی میں داخل ہوسکتی ہے اس کا راستہ بند کیا جائے اور اس سارے انتظام کے باوجود اگر وہ سر اٹھا ہی لے تو اس کو سختی سے دبا دیا جائے۔

اسلام کا قانون فوجداری(Criminal Law) اسلام کے پورے نظام حیات کا ایک حصہ ہے جو مجموعی طور پر مکمل سماجی انصاف اور معاشرتی امن کا ضامن ہے۔

اس نظام میں جرائم کی سزائیں اس بنیاد پر تجویز کی گئی ہیں کہ اسلامی ریاست جرم کی تمام ترغیبات کے سدباب کا انتظام کرے گی اور اس کے بعد بھی کوئی شخص قانون شکنی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طبیعت میں فساد ہے اور اپنی خواہش نفس کے لئے پورے معاشرے کو خطرے میں ڈال رہا ہے۔

خیر وصلاح اور رحمت ورافت کی حامل شریعت ایسے خطرناک مجرم کو اس بات کا موقعہ دینا نہیں چاہتی کہ وہ سماج میں فتنہ وفساد پھیلائے اور عام آدمیوں کے امن وچین کو غارت کرے۔

اس بات کو ہم ایک ڈاکٹر کی مثال سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جس کا فرض ہوتا ہے کہ پورے جسم کو بچانے کے لئے بدن کے سڑے ہوئے حصے کو کاٹ کر الگ کردے۔ اسی طرح معاشرے کے اخلاق اور امن وامان کی حفاظت ایک صالح اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

اسلام کے قانون فوجداری کو کسی بھی طرح غیر اخلاقی اور غیر انسانی نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ اسلام جرم کی جڑ کا قلع قمع کرنا چاہتا ہے اور سزا کا نفاذ وہ بھی حکومت وریاست کے

ذریعے اس وقت کرتا ہے جب کہ جرم اوراس کی ترغیبات کے سارے راستے بندکردئے جائیں۔لوگوں کے اخلاق اورکردارکوسنوارنے کے لئے مناسب ماحول تیارکرلیاجائے اور ان سارےانتظامات کےباوجودکوئی شخص قانون کوتوڑتا ہےتوعدل وانصاف کےتمام تقاضےپورے ہوجانے پر وہ سزاکا مستحق ہوتا ہے......اسلام کےقانونِ فوجداری نے یہ راستہ بندکردیا ہے کہ کوئی شخص یا جماعت خودقانون ہاتھ میں لےکرسزائیں نافذکرے۔

اسلامی قوانین اگرچہ اپنی جگہ معقول ہیں مگران کانفاذ ایک خالص اسلامی معاشرے کیلئے ہے......اورجہاں تک غیرمسلموں کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہے اس میں اسلام نے نہایت رواداری اورفیاضی کی تلقین کی ہے۔اسلامی رواداری کاسب سے بڑانشان یہ ہے کہ اس نے شرافت و عزت کاواحد معیارخداترسی اورپرہیزگاری کو بناکرانسانی مساوات پرمہرتصدیق لگادی ہے۔

جہاں تک انسانی جان کی حرمت کاتعلق ہے اسلام کی نظر میں انسانی جان کی انتہائی اہمیت ہے۔قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کےدوبیٹوں قابیل اور ہابیل کی دشمنی اورحسد اورآخر قابیل کے ہاتھوں اپنے بھائی ہابیل کےقتل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے انسانی جان کی حرمت کوان الفاظ میں نمایاں کیا گیا ہے:

**مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلیٰ بنی اسرائیل اَنَّہ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ اَو فَسَادٍ فِی الاَرضِ فَکَاَنَّما قَتَل النَّاسَ جمیعاً وَ مَنْ قَتَل اَحیاھَا فَکاَنَّما اَحیا النَّاسَ جمیعاً** (المائدہ:۳۲)۔

(اسی وجہ سے بنی اسرائیل پرہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کوخون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سواکسی اوروجہ سے قتل کیااس نے گویا تمام انسانوں کاقتل کیااورجس نے کسی کوزندگی بخشی اس نے گویاتمام انسانوں کوزندگی بخش دی)

قرآن مجیدفتنہ وفسادکوقتل سےزیادہ سنگین جرم اوربڑی برائی قراردیتا ہے۔وَالْفِتْنَۃُ اَشَدّ مِنَ الْقَتل (بقرہ:۱۹۱) کیوں کہ فتنہ وفسادکی تباہی اتنی زیادہ اورعام ہوتی ہے کہ پوری پوری

قومیں، پوری پوری بستیاں اور ملک تباہ وبرباد ہوکررہ جاتے ہیں۔ اس لئے فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کے لئے اسلام مؤثر ترین سزائیں تجویز کرتا ہے تاکہ سماج میں شرپسندی اور دہشت گردی کو پنپنے کا موقعہ نہ ملے اور امن وامان قائم رہ سکے۔

وَلَا تفسدوا في الأرض بعد إصلاحها (الاعراف:۵۶)۔

(زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہوچکی ہو)۔

اصلاح ودرستی کائناتی توازن ہے جس کے قیام پر ہی حیات کے تمام مظاہر کا وجود موقوف ہے۔ اس کو درہم برہم مت کرو۔ فتنہ پردازی، سرکشی اور زیادتی اس توازن کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔

قیامِ عدل کے لئے یہ اعلیٰ تعمیری مقصد ہے کہ ظلم کو مٹایا جائے، ظالم کی سرکوبی کی جائے، انسانوں کی آزادی کا تحفظ کیا جائے، کمزوروں کی دادرسی کی جائے۔

## حد اور تعزیر:

حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ حد ایک مقرر سزا ہے جو ثبوت جرم کی شرائط پوری ہونے کے بعد لازماً دی جائے گی۔ حد کا لغوی مفہوم روکنا ہے۔ بعض سزاؤں کو حد اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ جرائم کے ارتکاب سے روکتی ہیں۔ فقہا نے حد کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ ایک مقرر سزا ہے جو بطور حق خداوندی واجب ہے۔ کیوں کہ جن جرائم میں شارع کی طرف سے سزائیں مقرر کی گئی ہیں معاشرتی نقطۂ نظر سے وہ حد درجہ قابل توجہ اور اہم ہوتی ہیں (دیکھئے تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد ۳ طبع اول مطبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۳ھ)۔

حد کے حق اللہ ہونے کی بنیاد کیا ہے اس کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جرائم سے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ جن کو مغربی فلسفہ قانون میں پبلک رائٹس (Public Rights) کہا جاتا ہے۔

دوسرے حقوق العباد یا حقوق اشخاص (Private Rights) ایک حق کو حق اللہ اس

حالت میں قرار دیا جاتا ہے جب کہ وہ یا تو خالص اللہ کا حق ہو یا اس میں اللہ کا حق غالب ہو۔

بخلاف اس کے افراد کا حق اس وقت تصور ہوتا ہے جب کہ وہ یا تو خالصتاً ایک شخصی حق ہو یا اس میں افراد کا حق غالب ہو۔

شریعت میں اس سزا کو اللہ کا حق کہا جائے گا جو مصلحت عامہ کے پیش نظر مقرر کی گئی ہو۔ مثلاً امن وسلامتی کا قیام اور دفع فساد۔

جن جرائم میں حدود مقرر ہیں ان کی سزاؤں کو اللہ کا حق اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے رونما ہونے والا فساد عوام کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اور سزا کا فائدہ بحیثیت مجموعی معاشرے کو پہنچتا ہے۔

☆ تعزیر اس سزا کو کہتے ہیں جو قانون میں بہ لحاظ مقدار ونوعیت مقرر نہ کی گئی ہو بلکہ جس میں عدالت مقدمہ کے حالات کے لحاظ سے کمی وبیشی کر سکتی ہو۔

تعزیر کے لغوی معنٰی ممانعت اور باز رکھنے کے ہیں۔ تعزیری سزا بھی انسان کو بری عادتوں سے روکتی ہے۔ کہا جاتا ہے عَزَّرَهُ فلانٌ جب آپ اس کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ وہ اسے برائیوں سے روک دے اور وہ انہیں چھوڑ دے۔

امام زمخشریؒ کشاف میں لکھتے ہیں کہ **وَ آمنتُم بِرَسولِ وَ عَزرتموهم** یعنی تم نے انکی مدد کی اور انہیں دشمن کے ہاتھوں سے باز رکھا۔ اسی مادے سے لفظ تعزیر نکلا ہے۔ جس کے معنی پھیرنا اور شر وفساد کی عادت سے باز رکھنے کے ہیں۔

صاحب ضیاء العلوم لکھتے ہیں کہ تعزیر ایک ایسی سزا ہے جو حد سے کم ہوتی ہے اور اس کا مقصد تادیب ہوتا ہے اور تعزیر کے معنی تعظیم اور مدد کے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **تعزروهُم** یعنی تم نبی کی مدد کرو گے۔

غور کیا جائے تو خود قانونی تعزیر میں بھی نصرت کا مفہوم پایا جاتا ہے کیوں کہ جس شخص کو مار پیٹ کی تعزیری سزا دی جائے گی گویا تعزیر دینے والا ایک طرح سے اس کی مدد کرتا ہے

کیوں کہ وہ اسے برائی سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔کسی نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ مظلوم کی ہم اس لئے مدد کریں کہ وہ مظلوم ہے مگر ظالم کی مدد کیوں کر کریں۔اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یوں کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اسے ظلم کرنے سے باز رکھیں۔

☆ اسلامی قانون نے سزا کے معاملے میں صرف ڈرانے ،عبرت اور جزر وتوبیخ کو ہی پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اس نے مجرم کی بھی رعایت رکھی ہے۔اسلامی قانون نے مجرم کی اصلاح وتربیت اور اس کی ہدایت ونصیحت کو سزا دینے کے مقاصد میں سرفہرست رکھا ہے تا کہ لوگ محض دینی جذبے اور دلی خواہش کی بنا پر جرم کے ارتکاب سے باز رہیں۔مجرم محض خوف سزا کی وجہ سے جرم سے باز نہ رہیں بلکہ وہ پاکی نفس، جرم سے نفرت اور خوف خدا اور رضائے الٰہی کے حصول کے پیش نظر ارتکاب جرم سے باز رہیں کیوں کہ معاصی درحقیقت حدود الٰہی ہوتے ہیں اور حدود الٰہی سے تجاوز کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے راہ حق سے انحراف کرلیا ہے۔لہٰذا وہ سزا کا مستوجب ہوگیا۔یہ دینی جذبہ جرائم کی بیخ کنی اور معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔اس جذبے کی وجہ سے مجرم ارتکاب جرم سے پہلے سوچتا ہے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے اور یہ کہ اللہ وہ ذات ہے جو دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے، دنیا میں وہ پکڑا جائے یا بچ نکلے آخرت کے عذاب سے وہ اپنے آپ کو کسی صورت میں نہ بچا سکے گا۔

اسلامی شریعت میں اس جذبے کی اہمیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ تعزیری سزا کی غرض وغایت مجرم کی تربیت اور تادیب واصلاح ہے۔اس سزا سے اس کے نفس کی تربیت ہوجاتی ہے اور وہ جرائم سے باز آجاتا ہے۔نیز مسلم معاشرہ بھی اس سے اصلاح پذیر اور ٹھوس بنیادوں پر استوار ہوجاتا ہے۔اسلامی شریعت چاہتی ہے کہ ایسا صالح معاشرہ تعمیر کیا جائے جس میں محبت وآشتی کا دور دورہ ہو،بغض وعداوت کے اسباب کا خاتمہ ہوجائے، ہر شہری اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہو اور اس

معاشرے میں شر کی راہ واضح ہوتا کہ لوگ اس سے بچیں اور خیر کی راہ بھی واضح ہوتا کہ لوگ اسے بہ سہولت اختیار کر سکیں اور اس میں جرم کے مواقع کم سے کم ہوں۔ یہ وہ بلند مقاصد ہیں جن کے لئے مصلحین کوشش کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تعزیر کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ معاشرے سے فساد دور رہو اور دنیا فساد و برائی سے پاک ہو جائے۔

ہم سب کی دعا ہے کہ ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ اور صالح سوسائٹی قائم ہو جس کی بنیاد خیر پر ہو اور شر و فساد سے محفوظ ہو۔

**وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔**

☆☆☆

# عصر حاضر میں اسلامی قانون کی معنویت

مولانا اختر امام عادل قاسمی ☆

اسلامی قانون ایک انتہائی حساس موضوع ہے جس پر ہر دور کے بہترین دماغ خرچ ہوئے ہیں اور امت کے ذہین ترین لوگوں نے اس پر کام کیا ہے، دیگر علوم وفنون کی طرح اس کی فنی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے لیکن اصل چیز جس نے ہر دور میں اس کو زندہ علم کے طور پر باقی رکھا ہے اور جس میں دنیا کا کوئی علم وفن اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا وہ ہے حالات زمانہ پر اس کی تطبیق کا مسئلہ، یہ محض ایک فن نہیں ہے جو تحقیق وریسرچ کی چہار دیواری میں محدود رہے بلکہ دنیا کی قیادت اس کے ہاتھ میں ہے، احوال زمانہ پر اس کی نظر ہے، سوسائٹی کا نظم وضبط اس کے ذمہ ہے، نظام اخلاق کی باگ ڈور اس کے پاس ہے، احوال ظروف کی تشکیل میں اس کا بڑا حصہ ہے، اگر معاشرہ پر اسلامی قانون کی حکمرانی نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جائے گا، اسلامی قانون اخلاق اور انسان کی پرائیوٹ لائف سے بھی بحث کرتا ہے اور سیاسی اور اجتماعی نظام سے بھی، اسلامی قانون انسانی دنیا کے لئے خدا کا شاندار عطیہ ہے، انسانوں کا بنایا ہوا کوئی قانون اس کی ہمسری نہیں کرسکتا، جب تک دنیا پر اسلامی قانون کی حکمرانی قائم رہی دنیا میں امن وسکون اور خوشحالی وفارغ البالی بھی پورے طور پر باقی رہی لیکن جب سے دنیا اس قانون کے سایہ سے محروم ہوئی ہے بد امنی، بد چلنی، غربت وبھوک مری عام ہوئی، محبت ورواداری نے دم توڑ دیا، انسانی قدریں پامال ہوئیں، سارا فلسفۂ اخلاق کتابوں کے اوراق تک محدود ہو کر رہ گئے،

☆ مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار۔

عام زندگی سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا، قانون کو بازیچۂ اطفال بنادیا گیا، دنیا کے بہترین دماغوں نے بھی اس پر دماغی زور آزمائی شروع کردی، جو قانون کے تعلق سے خود مخلص نہیں تھے ان کو عوامی انتخابات کے ذریعہ قانون سازی کا اختیار دے دیا گیا اس طرح قانون کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنالیا گیا، دنیا نے اسلامی قانون سے محرومی کو گوارا کیا، زندگی کی ساری نعمتوں سے محروم ہوگئی، آج دنیا کو پھر اسی قانون کی ضرورت ہے، آج دنیا جس امن وسکون کی متلاشی ہے وہ صرف اور صرف قانون اسلامی کی نگرانی ہی میں حاصل کی جاسکتی ہے دنیا کے تمام تر قوانین اس کے سامنے بونے اور ادھورے ہیں سب نے اسلامی قانون سے خوشہ چینی کی ہے اور سینکڑوں برسوں سے ہزاروں دماغ اس کی ترتیب وتہذیب میں لگے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دورِ طفولیت سے بھی نہیں نکل سکے ہیں۔

آج دنیا کے سنجیدہ لوگ دوبارہ اسلامی قانون کے تعلق سے غور کرنا چاہتے ہیں، مگر کچھ ہمارے اپنوں کی نادانی اور کچھ غیروں کی عیاری کہ یہ بات صرف نظریہ وفکر کی حد تک رہ جاتی ہے کوئی عملی صورت نہیں بن پاتی، ان حالات میں ہمارے ذہین اور مخلص لوگوں کو اس موضوع پر کام کرنے کی سخت ضرورت ہے، ادھر چند دہائیوں سے اسلامی علوم پر کام کرنے والوں میں یہ رجحان بڑھا ہے اور اس سلسلے کی بعض کاوشیں بھی سامنے آئی ہیں، اس ضمن میں حقیر راقم الحروف کی بھی ایک کوشش دو سال قبل کتابی صورت میں سامنے آئی ہے، اس میں اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے بہت کچھ مواد مل سکتا ہے۔

## ایک مکمل نظامِ حیات:

''اسلام ایک آفاقی مذہب اور مکمل نظام حیات کا نام ہے جس نے ہر دور میں انسانیت کی رہبری کی ہے ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک روئے زمین کی سب سے مضبوط اور رقبہ کے لحاظ سے سب سے وسیع قیادت کی زمام کار اس کے ہاتھ میں رہی ہے اور اس پورے عرصے میں سینکڑوں انقلابات اور حالات کی گردشوں کے باوجود کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی کسی حلقے میں یہ

احساس نہیں پایا گیا کہ اس قانونی نظام میں کسی قسم کی تنگی یا تشنگی پائی جاتی ہے اسلام کے قانونی نظام نے ہر دور میں انسانیت کے ہر طبقے کے مسائل کو حل کیا اور ملک وقوم کی ترقی واستحکام میں بنیادی رول ادا کیا۔

جب تک مسلمان شعوری طور پر اس نظام سے وابستہ رہے ان کی ترقی وتوسیع کا سلسلہ جاری رہا، وہ جہاں گئے ارض وفلک نے ان کا استقبال کیا لوگوں نے اپنی پلکیں بچھائیں اور دنیا نے ان کا خیر مقدم کیا اس لئے کہ وہ ایسا نظام حیات جاری کرنے گئے تھے جو امن وخوش حالی، ترقی واستحکام اور داخلی وخارجی سکون کا دائمی ضامن ہے''۔

## زوال کا سبب:

لیکن جب مسلمانوں کا رشتہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس نظام سے کمزور ہوا تو وہ بھی اندرونی طور پر کمزور ہونے لگے اور ان کی قومی واجتماعی زندگی پر زوال کی پرچھائیاں پڑنے لگیں اسلئے کہ اجتماعی زندگی کے لئے اجتماعی نظام کی ضرورت ہے اور کسی بھی اجتماع کے ٹوٹنے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس نظام کو توڑ دیا جائے یا مشتبہ کردیا جائے جس سے وہ اجتماع جڑا ہوا ہے، کسی بھی قوم کا زوال اسی نقطہ سے شروع ہوتا ہے خواہ اس کا ادراک قوم کے بڑے طبقے کو ہو یا نہ ہو، مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی ہوا،مسلمانوں نے جو خدائی قانون اور اسلامی نظام روئے زمین پر نافذ کیا تھا اس میں مسلمان فاتح کی حیثیت سے تھے، اس نظام کی ترجیحات میں سب سے بڑا حصہ مسلمانوں کا تھا۔دوسری اقوام اور اقلیتوں کو بھی تمام انسانی حقوق دیئے گئے تھے مگر فرق یہ تھا کہ اس میں مسلمانوں کی حیثیت دینے والوں کی اور دوسری اقوام کی لینے والوں کی تھی ،لیکن جب اسلامی نظام کی جگہ دوسرا نظام آیا اور اجتماعیت دین سے کٹ کر غیر دینی نظام سے جڑ گئی تو اس نئے نظام میں تمام تر ترجیحات دوسروں کے لئے ہوگئیں اور اس کی اگلی صفوں میں ایسے لوگ براجمان ہوگئے جن کو مسلمانوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی اس لئے اب مسلمانوں کو پچھلی

سیٹ پر بیٹھنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

اگر اس موقعہ پر بھی مسلمانوں کی قومی غیرت اور دینی حس جاگ اٹھتی تو وہ اپنی غلطیوں کی تلافی کر سکتے تھے اور اس نئے مصنوعی نظام سے پیچھا چھڑا سکتے تھے مگر افسوس کہ مسلمانوں کے حکمراں طبقے کی غالب اکثریت ایسی مجرمانہ غفلت کی شکار رہی اور جھوٹی مصلحتوں اور عارضی لذتوں کے وہ ایسے دلدادہ رہے کہ ان کی ساری حس ہی مردہ ہوکر رہ گئی، بقول شاعر:

؎ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا ☆ کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اور جب کوئی قوم اس درجہ بے حسی کی شکار ہو جاتی ہے تو زندگی کی ساری رعنائیاں اس سے رخصت ہو جاتی ہیں اور اس میں اور مردہ جسم میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا ۔۔۔۔۔قرآن حکیم نے اس قومی زوال اور اجتماعی بے حسی کو موت کا نام دیا ہے:

اموات غیر احیاء و مایشعرون ایان یبعثون (النحل:۲۱)۔

ترجمہ:" یہ زندوں کی آبادی نہیں بلکہ مردوں کی بستی ہے، جو اٹھنے اور اٹھائے جانے سے بےخبر پڑے ہیں"۔

آج ساری دنیا میں مسلمانوں کے عمومی زوال کا بڑا سبب یہ ہے کہ اپنے چشمۂ حیات سے ان کا رشتہ کمزور ہوگیا ہے انہوں نے اس قانونی نظام کو سردخانے میں ڈالدیا ہے، جو نہ صرف ان کی زندگی و تشخص کو ضمانت فراہم کرتا ہے بلکہ ساری انسانیت کی حیات وارتقا کا راز بھی اس میں پوشیدہ ہے، مسلمانوں کی مثال اس کائنات ارضی میں دل کی ہے دل سے صالح خون جاری ہوگا تو سارے عالم کا نظام درست رہے گا اور دل کا نظام کمزور ہوگا تو سارے عالم پر اس کا اثر پڑے گا۔لیکن مسلمان اپنا یہ مقام بھول گئے ان کو اپنی حقیقت کا عرفان نہ رہا انھیں یاد نہ رہا کہ وہ کس خدائی منصب اور خدائی نظام کو لے کر اس انسانی دنیا میں آئے ہیں؟ انسانیت کتنی پیاسی ہے ؟قوموں کو ان کی کتنی ضرورت ہے؟ انہوں نے اپنے اوپر غفلت و خودفراموشی کی چادر تان لی اور اقوام عالم کو وادیٔ ظلمات میں جنگل کی بھیڑ کی طرح بھٹکنے کے لئے چھوڑدیا، بلکہ وہ بھی دنیا کی

دوسری قوموں کی طرح مادہ پرستی، دنیاطلبی، بدمستی وعیش کوشی کے میدان میں کود پڑے اور ابلیسی نظام یہی چاہتا تھا کہ دوسروں کو جگانے والی قوم خود سوجائے، بارخلافت اٹھانے والی جماعت خود تھک کر بیٹھ جائے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سوتا خشک ہوکر رہ جائے۔

بقول ڈاکٹر اقبالؒ: ؎

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

کاش کوئی ایسی صورت پیدا ہوتی کہ مسلمان پھر اپنے گھر کی طرف پلٹیں، اپنا کھویا ہوا خزانہ واپس لیں، انھیں ایسی آنکھ نصیب ہو کہ وہ ہیرے موتی اور کنکر پتھر میں فرق کرسکیں اور وہ پوری بصیرت کے ساتھ جان سکیں کہ انسانوں کا بنایا ہوا مصنوعی نظام کبھی خالق کائنات کے عطا کردہ قانونی نظام کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا پھر یہ کیسی نادانی ہے؟ کہ خالق کا آستانہ چھوڑ کر دنیا مخلوق کے پیچھے دوڑ رہی ہے۔

اولئک یدعون إلی النار واللہ یدعو إلی الجنة (البقرۃ:۲۲۱)۔

''دنیا والے آگ کی طرف بلا رہے ہیں اور اللہ تمہیں جنت کی طرف پکار رہا ہے''۔

مگر اکثر لوگ رحمٰن کی پکار کے بجائے شیطان کے بلاوے پر کان دھر رہے ہیں۔

(قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز ج ا ص ۵۵-۵۷)

### اسلامی قانون کا مزاج:

اس ضمن میں ہمیں اسلامی قانون کے مزاج کو اپنے پیش نظر رکھنا بہت مفید ہوگا اس طرح اسلامی قانون کی افادیت اور اہمیت کو ہم اور اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں:

اسلامی قانون میں تمام اقوام عالم اور دنیا کے ہر خطے کی نفسیات اور طبعی میلانات کی رعایت رکھی گئی ہے، اسی مقصد کے پیش نظر اسلامی قانون کی تشکیل کے وقت چند بنیادی امور کا

لحاظ کیا گیا جن سے اسلامی قانون کے ذوق ومزاج پر روشنی پڑتی ہے مثلاً:

☆ پورالحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی ایسا حکم نہ دیا جائے جو عام لوگوں کے لئے نا قابل برداشت ہو۔

☆ عیداور تہوار منانے کی خواہش ہر قوم کے اندر موجود ہے اس جذبہ کی قدر دانی کرتے ہوئے سال میں دو دن قومی عید کے لئے مقرر کئے گئے اور ان میں جائز اور مباح حد تک خوشی منانے اور زیب وزینت کرنے کی اجازت دی گئی ۔

☆ عبادات میں طبعی رغبت ومیلان کو اہمیت دی گئی اور ان تمام محرکات وعوامل کی اجازت دی گئی جو اس میں معاون ومددگار ثابت ہوں بشرطیکہ ان میں کوئی قباحت نہ ہو۔

☆ جو چیزیں طبع سلیم پر گراں گذرتی ہیں ان کو ممنوع قرار دیا گیا۔

☆ تعلیم وتعلم اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دائمی شکل دی گئی تا کہ انسانی طبائع کو اسلامی مزاج کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملتی رہے ۔

☆ بعض احکام کی ادائیگی میں عزیمت اور رخصت کے دو درجے مقرر کئے گئے تا کہ انسان اپنی سہولت کے مطابق جس کو چاہے اختیار کرے۔

☆ بعض احکام میں رسول اللہ ﷺ سے دو مختلف قسم کے عمل منقول ہیں اور حالات کے پیش نظر دونوں پر عمل کی گنجائش رکھی گئی ۔

☆ بعض برائیوں میں مادی نفع سے محروم کرنے کا حکم دیا گیا۔

☆ احکام کے نفاذ میں تدریجی ارتقا کو ملحوظ رکھا گیا ،یعنی ایک ہی وقت میں تمام احکام نافذ نہیں کر دیئے گئے اور نہ ساری پابندیاں عائد کر دی گئیں۔

☆ تعمیری اصلاحات میں قومی کردار کی پختگی اور خامی کی خاص رعایت رکھی گئی ۔

☆ نیکی کے زیادہ تر اعمال کی مکمل تفصیل بیان کر دی گئی اور اس کو انسانوں کی فہم پر نہیں چھوڑا گیا ورنہ بڑی دشواری پیش آتی ۔

☆ بعض احکام کے نفاذ میں حالات ومصالح کی رعایت کی گئی اور بعض میں اشخاص وافراد کی ۔

قرآن وحدیث میں متعدد صراحتیں اور اشارات ایسے موجود ہیں جن سے مندرجہ بالا اصولوں پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً:

**فبما رحمة من الله لنت لهم و لو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك** (آل عمران:۱۵۹)۔

''اللہ ہی کی رحمت سے آپ ان کے لئے اتنے نرم دل ہیں، اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے''۔

**لایکلف الله نفساً الا وسعها** (بقرة:۲۸۶)۔

''اللہ کسی شخص کو اس کی قدرت وطاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا''۔

**یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** (بقرة:۱۸۵)۔

''اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری اور تنگی نہیں چاہتا''۔

**وما جعل علیکم فی الدین من حرج** (الحج:۷۸)۔

''اللہ نے دین کے معاملے میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی''۔

**ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطهرکم** (المائدة:۶)۔

''اللہ نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی دشواری میں مبتلا کرے بلکہ اس کا مقصد تم کو پاک وصاف کرنا ہے''۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو دینی معاملات کا انتظام سپرد کرتے وقت فرمایا:

**یسرا ولا تعسرا ولا تنفرا تطاوعا ولا تختلفا** (متفق علیہ: مشکوٰۃ ۳۲۴ باب ما علی الولاۃ من التیسیر)۔

''آسانی پیدا کرو، مشکل میں نہ ڈالو، رغبت دلاؤ، نفرت نہ دلاؤ، جذبۂ اتحاد واتفاق کو فروغ دو''۔

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:

**بعثت بالحنفیة السمحة** (رواہ احمد: مشکوٰۃ شریف: ۳۳۴ الجہاد)۔

''میں آسان دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہوں''۔

**لاضرر ولاضرار فی الإسلام** (ابن ماجہ: ۳۴۰ مستدرک حاکم ج۲ ص ۵۸،۵۷)۔

''اسلام میں نہ کسی کو تکلیف پہنچانا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے''۔

مسواک کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**لو لا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوۃ** (المشکوٰۃ: ۴۵ باب سنن الوضوء)۔

''اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا وجوبی حکم دیتا''۔

کعبہ میں ترمیم نہ کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

**لو لا حدثان قومک بالکفر لھدمت الکعبة ثم لجعلت لھا بابین الحدیث** (مسند احمد ص ۱۸۹۶ حدیث نمبر ۲۵۹۵۲)۔

''اگر میری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ کر اساس ابراہیمی پر اس کے دو دروازے بنا دیتا (اور حطیم کو اس میں شامل کرتا)''۔

آپ کا عام دستور تھا کہ جب آپ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ اس میں آسان تر کو اختیار فرماتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔

**وما خیر رسول اللّٰہ** ﷺ **الا اختار ایسرھما مالم یکن اثماً** (متفق علیہ: مشکوٰۃ: ۵۹۱، مسند احمد بروایت حضرت عائشہؓ ص ۱۸۳۷ حدیث نمبر ۲۵۰۵۶)۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ دین میں تنگی نہ ہونے کا کیا مطلب ہے جب کہ ہم کو بدکاری، چوری اور دوسری بہت سی سفلی خواہشات کی چیزوں سے روک دیا گیا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا تنگی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ سخت قسم کے

احکام کا جو بوجھ بنی اسرائیل پر تھا وہ اس امت پر نہیں ہے (کشاف ص ۲۹۲ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۲۸)۔

ان آیات واحادیث سے اسلامی قانون کا مزاج سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے اور عام انسانی مفادات کے لئے اس میں کتنی گنجائش ہے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلامی قانون میں جو جامعیت، ابدیت، معنویت، زندگی، نفاست وحسن اور ہر دور کے حالات پر اس کی تطبیقی صلاحیت پائی جاتی ہے وہ دنیا کے کسی قانون میں نہیں ہے اسی لئے ہر زمان ومکان میں اسی کو قیادت کا حق بنتا ہے۔

اسلامی قانون کے اس امتیاز کو درج ذیل عنوانات کے تحت سمجھا جاسکتا ہے:

## قانونی حیثیت:

سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ انسانی قانون کی توثیق وتصدیق انسانی جماعت یا انسانی عدالت کرتی ہے اس کے بغیر وہ قانون بن ہی نہیں سکتا، جبکہ اسلامی قانون کی تصدیق خود رب کائنات کرتا ہے، دنیا کی عدالت اس کو مانے یا نہ مانے اس کی قانونی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

## تقدیس کا پہلو:

انسانی قانون اپنے لئے کوئی تقدیس کا پہلو نہیں رکھتا، یہ لوگوں کے جسموں پر حکومت کرتا ہے دلوں پر نہیں، جبکہ اسلامی قانون اپنے ماننے والوں کے نزدیک ایک مقدس ومحترم قانون ہے، یہ انسانوں کے لئے خدا کا عطیہ ہے، اس طرح یہ جسموں کے ساتھ دلوں پر بھی حکومت کرتا ہے اور سوسائٹی کے ظاہر وباطن دونوں سے بحث کرتا ہے۔

## مثبت ومنفی فرق:

انسانی قانون کی تعمیر عموماً منفی بنیادوں پر ہوئی ہے، یہ اکثر ردعمل کے نتیجہ میں وجود پذیر

ہوتا ہے، اسی لئے افراد کی تعمیر، اخلاقیات ، تزکیۂ نفس اور تطہیر وتربیت کے ابواب میں یہ کوئی رہنمائی نہیں کرتا، جبکہ اسلامی قانون زیادہ تر مثبت اصولوں پر چلتا ہے، اور اعمال سے زیادہ اسباب محرکات پر نگاہ رکھتا ہے اور اسی کی روشنی میں یہ قانون سازی کرتا ہے۔

## قانونی معنویت:

انسانی قانون کی بنیاد محض خاندانی رسوم وروایات اور علاقائی عرف وعادات پر ہے اس لئے اس میں تعصبات وتنگ نظری کی تمام آلودگیاں موجود ہیں اس میں علمی اور فلسفیانہ بنیادوں کی آمیزش نہیں ہے، جبکہ اسلامی قانون کی بنیاد روز اول ہی سے انسانی فطرت اور ہدایت الٰہی پر ہے ، یہ ابتدا ہی سے عالمگیر اور فلسفیانہ بنیادوں پر تعمیر ہوا ہے، انسانی قانون ہزاروں سال کے ارتقاء کے بعد جس منزل پر پہنچے گا اسلامی قانون کا پہلا قدم ہی وہاں سے اٹھا ہے۔

## قانونی وحدت:

قانون میں وحدت ویکسانیت بھی ایک ضروری چیز ہے انسانی قانون میں اصل کے لحاظ سے وحدت ویکسانیت موجود نہیں ہے اس لئے کہ اس کے سرمایے میں خاندانی روایات اور قومی عرف وعادات کا بڑا حصہ ہے جو ہر علاقہ اور خاندان کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں ......جبکہ اسلامی قانون شروع سے وحدت کے اصول پر قائم ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد رسم وروایات کے بجائے ہدایت الٰہی پر ہے، حضرت آدمؑ سے لیکر حضور ﷺ تک تمام انبیاء کے قوانین ایک ہی وحدت کے ساتھ وابستہ ہیں، خود قرآن اس کی شہادت دیتا ہے۔

**شرع لکم من الدين ما وصى به نوحاً والذي أوحينا إليک وما وصينا به إبراهيم وموسىٰ وعيسىٰ ولا تتفرقوا فيه** (شوریٰ:۱۳)۔

تمہارے لئے بھی اسی دین کو مشروع کیا ہے جس کی تعلیم نوح کو دی تھی اور اے پیغمبر ! یہ بھی جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے اور یہی دین ہے جس کی تعلیم ابراہیم اور موسیٰ اور

عیسیٰ کو دی تھی کہ اس دین کو قائم کریں اور اس میں اختلاف نہ کریں۔

## سرچشمۂ قانون:

اسی طرح انسانی قانون چند انسانی ذہنوں کی پیداوار ہے جبکہ اسلامی قانون خود خالق کائنات کا دیا ہوا عطیہ ہے اور آج اس حقیقت کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں کہ انسان کبھی خود اپنے لئے قانون مرتب نہیں کرسکتا، اس لئے کہ انسان محدود علم و احساس رکھتا ہے وہ کروڑوں انسانوں کی نفسیات کا قدر مشترک معلوم نہیں کرسکتا اور تمام لوگوں کے احساسات وطبائع کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون سازی ہرگز نہیں کرسکتا، قانون خواہ کتنے ہی اخلاص کے ساتھ بنایا جائے مگر اس میں طبعی میلانات اور ذاتی رجحانات کا اثر ناگزیر طور پر آئے گا...... اس لئے قانون سازی کا حق صرف خالق کائنات کو ہے۔

## قانون جماعت سے یا جماعت قانون سے؟

انسانی قانون اور اسلامی قانون کے درمیان ایک اصولی فرق یہ بھی ہے کہ انسانی قانون میں قانون جماعت سے مؤخر ہوتا ہے، سوسائٹی پہلے ہوتی ہے اور اس کی تنظیم کے لئے قانون بنایا جاتا ہے، قانون جماعت کو پیدا نہیں کرتا......

جبکہ اسلام میں قانون جماعت سے مقدم ہے جماعت کے وجود اور اس کے حالات پر قانون کا انحصار نہیں ہوتا بلکہ قانون پہلے بنتا ہے اس کے مطابق جماعت کی تعمیر ہوتی ہے، اگر حالات سازگار نہیں ہیں تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور ان کو نفاذ قانون کے لائق بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر حالات کی بنا پر قانون نہیں بدلا جاسکتا۔

## نفاذ کی قوت:

انسانی قانون قوت نفاذ کے لحاظ سے بھی کمزور واقع ہوا ہے اسے اپنے افراد پر مکمل قابو

نہیں ہوتا اور نہ تنہا قانون جرائم کے انسداد کے لئے کافی ہوتا ہے اسکو اپنے کسی بھی قانون کے عملی نفاذ کے لئے مضبوط مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے اس قانون میں مجرمین کے بچ نکلنے کے بہت سے امکانات موجود ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف اسلامی قانون کا آغاز ہی فکر آخرت اور حلال وحرام کے احساس سے ہوتا ہے وہ انسانی ضمیر کی تربیت کرتا ہے اور اس کے ظاہر وباطن کو قانون کے لئے تیار کرتا ہے، وہ اپنے ہر شہری کے دل ودماغ میں یہ احساس راسخ کرتا ہے کہ:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته (متفق علیہ ریاض الصالحین للنووی ۱/۱۴۵)۔

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی متعلقہ ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی''۔

آخرت کی جوابدہی اس قانون کی روح ہے ایک موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے بڑی وضاحت کے ساتھ عدالتی احکامات کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

انما انا بشر وانهٗ ياتيني الخصم فلعل بعضكم ان يكون الحن بحجته من بعض فاحسب انهٗ صدق فاقضي لهٗ بذلك فمن قضيت لهٗ بحق فانماهي قطعة من النار فليأخذها او ليتركها (متفق علیہ مشکوۃ باب الاقضیۃ والشہادات: ۳۲۷)۔

''میں ایک انسان ہوں، میرے پاس مقدمات آتے ہیں، ممکن ہے کہ کوئی فریق اپنے مدمقابل سے زیادہ چرب زبان ہو اور میں اس کے ظاہری دلائل کی بنا پر اس کو سچ گمان کروں اور اس کے حق میں فیصلہ کردوں اس لئے اگر میں کسی بھائی کے لئے دوسرے مسلمان بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو محض فیصلہ کی بنا پر وہ درست نہیں ہوجائے گا وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا جو چاہے لے اور جو چاہے چھوڑ دے''۔

انسانی قانون نہ صرف یہ کہ نگرانی اور حق پرستی کی اس عظیم قوت سے محروم ہے بلکہ اس کا

تصور بھی اس کے دامن خیال میں نہیں ہے۔

## اسلامی قانون میں انسانی نفسیات کی رعایت:

اسلامی قانون فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اسمیں انسانی طبائع اورنفسیات کی پوری رعایت ملحوظ رکھی گئی ہےقرآن کی آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

**فاقم وجهک للدین حنیفاً فطرة الله التی فطر الناس علیها لاتبدیل لخلق الله ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون** (الروم:۳۰)۔

ترجمہ:"پس پوری یکسوئی کے ساتھ اس دین کی طرف متوجہ ہوجاؤ جو اللہ کی اس فطرت کے عین مطابق ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"۔

انسانی قانون میں کبھی بھی تمام انسانی طبائع اور تقاضوں کی رعایت ممکن نہیں ہے اس کی بیشار مثالیں موجود ہیں۔ (تفصیل کے لئے مطالعہ کریں حقیر راقم الحروف کی کتاب" قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز ۱/ ۲۵۱۲-۲۵۴)

## اسلامی قانون میں انسانی مصالح کی رعایت:

اسلامی قانون کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں انسانی مصالح کو قانونی اساس کا درجہ حاصل ہے انسانی مصالح سے مراد پانچ امور ہیں......جان......دین......نسل......عقل......اور مال، ان پانچوں چیزوں کی حفاظت سے متعلق تمام چیزیں مصالح انسانی میں داخل ہیں، دین ودنیا کے معاملات کا مدار انہی پر ہے اور انہی کے ذریعہ فرد اور جماعت کے جملہ مسائل کی نگرانی ہوتی ہے، تفصیل کے لئے مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

آج دنیا کو پھر اسی قانون کی ضرورت ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ انسانی دنیا کی رہنمائی آج بھی اسلامی

قانون ہی کے ذریعہ ممکن ہے، اسلام ایک مکمل دین اور مکمل قانون ہے یہ ساری انسانیت کے لئے ایک فطری قانون ہے......

صدیوں سے انسان قانون سازی کے میدان میں کوشش کررہا ہے اگر چہ کہ اس میں الٰہی قوانین سے بڑی حدتک استفادہ کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ابھی تک کوئی ایسا مکمل قانون وضع نہ کیا جاسکا جس کو ناقابل ترمیم قراردیا جائے اور انسانی جذبات وانفعال کا مکمل آئینہ دار اس کو کہا جاسکے...... یہ صرف قانون اسلامی ہے جواپنے کو کامل ومکمل بھی کہتا ہے اور ناقابل تنسیخ بھی قراردیتا ہے۔

**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً** (مائدۃ: ۳)۔

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا تم پر اپنی نعمتیں تمام کردیں اور بحثیت دین اسلام کو پسند کیا،،۔

**ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شئی وھدیً ورحمۃ وبشریٰ للمسلمین** (الاعراف: ۵۲)۔

''اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا واضح بیان اور مسلمانوں کے لئے ہدایت ورحمت وبشارت موجود ہے''۔

قرآن ایسے اصول وکلیات سے بحث کرتا ہے جن پر ہر زمانہ اور ہر خطہ میں پیش آنے والی جزئیات کو منطبق کیا جاسکتا ہے اور ہر دور کے حالات وواقعات میں قرآنی نظائر وامثال سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، قرآن کا یہ دعویٰ واقعات وتجربات کی روشنی میں بالکل درست ہے۔

**ولقد ضربنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل** (زمر: ۲۷)۔

''اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان کردی ہیں''۔

اور اس کا اعتراف اپنے الفاظ میں قانون کے مغربی ماہرین نے بھی کیا ہے کہ شریعت

اسلامی میں زندگی کے تمام مسائل ومشکلات کے حل کی پوری صلاحیت موجود ہے ،متعدد سیمیناروں میں ان ماہرین نے باقاعدہ یہ قرارداد منظور کی کہ شریعت اسلامی بھی قانون سازی کے عام مصادر میں سے ایک مصدر ہے، اس میں ارتقاء کی پوری صلاحیت موجود ہے اور یہ قرار داد قانون مقارن کی بین الاقوامی کانفرنس (۱۹۳۱ء منعقدہ لاہای) میں منظور ہوئی ،پھر اس کی تجدید اسی شہر میں ہونے والی دوسری کانفرنس (۱۹۳۷ء) میں ہوئی ،نیز اسی طرح کی ایک قرارداد وکلاء کی بین الاقوامی کانفرنس (منعقدہ لاہای ۱۹۴۸ء) میں بھی منظور ہوئی۔

حقوق مقارنہ کی بین الاقوامی اکیڈمی کے شعبۂ شرقیہ نے ۱۹۵۱ء میں پیرس یونیورسٹی کے کلیۃ الحقوق میں ''ہفتۂ فقہ اسلامی'' کے نام سے ایک کانفرنس منعقد کی ،اس میں حقوق کے تمام کالجوں کے عرب وغیر عرب اساتذہ، ازہر کی کلیات کے اساتذہ اور فرانس اور دیگر ممالک میں وکالت اور استشراق سے وابستہ متعدد ماہرین کو دعوت دی گئی، اس میں مصر سے ازہر اور حقوق کی کلیات کے چار ارکان نے اور سوریا کے کلیۃ الحقوق سے دو ارکان نے نمائندگی کی.....مناقشات کے دوران ان کے بعض ارکان جو سابق میں پیرس میں وکالت کے نقیب رہ چکے تھے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور کہا کہ :

''میں حیران ہوں کہ کیسے تطبیق دوں اس کہانی کے درمیان جواب تک سنی جاتی تھی اور آج کے اس انکشاف کے درمیان ،ایک زمانہ تک یہ باور کرایا گیا کہ اسلامی فقہ ایک جامد اور غیر ترقی پذیر قانون ہے اس میں قانون سازی کی اساس بننے اور عصر جدید کی ترقی یافتہ تغیر پذیر دنیا کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے جبکہ آج کے محاضرات ومناقشات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کے تعلق سے یہ مفروضہ بالکل بے بنیاد ہے اور دلائل وبراہین اس کے خلاف ہیں، چنانچہ ہفتۂ فقہ اسلامی کے اختتام پر اس کانفرنس نے درج ذیل تجاویز منظور کیں :

☆ حقوق کے بارے میں قانون سازی کے نقطۂ نظر سے فقہ اسلامی کے سرچشموں کی بڑی اہمیت ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

☆حقوق کے اس عظیم مجموعے میں مذاہب فقہیہ کا اختلاف دراصل معانی ومفاہیم اور اصول وکلیات کا بڑا سرمایہ ہے جو مقام حیرت ومسرت ہے اور جن کی وجہ سے فقہ اسلامی زندگی کے تمام تر جدید تقاضوں اور قانونی ضروریات کی تکمیل کر سکتی ہے'' (قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز ۱/ ۲۷۲-۲۷۳)۔

ان سیمیناروں نے عرب کے ماہرین قانون کو موجودہ قوانین پر نظر ثانی کی دعوت دی اور ان کے ذہنوں کو اس جانب متوجہ کیا کہ شریعت اسلامیہ ایک ترقی پذیر اور ہر زمانہ اور ہر خطہ کے مسائل وجزئیات کی تطبیق دینے والی ابدی شریعت ہے اور جو لوگ دنیا کو شریعت اسلامی کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں اور احکام اسلامی کے علاوہ کسی قانون کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ان کا دعویٰ درست ہے۔

ان سیمیناروں اور کانفرنس کے بڑے خوشگوار اثرات قانونی دنیا پر پڑے اور پوری دنیا قانونی رہنمائی کے لئے شریعت اسلامی کی طرف متوجہ ہوگئی مثلاً منحرف مصر نے اپنا جدید قانون تمدن تیار کیا تو اسلامی قانون کو ایک بڑے مأخذ کی حیثیت سے سامنے رکھا اور اس سے خاصا استفادہ کیا،مصر نے اسلامی فقہ کو عام سرکاری مآخذ میں سے ایک مأخذ تسلیم کیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر احمد فراج حسین کی کتاب ''تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۱۸)۔

اس کے بعد متحدہ عرب جمہوریات نے جب اپنا دستور مرتب کیا تو اس میں شریعت اسلامیہ کو تشریعی اساس قرار دیا اسی طرح مصر کی حکومت نے جب دوبارہ اپنے دستور کی ترتیب کا کام انجام دیا تو اس نے ہر قانون میں اسلامی احکام کے التزام کی ہدایت دی اور اس کو دستور کا لازمی جز قرار دیا۔

اگر یونیورسٹیوں میں تحقیق وریسرچ کے شعبہ میں اسلامی قانون کو مطالعہ کا خاص موضوع بنایا جائے تو وہ دن دور نہیں کہ دنیا کے تمام قوانین اس کے سامنے سرنگوں ہوجائیں گے۔

چنانچہ عربی یونیورسٹیوں کے اتحاد نے متعلقہ تمام کالجوں کے ذمہ داروں کو اس کے

لئے دعوت دی تا کہ مذکورہ احساسات کو عملی شکل دی جا سکے......اس سلسلے میں مؤرخہ ۲۴-۳۰/ اپریل ۱۹۷۳ء کو بیروت یونیورسٹی میں پہلی کانفرنس ہوئی اور اس کانفرنس نے یہ اپیل کی کہ بلادعرب کی تمام کلیات الحقوق میں شریعت اسلامیہ کو قانون کے سرکاری مأخذ کی حیثیت سے تحقیق ودراست کا موضوع بنایا جائے۔

دوسری کانفرنس مارچ ۱۹۷۴ء میں بغداد یونیورسیٹی میں ہوئی اس میں اس کے مختلف پہلوؤں پر مناقشہ کیا گیا اور کافی بحث وتمحیص کے بعد بعض سفارشات منظور ہوئیں ان میں اہم ترین حصہ وہ ہے جو ملک کے دستوری حقوق کی روشنی میں شریعت اسلامیہ کو قانون سازی کا مرکزی مأخذ بنانے کی سفارش کی گئی تھی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں ڈاکٹر فراج حسین کی کتاب تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۱۹-۲۰)۔

اس طرح کی کوششیں چھوٹی بڑی سطح پر بار بار کرنے کی ضرورت ہے تا کہ اسلامی قانون کے تعلق سے غلط فہمیاں دور ہوں اور دنیا پھر اسلامی قانون سے استفادہ کے قابل ہو سکے۔

ہم اس ذیل میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے ساتھ علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

☆☆☆

# عدالتوں کے وکلاء اور اسلامی قانون

ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی☆

## اسلام کا عدالتی نظام

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کا قانونی اور عدالتی نظام بہت ہمہ گیر اور مالا مال ہے۔ نہ صرف نظری سطح پر بلکہ عملی سطح پر بھی اس کے نقوش بہت واضح اور گہرے ہیں۔ اور طویل تاریخی عمل داری نے اس کو واقعات اور تجربات کی کسوٹی پر پرکھ اور جانچ کر خوب خوب نکھار دیا ہے۔

''یہ بات بھی بدیہی طور پر معلوم ہے کہ اسلام کے قانونی اور عدالتی اصولوں کی بنیاد قرآنی احکام اور رسول اکرم ﷺ کی ہدایات وتشریحات ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں نفاذ قانون اسلامی کے متعدد واقعات پیش آئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان میں فیصلے فرمائے (۱)۔ ایسا بھی ہوا کہ بعض صحابہ کرامؓ کو بعض معاملات میں فیصلہ کی ذمہ داری سپرد کی گئی اور آپ ﷺ نے ان کے فیصلے کی تصدیق فرمائی، جیسا کہ واقعہ بنی قریظہ میں حضرت سعد بن معاذؓ نے کیا (۲)۔ یوں بھی ہوتا رہا کہ صحابہ کرامؓ مختلف علاقوں میں معلم اور قاضی بنا کر بھیجے جاتے رہے اور انھوں نے ہدایات قرآنی ونبوی کے مطابق فیصلے کئے (۳)۔ عہد خلفائے راشدین میں تو تمام ممالک اسلامیہ میں قضاۃ مقرر تھے، جہاں اسلامی عدل وانصاف کی خوبصورت اور زریں مثالیں رقم ہو رہی تھیں''۔ شاید چشم فلک اور نگاہ تاریخ نے اس عہد اور اس کے پیروکاروں کے یہاں ہی یہ منظر بار ہا دیکھے کہ کمرہ عدالت میں ماتحت قاضی کے سامنے وقت کا خلیفہ، حکمراں اور سربراہ بھی فریق مخالف کے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔

ساتھ کھڑا ہے اور اپنے خلاف فیصلہ سننے کے لئے بخوشی تیار ہے۔

گذشتہ تاریخ میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلم قاضیوں اور اسلامی قانون کے ماہرین نے قانون اسلامی کی تشریح اور تطبیق کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے اور عدل وانصاف کے نفاذ کے بہت ہی اعلی نمونے قائم کئے۔ ان نمونوں میں روح عدل کی کارفرمائی اور ذہانت وذکاوت کے ذریعہ حق وسچائی تک رسائی کے حیرت انگیز واقعات دیکھے جاسکتے ہیں، جو عدالتی باب میں سنگ میل ثابت ہوتے رہے ہیں۔ ماہرین قانون اسلامی نے ایک طرف اسلام کے اصول عدل وانصاف کو قواعد اور ضوابط کی شکل دی۔ انھیں مختلف عناوین میں تقسیم کرتے ہوئے مکمل اور ہمہ گیر قانونی ڈھانچہ تیار کیا اور قاضیوں کے لئے فیصلہ کے عمل کو منظم ومنضبط بنایا۔ دوسری جانب خود قاضیوں کی تیاری، مقدمات کی ترتیب فریقین کے بیانات کی سماعت، گواہان کی اہلیت اور ان سے جرح، کمرہ عدالت میں نشست اور سماعت کے آداب واصول، قاضیوں کے لئے ہدایات عمل، فائلوں کی تیاری، معلومات کی ترسیل اور حالات کی رعایت وغیرہ سے متعلق پوری تفصیل مرتب ومتعین فرمائیں۔ اسلامی قانون کے موجودہ تحریری سرمایہ میں یہ باب مستقل طور پر' آداب قضاء' کے عنوان سے اپنی علاحدہ شناخت بناچکا ہے۔

اسلامی نظام قضاء کے اس طرح نکھر جانے کے بعد جہاں قاضیوں کے لئے کارقضاء کی انجام دہی میں یکسانیت اور سہولت پیدا ہوئی، وہیں فریقین کے لئے کمرہ عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرنا سہل ہوگیا۔ یہاں یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ قاضی کے پیش نظر احکام الٰہی کی تعمیل، روح انصاف کی تکمیل اور حق کی حقدار تک ترسیل ہی آخری نکتہ مقصود رہا ہے۔ اور اس کی جوابدہی ہر حالت میں اس ذات برتر وبالا کے سامنے رہی ہے جس سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے اور جو دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔ اس صورت حال میں قاضی سے بشری غلطی کا امکان تو باقی رہتا ہے لیکن ایسا قطعاً نہیں کہ قانون کی لفظی جکڑ بندیوں میں وہ ایسا مجبور بن جاتا ہو کہ دن کی پوری روشنی میں بھی قاتل بری اور معصوم مجرم قرار پاجائے۔ نہ صرف ججس اور قاضیوں کے لئے

خوف خدا اور روح عدل محو نظر رہتے ہیں، بلکہ مقدمہ کے فریقین کو بھی یہ آگاہی دے دی جاتی ہے کہ دیکھو! اگر کوئی فریق اپنی چرب زبانی سے اپنا دعوی ثابت کر لے جاتا ہے، جبکہ فی الواقع وہ اس سامان کا مالک نہیں ہے تو نبی ﷺ اس کے حق میں فیصلہ کر دے جب بھی وہ سامان اس کے لئے حلال نہیں ہوگا۔ حدیث کے الفاظ میں: میں اس کو آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں (۴)۔

## وکیل کی ضرورت:

اسلام کے عدالتی اور قانونی نظام کی یہ روح جہاں ایک طرف عدل و انصاف کی تکمیل آسان بناتی ہے، دوسری جانب اس بات کی اہمیت کو کم سے کم کر دیتی ہے کہ قاضی کے سامنے مقدمہ کو کتنا موثر اور طاقتور بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اس ماحول میں ہر دو فریق قاضی کے سامنے برابر حیثیت رکھتے ہیں، خواہ ایک فریق دانا و ہوشیار یا توانا و مالدار ہو، اور دوسرا فریق سیدھا سادا اور عقل کا کورا یا کمزور و نحیف اور غربت کا مارا ہو۔ قاضی دونوں کی باتوں کی تہوں میں اتر کر حق وصداقت کو تلاش کرتا ہے۔ اسے اس بات سے مطلب نہیں رہتا کہ کون کتنا چرب زبان ہے اور مقدمہ کی پیروی کتنے موثر طریقے پر کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام کے عدالتی نظام کی تاریخ میں فریقین کے ساتھ قاضی کے براہ راست تخاطب کا منظر ہی غالب نظر آتا ہے، اور مقدمات کی پیروی کے لئے وکیل کا لزوم باقی نہیں رہتا ہے۔

اسلامی نظام عدل کے اندر وکیل کے حوالہ سے ایک اور بات بہت ہی اہم ہے، وہ یہ کہ ابھی ماضی قریب سے پہلے تک اور آج بھی سعودی عرب کے بشمول کئی جگہوں پر قاضیوں کے سامنے اسلامی قانون کے احکام قرآن وحدیث کے متون اور ان کی تشریحات واستنباطات کی شکل میں موجود رہے ہیں۔ انھیں قانونی دفعات یا کوڈیفیکیشن (Codification) کی وہ صورت نہیں دی گئی جو موجودہ دور میں جدید قانون کی پہچان ہے۔ اور جس میں ملزمین پر مخصوص دفعات عائد کی جاتی ہیں اور قاضی پابند ہوتا ہے کہ ان دفعات کے تحت ہی کیس کے ثبوت کو جانچے اور صرف مقررہ

سزا ہی نافذ کرے۔ اگر عائد کی گئی دفعات کے تحت کیس ثابت نہ ہوتا ہو تو قاضی اس کو بری کرنے پر مجبور ہے۔ ایسی صورت میں جرم کے ثبوت اور سزا کی نوعیت کا سارا انحصار اس بات پر رہ جاتا ہے کہ پولس کی جانب سے ملزم پر کون کون سی دفعات عائد کی گئی ہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ دفعات لگائے جاتے وقت صرف ظاہری حالات اور متعلقہ پولیس کی سوچ کام کرتی ہے۔ پس اگر قاتل پر غیر ارادی حملہ کی دفعہ کے تحت کیس بنایا گیا ہے تو جرم ثابت ہونے پر بھی قاضی اسے قتل کی سزا نہیں دے سکتا۔ اسی طرح اگر مخصوص ذہنیت یا سیاسی عناد کے تحت کسی احتجاجی پر ملک سے بغاوت کا مقدمہ قائم کر دیا گیا ہے تو وہ خطرناک سزاؤں کا مستحق بن جاتا ہے۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عدالتی عمل کے اندر سہ طرفہ رسہ کشی کی صورت پیدا ہوتی ہے، پولیس اور نظم ونسق کے ذمہ دار ملزم پر کثرت سے دفعات لگاتے ہیں، اور جہاں معاملہ نرم گوشہ کا ہو وہاں ہلکی دفعات لگا کر پہلے ہی سے آزادی کا راستہ ہموار کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف وکیل استغاثہ کی کوشش ہوتی ہے کہ عائد شدہ دفعات کی روشنی میں کیس کو بے بنیاد ثابت کرے۔ چنانچہ ملزم کی بے گناہی سے زیادہ متعلقہ دفعات کے لفظی گورکھ دھندوں کے کھیل پر توجہ دی جاتی ہے۔ تیسری جانب قاضی عدالت اپنی تمام تر بحث اور فیصلہ کو انہی دفعات کے چوکھٹے میں محدود رکھنے پر مجبور رہتا ہے۔ اور ان دفعات کے تحت کیس ثابت نہ ہو پائے تو قتل وزنا اور ڈاکہ وسرقہ کا یقینی مجرم بھی باعزت بری ہو جاتا ہے۔

جدید قانون کی مذکورہ صورت میں ایک عام آدمی کے لئے یہ بات بہت مشکل ہوتی ہے کہ متعلقہ دفعات کے تحت اپنے کیس کا دفاع یا ثبوت پیش کرے۔ اس تناظر میں ہر دو فریق کے لئے وکیل کی خدمات حاصل کرنا عدالتی عمل کا ایک ضروری جز بن جاتا ہے۔ نیز چونکہ اس صورت میں مقدمہ کے اندر کامیابی کا بڑا انحصار وکیل کے قانونی علم وتجربہ اور مہارت پر ہوتا ہے، اس لئے ہر فریق کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اچھے اور بڑے وکیل کی خدمات حاصل کرے۔ آج یہی صورت دنیا کے بیشتر حصوں میں رائج ہے۔

وکیل دراصل گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کی سطح پر قانون کی تعلیم حاصل کرنے اور وکالت کے لئے مقررہ امتحان پاس کرنے کے بعد میدان عمل میں قدم رکھتا ہے۔ ہندوستان کے اندر اسے بارکونسل آف انڈیا (Bar Council Of India) کی کسی صوبائی شاخ سے منسلک ہونے کے بعد وکالت شروع کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ ان ہی میں سے کچھ وکلاء طویل عملی تجربات کے بعد جج مقرر ہوتے ہیں اور قانونی خدمات انجام دیتے ہیں۔

اس وقت بارکونسل آف انڈیا سے رجسٹرڈ ہوکر وکالت کرنے والے وکیلوں کی تعداد گیارہ لاکھ سے زائد ہے (۵)۔ اس میں ایک بہت چھوٹی سی تعداد مسلم وکیلوں کی بھی ہے۔ یہ مسلم وکلاء سول جج اور جوڈیشیل مجسٹریٹ سے لے کر ضلع کے سیشن کورٹس، صوبوں کے ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ میں وکالت کررہے ہیں، اور وکلاء برادری کے ساتھ مل کر اپنے اختصاص کے مطابق ہمہ نوعیت کے کیسیز کی پیروی کرتے ہیں۔

## مسلم پرسنل لا کے احکام:

ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اور اس کا سیکولر قانون تمام شہریوں پر نافذ ہوتا ہے، البتہ ۱۹۳۷ء کے شریعہ اپلی کیشن ایکٹ (Sharia Application Act 1937) کے مطابق مسلمانوں کو ان کے عائلی مسائل میں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلوں کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس ایکٹ کی رو سے نکاح وطلاق، وقف ووصیت اور ہبہ ومیراث وغیرہ پرسنل لا سے متعلق معاملات میں مسلم فریقین کو محمڈن لا کے مطابق فیصلہ دیا جائے گا۔لیکن یہ مسلم عائلی قوانین کوڈیفیکیشن کی شکل میں ججوں یا وکلاء کے سامنے موجود نہیں ہیں۔صرف فقہ اسلامی کی بعض کتابیں جیسے ہدایہ اور عالمگیری وغیرہ کے انگریزی تراجم اور بعض ماہرین قانون جیسے ملا اور طیب جی وغیرہ کی کتابیں ہیں جن سے وکلاء اور قاضی صاحبان استفادہ کرتے ہیں۔پس مسلم وکلا صاحبان کے لئے بھی عام حالات میں اسلامی قانون سے واقفیت کا ذریعہ وہی ہے جو دیگر وکلاء اور ججوں کے پاس ہے۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل میں عام وکلاء صاحبان اپنے مؤکل کو اسلامی قانون کے مطابق اس معیار پر صلاح ومشورہ نہیں دے پاتے ہیں جو اسلامی قانون کی روح ہے، اور نہ اس کے مطابق مقدمہ کی پیروی ہو پاتی ہے۔ جب کہ ایسے مواقع پر شریعہ اپلی کیشن ایکٹ کے مطابق ان کے مقدمہ کا فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہی صورت حال ججز صاحبان کے سامنے ہوتی ہے۔ اور اسی لئے ادھر حالیہ برسوں میں متعدد ایسے فیصلے دیکھے اور سنے گئے جن میں عائلی مسائل کے اندر مسلم فریقین کے لئے اسلامی شریعت کا نام لیتے ہوئے اپنی عقلی توجیہات کے مطابق فیصلے کئے گئے جو فی الواقع حکم شرعی کے خلاف تھے۔

## مسلم وکلاء کے لئے اسلامی قانون

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لا کی تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ کے لئے اسلامی قانون کے مبادی اور بالخصوص عائلی مسائل میں تفصیلی احکام شرع کی تعلیم کا نظم کیا جائے، بدقسمتی سے ایسا باضابطہ نظم کہیں نہیں ہے۔ ممکن ہے بعض قانون کی تعلیم گاہوں میں مسلم طلبہ کو اسلامی قانون کی شدبد سے واقف کرادیا جاتا ہو۔ لیکن اس سے مقصد کی تکمیل نہیں ہوسکتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وکالت کرنے والے مسلم وکلاء صاحبان کے لئے اسلامی شریعت اور مسلم پرسنل لا کے احکام پر مشتمل تعلیم کا نظم کیا جائے۔ اگر ہمارے مسلم وکلاء صاحبان اسلامی شریعت کے عائلی احکام اور ان کے حکیمانہ مصالح پر دسترس رکھنے والے ہوں تو مسلم فریقین کے مقدمات کی پیروی کرتے ہوئے وہ اسلامی احکام کی حکمت ومصلحت اور خوبیوں کو اچھی طرح نمایاں کرسکتے ہیں، جس سے نہ صرف فریقین کے لئے شرع اسلامی کے مطابق عمل کی راہ آسان ہوگی، بلکہ اسلامی قانون کی افادیت اور اس کا روشن انسانی پہلو بھی دنیا کے سامنے آسکے گا۔ لیکن ایسا نہ ہونے کی وجہ سے موجودہ صورت حال یہ ہے کہ عائلی مسائل میں اسلامی قوانین کو کبھی غیر عملی باور کرایا جاتا ہے اور کبھی عورتوں کے حق میں غیر مفید۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ منصفانہ، عادلانہ اور حکیمانہ کوئی قانون نہیں ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس ضمن میں ایک مثبت اور مفید قدم اٹھاتے ہوئے مسلم وکلاء کے لئے تفہیم شریعت کے پروگرام منعقد کرنے شروع کئے ہیں جن میں عائلی مسائل میں سے کسی موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جاتی ہے اور سوالات واشکالات کے جوابات دئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ کو زیادہ وسیع اور منظم کیا جانا چاہئے۔ لیکن تنہا یہ کافی نہیں ہے۔ مسلم وکلاء کی اسلامی قانونی تعلیم کے لئے بھی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں راقم سطور درج ذیل تجاویز پیش کرتا ہے۔

## چند تجاویز:

۱۔ مسلم وکلاء کے لئے ایک سال کی مدت پر مشتمل ایک کورس جاری کیا جانا چاہئے۔ یہ کورس دو حصوں پر مشتمل ہوسکتا ہے۔ پہلا حصہ اسلامی شریعت کے تعارف پر مشتمل ہو، جس میں اسلامی شریعت کے مبادی، شریعت کے بنیادی اور ثانوی مصادر، استفتاء وافتاء اور اجتہاد وتقلید کے مفاہیم، فقہی اختلاف ومسالک اور فقہی تصنیفات وتالیفات وغیرہ سے واقف کرایا جائے۔ دوسرے حصہ میں مسلم پرسنل لا کی تعلیم ہو جس میں طلاق وتفریق، حضانت وولایت، ہبہ ومیراث اور وقف وغیرہ کے احکام ومسائل اور مصالح وحکمتوں کی تعلیم دی جائے۔ یہ کورس بڑے دینی مدارس کی جانب سے مختلف جگہوں پر چلایا جاسکتا ہے۔ نیز بعض اہم علمی ودینی اور فقہی ادارے بھی ایسا کورس چلا سکتے ہیں۔ یہ کورس روایتی طرز پر زیادہ مفید ہوگا، لیکن فاصلاتی طرز پر بھی اس کی تعلیم کا نظم کیا جاسکتا ہے (۶)۔

اسلامی شریعت اور مسلم پرسنل لا کی تعلیم کا یہ کورس مسلم وکلاء کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ اور اس کورس کو مکمل کرنے کے بعد وہ پرسنل لا سے متعلق مقدمات میں اختصاص کے حامل بھی قرار پائیں گے۔

۲۔ دینی مدارس سے فقہ میں اختصاص کرنے والے چند باشعور فضلاء کو باضابطہ لا کی تعلیم سے جوڑا جائے، ایسے چند فضلاء اگر ہر سال ایل ایل بی (L.L.B) کی تعلیم سے وابستہ ہوں، اور پھر اس کے بعد وکالت کے پیشہ سے جڑیں تو ان سے بہتر نتائج کی بجا طور پر امید کی

جاسکتی ہے۔

۳۔اسلامی قانون بالخصوص شریعت کے عائلی مسائل سے متعلق ایک ویب سائٹ تیار کیا جائے،جس میں پرسنل لا کے مسائل و احکام کا اچھا علمی مواد جدید ذہن و اسلوب کے مطابق فراہم کیا جائے،اور خاص طور سے اسلامی قوانین کی حکمتوں اور مصالح پر کافی روشنی ڈالی جائے۔ نیز چند ماہرین قانون اسلامی کی خدمات حاصل کی جائے جو درپیش عائلی مسائل میں وکلاء کو آن لائن مشورے اور رہنمائی دے سکیں۔

## حوالہ جات:

۱۔نبوی فیصلوں کی تفصیل سیرت اور قضاء کی مختلف کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔مثال کے طور پر دیکھئے: زاد المعاد فی ھدی خیر العباد صفحات ۸۲۴ اور اس سے آگے،مطبوعہ دار ابن حزم بیروت ۱۹۹۹ء۔

۲۔یہودی قریظہ نے مسلمانوں کے محاصرہ کے بعد شکست تسلیم کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا تھا کہ حضرت سعد بن معاذؓ ان کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے وہ انہیں منظور ہوگا،چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم دیا کہ وہ فیصلہ کریں۔آپ ﷺ نے ان کے فیصلے کی تائید فرمائی۔دیکھئے: زاد المعاد صفحہ ۸۴۷،حوالہ سابق۔

۳۔مثال کے طور پر دیکھئے حضرت علیؓ کا فیصلہ۔آپ نے یمن میں ایک پیچیدہ مسئلہ میں دیت کا فیصلہ کیا تھا، بعد میں متاثرین نے اس مسئلہ کو خدمت نبوی ﷺ میں پیش کیا تو آپ نے حضرت علیؓ کے فیصلہ کی توثیق فرمائی۔دیکھئے حوالہ سابق صفحہ ۸۲۷۔

۴۔مسلم شریف،کتاب الاقضیہ،حدیث نمبر ۱۷۱۳۔

۵۔دیکھئے ویب سائٹ: (bar council of India, chairman vision statement 2010-20121)۔

۶۔ایسا ایک کورس پڑوسی ملک کے ادارہ تحقیقات اسلامی کی دعوۃ اکیڈمی کی جانب سے بھی تیار کیا گیا ہے۔اس ضمن میں اس سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

# اسلام کے تعزیری قوانین کی معنویت

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی ☆

عصر حاضر میں جرائم نے ایک عالم گیر وبا کی صورت اختیار کرلی ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ ان سے محفوظ نہیں ہے۔ تمام ممالک، خواہ وہ ترقی یافتہ ہوں، یا ترقی پذیر، یا پس ماندہ، ان کی لپیٹ میں ہیں۔ ان کا دائرہ سماج کے تمام طبقات تک وسیع ہے۔ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا جوان، ادھیڑ عمر کے لوگ ہوں یا بوڑھے، مال دار ہوں یا غریب، کارخانے دار ہوں یا مزدور، ملازمت پیشہ ہوں یا بے روزگار، سیاست داں ہوں یا قانون نافذ کرنے والے، سب ان میں ملوث بھی ہیں اور ان کا شکار بھی۔ ان جرائم کی نوعیتیں بھی مختلف ہیں۔ ان میں جنسی جرائم بھی ہیں اور عورتوں اور بچوں سے متعلق دیگر جرائم بھی۔ معاشی جرائم بھی ہیں اور اخلاقی جرائم بھی۔ سیاسی جرائم بھی ہیں اور جنگی جرائم بھی۔ دنیا کے کسی ملک کے 'کرائم ریکارڈ' کے اداروں کی سروے رپورٹوں کے اعداد وشمار کا مطالعہ کرلیا جائے، یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب نظر آئے گی۔ خود ہمارا ملکِ عزیز بھی اس معاملہ میں کسی سے پیچھے نہیں ہے، بلکہ اس کا شمار دنیا کے ان چند گنے چنے ملکوں میں ہوتا ہے، جہاں جرائم کا گراف کافی اونچا ہے۔ کسی دن کا اخبار اٹھا کر دیکھ لیجیے، وہ قتل، چوری، ڈکیتی، اغوا، اسمگلنگ، لوٹ کھسوٹ، زنا بالجبر، اقدام زنا، جنسی تشدد، دست درازی، جہیز کے لیے زدوکوب، رحم مادر میں بچیوں کا قتل، بچوں کی خرید وفروخت اور جبری مزدوری، رشوت، شراب نوشی اور منشیات کا استعمال، غرض

☆ ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ۔

مختلف جرائم کے واقعات اور ان کی رپورٹوں سے بھرا ہوتا ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ ان جرائم میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ چند سال قبل ان کا جو تناسب تھا، اب ان میں کئی سو گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ مجرمین جرم کے نئے نئے طریقے ایجاد کر رہے ہیں۔ یہ صورت حال سماج کے ہر سنجیدہ اور باشعور شہری کے لیے پریشان کن اور باعثِ تشویش ہے۔ سماجی کارکنان ہوں یا دانش وران، قانون داں ہوں یا سیاست داں، سب فکر مند ہیں کہ کس طرح سماج کو جرائم سے پاک کیا جائے اور اسے امن وامان کا گہوارہ بنایا جائے۔ لیکن اس کے باوجود جرائم ہیں کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے اور ان سے ملک ومعاشرہ کی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہیں۔ ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

## اسلام کے تعزیری قوانین آزمودہ ہیں:

یہ صورت حال، جس میں تمام دانش وران اور اربابِ حل وعقد جرائم کے انسداد کی تدابیر ڈھونڈنے میں سرگرداں ہیں، تقاضا کرتی ہے کہ اسلام کے تعزیری قوانین کا مطالعہ کیا جائے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ وہ انسدادِ جرائم میں کس حد تک معاون ہیں۔ اسلام کے علم برداروں اور اس کی ترجمانی کرنے والوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان قوانین کی معنویت آشکارا کریں اور ان کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔

اسلام کے تعزیری قوانین کے مطالعہ وجائزہ کی ضرورت اس وجہ سے بھی ہے، کیوں کہ یہ قوانین آزمودہ ہیں۔ تاریخ کے ایک عرصہ میں یہ ایک خطۂ زمین میں نافذ رہے ہیں اور سماج میں ان کے اثرات واضح طور پر محسوس کیے گئے ہیں۔ جس زمانے میں یہ قوانین نافذ کیے گئے اس زمانے میں سرزمینِ عرب فتنہ وفساد کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ لوٹ مار، قتل وغارت گری، چوری ڈکیتی، عصمت دری، شراب نوشی اور دیگر سماجی برائیاں، جن کا آج ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں، عام تھیں، ان قوانین کے نفاذ کے نتیجے میں یہ برائیاں تقریباً ختم ہو گئیں اور پورے

خطے میں امن وامان کا دور دورہ ہو گیا۔

حضرت عدی بن حاتم ۹ ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

**يا عدى، إن طالت بك حياة لترينّ الظعينة ترتحل من الحيرة حتى تطوف بالكعبة لا تخاف أحداً إلا الله.**

(اے عدی، اگر تم کچھ عرصہ مزید زندہ رہو گے تو ضرور دیکھ لو گے کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے مکہ پہنچے گی اور خانۂ کعبہ کا طواف کرے گی، پورے سفر میں اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہ ہوگا)

حضرت عدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اس پیشین گوئی کو پورا ہوتے ہوئے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ [۱]

## مصالحِ انسانی کی حفاظت — اسلامی شریعت کا مقصود:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں زندگی گزارنے کے سلسلہ میں جو احکام دیے ہیں، ان سے انہی کی بھلائی مقصود ہے، ورنہ اس کی ذات بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ ان احکام پر پوری دل جمعی اور اطمینان قلب کے ساتھ عمل کرنے کے لیے ان کی حکمتوں اور ان کے دنیوی و اخروی فائدوں کے بیان کو علماء نے پسندیدہ قرار دیا ہے، انھیں مصالح کا نام دیا ہے اور ان کی حفاظت کو شریعت کا مقصود بتایا ہے۔ امام ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) فرماتے ہیں:

''مصلحت سے ہماری مراد مقصودِ شریعت کی حفاظت ہے اور مخلوق کے معاملے میں شریعت کا مقصود یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کی حفاظت کی جائے: (۱) دین (۲) جان (۳) عقل (۴) نسل (۵) مال۔ ہر وہ چیز جو ان پانچ بنیادی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہو وہ مصلحۃ ہے اور ہر وہ چیز جو ان بنیادوں کے فوت ہونے کا سبب بنے وہ مفسدۃ ہے اور اس کا ازالہ کرنا مصلحۃ ہے۔'' [۲]

## اسلام کے تعزیری قوانین مصالح انسانی کی حفاظت کے لیے ہیں:

اسلام نے مذکورہ بالا مصالح انسانی کو غیر معمولی اہمیت دی ہے اور ان کی حفاظت کے لیے مختلف قوانین وضع کیے ہیں۔ وہ انسانوں کو عقیدہ کی پوری آزادی دیتا ہے اور انھیں دائرۂ ایمان میں داخل ہونے پر مجبور نہیں کرتا، لیکن وہ کسی شخص کو اس بات کی چھوٹ نہیں دیتا کہ وہ انسانی مصالح کو پامال کرے، انسانوں کی جانوں کے درپے ہو، ان کے مالوں میں لوٹ کھسوٹ کرے، ان کی عزت وآبرو پر حملہ آور ہو، یا ایسے کام کرے جن سے نسل انسانی کے تسلسل میں رکاوٹ آئے یا عقل انسانی میں فتور پیدا ہو۔ ان مصالح میں سے کسی مصلحت پر دست درازی کو وہ سنگین جرم قرار دیتا ہے اور اس پر سزا عائد کرتا ہے۔ اس موضوع پر امام غزالیؒ نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے پانچوں مقاصدِ شریعت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

''ان پانچوں اصولوں کی حفاظت 'ضروریات' (انتہائی ناگزیر چیزوں) کے درجے میں ہے، اس لیے کہ یہ انسانی مصالح کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شریعت نے اس منکرِ دین کو جو دوسروں کو گمراہ کرنے کے درپے ہو، قتل کرنے اور اس بدعتی کو، جو دوسروں کو اپنے خود ساختہ عقیدہ کی طرف دعوت دے، سزا دینے کا حکم دیا ہے، اسی طرح شریعت نے قصاص کو واجب کیا ہے، تاکہ انسانی جانیں محفوظ رہیں، شراب نوشی پر سزا لازم کی ہے، تاکہ عقلیں محفوظ رہیں، جن کی وجہ سے انسانوں کو احکام کا مکلّف کیا گیا ہے، زنا پر حد واجب کی ہے، تاکہ نسل اور نسب محفوظ رہیں، چوروں اور لٹیروں کی سرزنش کا حکم دیا ہے، تاکہ اموال محفوظ رہیں، جو انسانوں کی معیشت کا ذریعہ ہیں اور جن کے وہ محتاج ہیں۔ ان پانچوں بنیادی اصول کی پامالی کی ممانعت اور اس پر تنبیہ وسرزنش دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب میں پائی جاتی ہے۔'' [۳]

## سزاؤں کی قسمیں:

اسلام میں مختلف جرائم پر جو سزائیں متعین کی گئی ہیں ان کی تین صورتیں ہیں:

**الف-حد:** اس سزا کو کہتے ہیں جس کی تعیین کتاب وسنت میں کر دی گئی ہو۔ اس کا اطلاق درج ذیل سزاؤں پر ہوتا ہے:

**(۱)حدِ زنا:** اگر زنا کرنے والا مرد یا عورت غیر شادی شدہ ہو تو اس کی سزا قرآن (النور:۲) میں سو کوڑے بیان کی گئی ہے اور اگر وہ شادی شدہ ہو تو اس کے لیے رجم (یعنی پتھروں سے مار مار کر ہلاک کرنے) کی سزا احدیث میں مذکور ہے۔

**(۲)حدِ قذف:** بہتان تراشی (یعنی کسی پر زنا کا الزام لگانے یا اس کے نسب کا انکار کرنے) کی سزا قرآن (النور:۴) میں اسی کوڑے مذکور ہے۔

**(۳)حدِ سرقہ:** چوری کی سزا یہ ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ یہ سزا قرآن (المائدۃ:۳۸) میں مقرر کی گئی ہے۔اس کی تفصیلات وجزئیات کا بیان احادیث میں ملتا ہے۔

**(۴)حدِ حرابۃ:** حرابہ کا مطلب ہے علی الاعلان طاقت کے زور پر کسی کا مال چھین لینا اور اس پر قبضہ کر لینا۔عُرفِ عام میں اسے ڈکیتی کہتے ہیں۔قرآن (المائدۃ:۳۳) میں اس کی چار سزائیں بیان کی گئی ہیں: (۱) قتل (۲) پھانسی (۳) ہاتھ پیر مخالف سمتوں سے کاٹ دیا جانا (۴) جلاوطنی۔

**(۵) حدِ شربِ خمر:** قرآن میں شراب کی صرف حرمت کا بیان ہے، اس کی حد کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ اسے حرام قرار دیے جانے کے بعد عہد نبوی میں شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے جاتے تھے۔بعد میں مصالح کے پیش نظر خلفائے راشدین نے اس کی تعداد بڑھا کر اسی کر دی۔

**(۶) حد الردۃ:** اسلام سے پھر جانے کو ردّہ یا ارتداد کہا جاتا ہے۔قرآن (البقرہ:۲۱۷) میں مرتد کے تمام اعمال ضائع ہو جانے کی خبر دی گئی ہے اور اسے جہنمی قرار دیا گیا ہے۔ احادیث میں اس کی سزا قتل مذکور ہے۔[۲۲]

**ب: قصاص:** کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو بدلے میں اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ (البقرہ: ۱۷۸) اور اگر اس کا کوئی عضو تلف کر دے تو بدلے میں اس کا وہ عضو بھی تلف کر دیا جائے گا۔(المائدہ: ۴۵) اسے قصاص کہا جاتا ہے۔

بعض فقہاء نے قصاص کو بھی حد میں شمار کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی سزا بھی کتاب و سنت کے ذریعے متعین کردہ ہے۔

**ج: تعزیر:** اس سزا کو کہتے ہیں جو قرآن وسنت میں منصوص نہیں ہے اور اسے اسلامی ریاست میں قاضی جرم، مجرم اور حالات کے مطابق حسب ضرورت نافذ کرتا ہے۔ حدود و قصاص کے نفاذ کے لیے کچھ شرائط مقرر ہیں۔ بسا اوقات وہ مکمل طور پر نہیں پائی جاتیں۔ ایسی صورت میں مجرم پر حد یا قصاص تو جاری نہیں کیا جاتا، لیکن اسے آزاد بھی نہیں چھوڑ دیا جاتا، بلکہ اس کے جرم کے مطابق اسے کوئی دوسری سزا دی جاتی ہے۔ یہ سزا جسمانی بھی ہوسکتی ہے، مالی بھی۔ قید و بندکی بھی ہوسکتی ہے اور شہر بدری کی بھی، یا کوئی دوسری۔ کتب فقہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

## اسلامی سزاؤں کے مقاصد:

جرائم کے ارتکاب کی صورت میں سزاؤں کے بیان کے ساتھ قرآن کریم میں ان کے مقاصد پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ مقاصد بنیادی طور پر دو ہیں۔ ایک یہ کہ مجرم اپنے جرم کا بدلہ پائے، جو گھناؤنی حرکت اس نے کی ہے اس کا انجام جھیلے، جس حرام کام کا اس نے خواہش نفس سے مغلوب ہوکر ارتکاب کیا ہے، دوبارہ اس کے ارتکاب کی جرأت نہ کرے اور سزا کا خوف اس کے دل سے اس کا داعیہ ختم کر دے، دوسرے یہ کہ یہ سزائیں دیگر افراد کے لیے عبرت کا باعث ہوں، ان کے ذہنوں میں ہر وقت یہ بات تازہ رہے کہ اگر انھوں نے ان جرائم کا ارتکاب کیا تو انھیں بھی ویسے ہی بھیانک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ شعور انھیں ارتکاب جرم سے باز رکھے گا اور ان میں مجرمانہ ذہنیت نہیں پنپنے پائے گی۔

قرآن کریم میں چوری کی سزا ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللَّهِ (المائدۃ:۳۸)۔

(اور چور، خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔)

اس آیت کی تشریح میں شیخ رشید رضا مصریؒ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں حد کی علّت بھی مذکور ہے، یعنی ان کے ہاتھ کاٹ دو، ان کے برے اور گندے کام کے بدلے، اور اس لیے تاکہ یہ سزا دوسروں کے لیے عبرت بنے۔ آیت میں نکال کا لفظ آیا ہے۔ یہ نکل سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں وہ رسّی جس سے جانور کو باندھا جاتا ہے۔ نکل عن الشیی کے معنی ہیں کسی رکاوٹ کی وجہ سے کسی چیز سے پیچھے ہٹنا اور کسی کام سے باز رہنا۔ یہاں نکال سے مراد وہ چیز ہے جو لوگوں کو چوری کرنے سے باز رکھے۔ اللہ کی قسم، چور کا ہاتھ کاٹ دینے سے اس کو زندگی بھر جو رسوائی ہوتی ہے اور اس پر ذلّت و عار کا جو داغ لگ جاتا ہے وہ دوسروں کو چوری سے باز رکھنے کے لیے مناسب ترین سزا ہے، جس سے لوگوں کے اموال محفوظ رہتے ہیں، اور اسی طرح ان کی جانوں کی بھی حفاظت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بسا اوقات اگر اصحاب اموال کو چوروں کا پتا چل جاتا ہے اور وہ ان کا مقابلہ کرتے ہیں تو انھیں اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جاتا ہے''۔ ۵

حدِّ حرابہ بیان کرنے کے بعد قرآن کہتا ہے:

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ (المائدۃ:۳۳)

(یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں تو ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے)۔

لفظ 'خزی' کی تشریح میں شیخ رشید رضا فرماتے ہیں:

''یعنی دنیا میں انھیں ذلّت اور رسوائی حاصل ہو اور وہ دوسرے فسادیوں کے لیے عبرت بنیں۔''[۶]

زنا کی حد (کہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کو سو کوڑے مارے جائیں) بیان کرنے کے ساتھ قرآن کہتا ہے:

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ۔(النور:۲)

(اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے)

اس سے بھی اسلامی سزاؤں کے مقصد اور حکمت کی وضاحت ہوتی ہے۔مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

''یعنی سزا علی الاعلان عام لوگوں کے سامنے دی جائے، تا کہ ایک طرف مجرم کو فضیحت ہو اور دوسری طرف عوام الناس کو نصیحت۔اس سے اسلام کے نظریہ سزا پر واضح روشنی پڑتی ہے ......اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قانون میں سزا کے تین مقصد ہیں۔اول یہ کہ مجرم سے اس زیادتی کا بدلہ لیا جائے اور اس کو اس برائی کا مزہ چکھایا جائے جو اُس نے کسی دوسرے شخص یا معاشرے کے ساتھ کی تھی۔دوم یہ کہ اسے اعادۂ جرم سے باز رکھا جائے۔سوم یہ کہ اس کی سزا کو ایک عبرت بنا دیا جائے، تا کہ معاشرے میں جو دوسرے لوگ برے میلانات رکھنے والے ہوں ان کے دماغ کا آپریشن ہو جائے اور وہ اس طرح کے کسی جرم کی جرأت نہ کر سکیں''۔[۷]

آیتِ قصاص کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ يَاۤ أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔(البقرۃ:۱۷۹)

(اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل و خرد رکھنے والو۔امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے)۔

اسلامی تعزیرات کی حکمت و معنویت پر روشنی ڈالنے والی یہ ایک معنیٰ خیز آیت ہے۔قصاص میں قاتل کو بھی قتل کر دینے سے بظاہر ایک اور جان کا ضیاع ہوتا ہے،لیکن قرآن کہتا ہے

کہ اس میں زندگی ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے:

''یہ آیت بلاغت اور ایجاز کا نمونہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب قصاص کو نافذ کیا جائے گا تو جو شخص کسی کو قتل کرنے کا خواہاں ہوگا وہ اس خوف سے رک جائے گا کہ بدلے میں اسے بھی قتل کردیا جائے گا۔ اس طرح دونوں زندہ بچ جائیں گے۔ عربوں میں جب کوئی شخص کسی کو قتل کردیتا تھا تو دونوں کے قبیلے غیظ وغضب سے بپھر جاتے تھے اور ان میں باہم جنگ ہونے لگتی تھی۔ اس طرح بہت بڑی تعداد کے قتل کی نوبت آجاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب قصاص کو مشروع کیا تو تمام لوگ تانع ہوگئے اور انھوں نے باہم لڑائی جھگڑا بند کردیا۔ اس طرح انھیں زندگی مل گئی۔''[۸]

اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے ہر دور میں ان کے مطلوبہ مقاصد حاصل ہوتے رہے ہیں۔ موجودہ دور میں بھی اگر دنیا کے مختلف ممالک میں رونما ہونے والے جرائم کے اعداد وشمار پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت پورے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ جن ممالک میں یہ سزائیں نافذ ہیں ان کے مقابلہ میں جن ممالک میں نافذ نہیں ہیں ان میں جرائم کا تناسب کئی ہزار گنا زیادہ ہے۔

## اسلامی سزاؤں پر بعض اعتراضات کا جائزہ:

اسلام کے تعزیری قوانین کی حکمت ومعنویت سے جو حضرات واقف نہیں ہیں وہ ان پر مختلف پہلوؤں سے اعتراض کرتے ہیں۔ انھیں یہ سزائیں وحشیانہ اور سفاکانہ دکھائی دیتی ہیں اور ان سے ان کی نظر میں بنیادی انسانی حقوق کی پامالی ہوتی ہے۔ یہاں ایک نظر ان کے بعض اعتراضات پر ڈال لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ایک اعتراض بہت زور شور سے یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے مختلف جرائم پر جو سزائیں تجویز کی ہیں وہ انتہائی بے رحمی اور سنگ دلی کی مظہر ہیں۔ آج کا ترقی یافتہ اور متمدن دور ان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ یہ اعتراض کرنے والوں کی نظر مسئلے کے صرف ایک پہلو پر رہتی ہے، وہ

دوسرے پہلو کی طرف نہیں دیکھتے کہ یہ مجرمین معاشرہ میں کتنے فساد کا باعث بنتے ہیں اور ان کا وجود پاکیزہ سماج میں کتنا تعفّن پیدا کرتا ہے۔ جسمِ انسانی کے کسی عضو میں پھوڑا بن رہا ہو تو اس کا علاج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، پھوڑا پک گیا ہو تو اسے چیر پھاڑ کر گندا مواد باہر نکال دیا جاتا ہے، تعفّن (Septic) دوسرے عضو میں سرایت کر رہا ہو یا زخم کینسر بن گیا ہو تو اس عضو کو کاٹ کر پھینک دینے ہی میں عافیت ہوتی ہے اور مریض سے ہمدردی اور بھلائی کا یہی تقاضا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو مجرم اپنے جرم کی وجہ سے صحت مند معاشرہ کو بیمار کر رہا ہو اور قوی اندیشہ ہو کہ اس کا فساد دوسرے افراد میں بھی سرایت کر جائے گا تو اس کا علاج کرنا اور اگر وہ لا علاج ہو تو اسے سماج سے کاٹ کر پھینک دینا ہی تقاضائے دانش مندی اور قرین عقل ہے۔

ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ اسلام نے جو سزائیں تجویز کی ہیں وہ بڑی اہانت آمیز اور رسوا کن ہیں۔ اگر ان سزاؤں کی معقولیت تسلیم کر لی جائے تو بھی ان کے نفاذ کے طریقوں کو کسی طرح پسندیدہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سزا کوئی بھی ہو اور کتنے ہی آسان سے آسان طریقے سے دی جائے وہ بہر حال اہانت آمیز اور رسوا کن ہوتی ہے۔ اگر کسی فرد یا سماج کا مزاج نہیں بگڑا ہے تو وہ سزا کی کسی صورت کو بھی لائقِ فخر اور باعثِ عزّ و شرف نہیں سمجھ سکتا۔ دوسری بات یہ کہ اسلامی تعزیرات میں وہ صورتیں خاص طور پر اسی لیے اختیار کی گئی ہیں تاکہ ان کی اہانت انگیزی اور ذلت آمیزی دیکھ کر دوسرے لوگ، جن کے اندر جرم کے جراثیم پنپ رہے ہوں، ان جرائم کے ارتکاب سے باز آ جائیں۔

اسلامی تعزیرات کے بارے میں ایک اعتراض یہ بھی عام ہے کہ ان سے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ کوئی شخص بڑے سے بڑا مجرم ہو، لیکن اس کی جان محترم ہے اور کسی دوسرے انسان کو اس کی جان لینے کا حق نہیں ہے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر پھانسی کی سزا کو کالعدم کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہ حضرات مجرم کے بنیادی حقوق کی تو پُر زور وکالت کرتے

ہیں، لیکن مظلوم اور مقتول کے انسانی حقوق ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ یقیناً انسانی جان محترم ہے، لیکن جتنی محترم قاتل کی جان ہے اتنی ہی محترم مقتول کی بھی جان تھی۔ اگر قاتل نے اس احترام اور تقدس کو پامال کیا ہے تو اس نے اپنے زندہ رہنے کا حق بھی کھو دیا ہے۔ اس معاملے میں اسلام 'جیسے کو تیسا' کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے مقتول کے ورثاء کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ مقتول کی جان کے بدلے کچھ دیت لے کر یا اس کے بغیر قاتل کو معاف کر دیں۔

## سزاؤں کے نفاذ کے لیے اسلامی ریاست کا قیام ضروری ہے:

اسلامی تعزیرات کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ان کا نفاذ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جس خطۂ زمین میں اسلامی ریاست قائم نہ ہو وہاں کوئی دوسرا ادارہ یا اجتماعیت انھیں نافذ کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ اور چوں کہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے انھیں ان سزاؤں کو نافذ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے کوششیں کرنا مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے۔ آیتِ سرقہ کی تشریح کرتے ہوئے امام رازیؒ نے لکھا ہے:

''متکلمین نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ امت پر اپنے لیے ایک امام کو متعین کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے چوروں اور زناکاروں پر حد جاری کرنے کو لازم کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ کوئی ایسا شخص ہو جو اس حکم کا مخاطب ہو۔ اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عوام کو مجرموں پر حدود جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے، بلکہ آزاد مجرمین پر حد جاری کرنے کا اختیار صرف امام کو ہے۔ پس جب امت کو اس حکم کا قطعی طور پر مکلّف کیا گیا ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونا امام کے بغیر ممکن نہیں، تو اس اصول کی رو سے کہ جس چیز کے بغیر واجب پر عمل ممکن نہیں وہ بھی واجب ہوتی ہے، نصبِ امامت قطعی طور پر واجب ہے۔''

## حواشی ومراجع

۱- صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام ۳۵۹۵

۲- ابوحامد الغزالی، المستصفی من علم الاصول، المطبعۃ الامیریۃ، بولاق، مصر ۱۳۲۲ھ، ۱/ ۲۸۶-۲۸۷

۳- المستصفی، ۱/ ۲۸۷-۲۸۸

۴- بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ ان النفس بالنفس

۵- تفسیر المنار، مطبعۃ المنار، مصر، ۶/ ۳۸۰۔ لفظ نکال کی یہ تشریح راغب اصفہانی نے کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے المفردات فی غریب القرآن، دار المعرفۃ بیروت، ص ۵۰۶

۶- تفسیر المنار، ۶/ ۳۶۴

۷- سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، سورہ النور، حاشیہ ۴، ص ۳۴۴-۳۴۵

۸- ابوعبداللہ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۲/ ۲۵۶۲

اس آیت کی بلاغت پر علامہ زمخشریؒ اور امام رازیؒ نے بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ کیجیے جار اللہ الزمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر، ۱/ ۳۳۳، فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر، المکتبۃ التوفیقیۃ مصر، ۵/ ۵۰-۵۱۔

☆☆☆

# تدریس وتدوین قانون اسلامی کامعروضی مطالعہ
# عصری موانع اور امکانات

(علی گڑھ لاء کالج اور المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء، امارت شرعیہ پٹنہ کے نصاب ونظام کا تقابلی مطالعہ)

ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی ☆

اس تحریر میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملک عزیز ہندوستان میں قانون اسلامی اور مسلم ماہرین قانون - مفتی، قاضی اور وکیل - کی تربیت وافزائش کا کیا انتظام ہے۔ اس کیفیت کی جستجو میں امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ اور لاء کالج علی گڑھ کے نصاب ونظام کا ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ہندوستان جیسے تکثیری معاشرہ میں مسلم اقلیت کے مسائل آج تک قانون کے قالب میں مدون نہیں ہو سکے ہیں۔ تدوین قانون اسلامی کا یہ عمل اس دور میں بھی ممکن نہیں ہوسکا جب کہ یہ اقلیت محکوم کے بجائے غالب تھی، چنانچہ ملت اسلامیہ ہند کے پاس قانون کے نام پر فتاوی عالمگیری کے بعد مسلم پرسنل لا نام کا ایک مسودہ ہے جو مسلمانوں کی پوری زندگی کے چند مخصوص مسائل سے بحث کرنے والا مدونہ ہے۔ چنانچہ ہندوستان کی سطح پر تدریس، تدوین اور تنفیذ مخلصانہ جہد مسلسل کی منتظر ہے، حالانکہ اسلامی ممالک میں بھی مذکورہ تینوں سطحیں شدید تنقیدی محاکمہ کی متقاضی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مغربی استعمار سے آزادی کے بعد مسلم

☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

ممالک میں جو قانون جاری ہوا اس نے تہذیبی، معاشرتی، تمدنی اور ثقافتی سطحوں پر نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی شرعی ضرورتوں کا خیال نہیں کیا بلکہ ان کے معتقدات کو کمزور کیا اور انھیں اپنے اثاثے کے سلسلہ میں تذبذب میں مبتلا کردیا۔ مذکورہ تینوں مسائل میں تنفیذ شریعت کا معاملہ ہندوستان میں دشواریوں سے گھرا ہوا ہے۔(نوآبادیاتی دور اور پھر تقسیم ملک کے بعد کی تفصیلات کے لیے رجوع کریں: عتیق احمد بستوی، ہندوستان میں نفاذ شریعت، معہد الشریعہ لکھنؤ، ۲۰۱۰ء، کے مختلف ابواب، نیز دیکھئے: مشیر الحق، مسلمان اور سیکولر ہندوستان، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۷۳ء، کے متعلقہ ابواب۔

قبل اس کے کہ ہندوستان کی سطح پر اسلامی قانون کی تدریس و تدوین اور مواقع وامکانات پر گفتگو کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی/مسلم ممالک میں کی جانے والی ماضی وحال کی کوششوں کا ایک سرسری جائزہ پیش کردیا جائے۔ اس ضمن میں سب سے پہلی کوشش عبداللہ بن مقفع (م ۱۴۳ھ/ ۷۵۹ء) نے کی۔ اس نے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصورؒ (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۵ء) کے سامنے اسلامی قانون کی تدوین کی تجویز رکھی۔ اس مشورہ کا ہی اثر تھا کہ غالباً خلیفہ نے پہلی بار ۱۴۸ھ/ ۷۶۵ء میں جب کہ دوسری بار ۱۶۳ھ/ ۷۷۹ء میں امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ/ ۷۹۵ء) سے ایک جامع اسلامی قانون کی تدوین کی اپیل کی جسے امام نے نامنظور کردیا۔ لیکن مؤطا کی تدوین کا کام شروع کردیا البتہ خلیفہ ہارون رشیدؒ (م ۱۹۳ھ/ ۸۰۹ء) کی فرمائش کے باوجود اسے عوامی وجمہوری منشور بنانے سے صاف انکار کردیا۔ تاریخ تدوین قانون اسلامی کا دوسرا دور مسعود سترہویں صدی عیسوی میں اورنگ زیبؒ (م ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء) کے دور میں نظر آتا ہے جب کہ فتاوی عالمگیری کی شکل میں ایک جامع فقہی مجموعہ مدون ہوگیا اگرچہ یہ کتاب بھی قانون کی عام اصطلاح سے ہٹ کر فقہی مجموعہ ہے جسے بہر حال نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تدوین قانون اسلامی کی سب سے کامیاب کوشش دولت عثمانیہ کی سرکردگی میں تیرہویں/ انیسویں صدی میں انجام پذیر ہوئی۔ حکومت نے سات جید علماء کی کمیٹی کی

موجودگی میں ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء میں ''مجلّہ احکام عدلیہ'' کی شکل میں اسلامی قانون نافذ کردیا۔ ترکی اور اس کے زیر اقتدار ممالک میں پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) تک یہ نافذ العمل رہا، اس کے بعد سب سے پہلے خود ترکی میں اسے منسوخ قرار دیا گیا پھر بتدریج لبنان اور البانیہ میں ختم کیا گیا اور اس کی جگہ سوئزرلینڈ، جرمن اور اٹلی کے قوانین کو جگہ دی گئی (امین احسن اصلاحی، اسلامی قانون کی تدوین، مکتبہ المنبر، لائل پور، ۱۹۶۳ء، ص ۱۲۰، ۱۲۶)۔ ہندوستان کے نوآبادیاتی دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مسلم پرسنل لا کی تدوین میں سید امیر علی (م ۱۹۲۸ء) جسٹس عبدالرحیم (م ۱۹۴۷ء) اور سید علی رضا (م ۱۹۴۹ء) وغیرہ کی خدمات حاصل کیں ان حضرات کی کوششوں کے نتیجہ میں محمڈن لاء، اینگلو محمڈن لاء کے نام سے بعض دستاویزی کتابیں ضبط تحریر میں آسکیں۔ مذکورہ کتابیں آج بھی ہندوستان کے قانونی اداروں میں مسلم قانون کی تفہیم وتعبیر کے لیے مرجع کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ (نوآبادیاتی دور میں مسلم لاء کی تدوین سے متعلق مذکورہ حضرات کی مساعی کے لیے ملاحظہ کریں: Narendra Kumar Jain, Muslims in India - A Bibliographical Dictionnary, Manohar Publication Delhi, 1983.)

## ماضی کی اجتماعی کوششوں کی ناکامی کے اسباب:

مسلم عہد کے عروج کے زمانوں میں بھی ایسی کوششیں ناکامی سے دوچار ہوئی ہیں جن کے ذریعہ کسی خاص فقہ کی روشنی میں تمام طبقات امت کے لیے ایک کوڈ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے چنانچہ امام دار الہجرت کی متقیانہ زندگی کا یہ پہلو انتہائی تابناک ہے کہ باوجود شاہی حمایت کے انھوں نے مدینہ کی فقہ کو تمام بلاد وامصار عرب کے لیے لازمی قرار دینے سے یکسر انکار کردیا۔ دوسری طرف دولت عثمانیہ کی زیر نگرانی تیار کردہ مسودہ اگرچہ عرصہ دراز تک نافذ العمل رہا لیکن خدیو اسمٰعیل پاشا (م ۱۸۹۵ء) نے ترکوں کے مدون کردہ مجلّہ احکام کو مصر میں نافذ ہونے

سے صرف اس وجہ سے رد کر دیا کہ اس کے ذریعہ مصر پر ترکوں کے اقتدار کی بالادستی کی یاد تازہ ہوتی ہے، چنانچہ ترکی میں مجلّہ احکام عدلیہ کے بالمقابل سوئزرلینڈ، جرمنی اور اٹلی کے قوانین اپنائے گئے۔ تیسری بڑی وجہ مجلّہ احکام عدلیہ کی ناکامی میں اس زمانہ کا فقہی جمود اور تقلیدی رجحان ہے۔ احکام عدلیہ کی تدوین فقہ حنفی کی بنیاد پر عمل میں آئی تھی جب کہ دیگر فقہاء کی عظمتوں کا اعتراف و اظہار اس عمل کے ذریعہ مجروح ہوا تھا، چنانچہ ترکی، مصر اور دیگر مسلم ممالک میں یہ رجحان پروان چڑھتا رہا کہ کوئی بھی عوامی عمل تمام فقہاء کی آراء اور ان کی رعایت پر مبنی ہونا چاہیے۔ (مزید دیکھیے: امین احسن، حوالہ سابق، ص ۱۲۷-۱۳۲)۔

## کیا اسلامی قانون مدون ہے؟

جب ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ اسلامی قانون کو نافذ ہونا چاہیے تو ہمیں اس حقیقت سے آنکھیں نہیں چرانا چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی تحریری قانون موجود نہیں ہے (یعنی جسے عصر حاضر کی اصطلاح میں قانون کا درجہ دیا جاسکتا ہو) دوسری بات یہ کہ مدون/نیم مدون قانون اسلامی کی تنفیذ کی بات ہم کسی اسلامی/مسلم ملک میں رہ کر ایک لمحہ کے لیے سوچ بھی سکتے ہیں، اب جب کہ ہندوستان ہمارا وطن ہے جہاں ہندو اور مسلم دو بڑی اکائیاں ہیں اور تدوین و تعبیر قانون میں بڑی اکائی کو تقریباً کلی اختیارات حاصل ہیں ایسے ملک میں اسلامی قانون کے لفظ کا اطلاق اور اس کی معنویت مستقبل کے سیاسی وسماجی منظر نامے کے لیے دوچند ہوجاتی ہے چنانچہ اس کی معنویت کا سوال واطلاق آئندہ کی قانون سازی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے ضمن میں تلاش کرنا زیادہ احوط ہے یا حکومت ہند کی عدالتی وقانونی معاونت اس کا مدعا ہونا چاہیے جس کی گنجائش خود قانون ہند سے نکلتی ہے تاکہ ہندوستانی پس منظر میں اسلامی قانون (مسلم پرسنل لا) کے تعلق سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکے اور اس کی برکات وثمرات سے کسی بھی وقت اہالیان ہند استفادہ کرسکیں۔ البتہ یہ مشن صبر آزما اور برسوں کی کوشش سے زیادہ اندرون خانہ کامل اتحاد وتعاون کا متقاضی ہے۔

## موانع ومسائل:

اسلامی قانون کے مصادر وماخذ قرآن، سنت، خلافت راشدہ کا تعامل اور مجتہدین کے فیصلے ہیں، اور یہ تمام چیزیں تحریری شکل میں بھرپور اختلافات کے ساتھ موجود ہیں۔ چنانچہ ان تفاسیر وتفاصیل سے قانون قواعد اور ضوابط کا اخذ وضبط ایک دشوار تر کام ہے۔ مثلاً یہ کہ دستوری و قانونی احکام کے ضمن میں ان ماخذ کے اندر جو اصطلاحات مستعمل ہیں وہ آج بالعموم نا قابل فہم یا نا قابل عمل بھی ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ ان نارسائیوں پر ان الفاظ میں نوحہ خواں ہیں:

''قرآن وحدیث اور فقہ حقیقی معنوں میں معروف قانونی ضابطے نہیں قرار دیے جاسکتے۔ قرآن میں قانون کے ساتھ عقائد، اخلاق، امثال، قصص اور تاریخ ساری چیزیں بیان کردی گئی ہیں پھر قانون کا جو حصہ اس میں بیان ہوا ہے اس میں اہل تاویل کی تاویلات بھی شامل ہیں...... اگر کوئی عدالت قرآن کے مطابق فیصلہ کرنا چاہے تو اس کو اختلاف تاویل، اختلاف قرأت اور تعیین ناسخ ومنسوخ کے نہایت دیر طلب مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ موجودہ زمانہ کی کسی عدالت کے لیے ان تمام مراحل کا طے کرنا ظاہر ہے کہ نہایت مشکل ہے۔ قانون اسلام کا دوسرا ماخذ احادیث نبوی ہیں، فقہی وقانونی ترتیب سے بعض کتب احادیث کی تدوین اور ان کی حصولیابی کے باوجود ہنوز یہ مسئلہ قرآن مجید سے اسلامی قانون کے اخذ کرنے جیسا پرپیچ ومشکل ہے۔ روایت ودرایت، احادیث کا باہمی تفاوت وتطبیق وغیرہ میں الجھنا آج کی عدالتوں کے بس کا روگ نہیں...... قانون اسلامی کا تیسرا ماخذ فقہاء عظام کا عظیم تحریری سرمایہ ہے۔ یہاں اجتہادات کے طریقے الگ الگ ہیں، متقدمین ومتاخرین کا مسئلہ ہے''۔ (امین احسن اصلاحی، حوالہ سابق، ص ۱۱۸-۱۲۰)۔

مسئلہ زیر بحث پر روشنی ڈالتے ہوئے سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ رقم طراز ہیں:

''قدیم فقہی لٹریچر میں نامانوس ترتیب کی وجہ سے بھی اس مقدس ذخیرہ کو اسلامی قانون کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اول تو مسائل ایک جگہ یکجا شکل میں مدون نہیں ہیں ایک

مسئلہ کتاب القضاء میں زیر بحث ہے تو دوسرے پر کتاب الامارت میں گفتگو ہے، ایک مسئلہ کتاب السیر (مسائل صلح و جنگ) میں بیان ہوا ہے تو دوسرا کتاب النکاح والطلاق میں۔ پھر زبان اور اس کی پیچیدہ اصطلاحات کا مسئلہ ہے چنانچہ وکیل کو یہ پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ کہاں قانون ملکی کے درمیان قانون بین الاقوام کا کوئی مسئلہ آ گیا اور کہاں پرسنل لا کے درمیان دستوری قانون کے کس مسئلے پر روشنی ڈال دی گئی ہے۔ چنانچہ گذشتہ صدیوں کی بہترین دماغی کاوشوں سے چھان پھٹک کر قانونی شعبے کو الگ کرنا بڑی دیدہ ریزی کا کام ہے ......موجودہ نسلیں جنھوں نے مدتوں سے دوسروں کے پس خوردہ پر قناعت کرلی ہے مشکل ہی سے آمادہ ہوسکتی ہیں بلکہ ستم یہ ہے کہ آج وہ اپنی اس آبائی میراث کو بے جانے بوجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے۔ (ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اسلامی دستور کی تدوین، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، پاکستان، اچھرہ، لاہور، ۱۹۵۳ء اشاعت سوم ص ۱۰)

## تدریس قانون اسلامی ایک عصری ضرورت:

گذشتہ بحث سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ قانون اسلامی (جو ہنوز غیر تحریری صورت میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی مجامیع میں منتشر ہے) کی تدوین نو کا جوکھم نہ لیا جائے یا یہ کہ اس کی افادیت و معنویت ختم ہوگئی ہے۔ ممکن العمل صورت یہ ہے (اور فطری بھی) کہ تمام مسلمانوں کے لیے کسی ایک تحریر پر اس کے اسلامی قانون ہونے کی مہر نہ لگائی جائے۔ ماضی کی مقتدر شخصیات اور فقہی دائروں کا احترام کرتے ہوئے عصر حاضر کے تقاضوں کے پس منظر میں کتابیں تحریر کی جائیں اور عقلی و نقلی استدلال کے ساتھ اخذ و استفادہ کی عمومی دعوت دی جائے۔ جبر اور طاقت کے استعمال کے ذریعہ کسی ایک کوڈ پر اسلامی قانون کی مہر ثبت کرنا غیر فطری عمل ہے۔

اس بات کے اعتراف میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آج پوری مسلم دنیا میں اسلامی قانون کی نہیں بلکہ اسلامی شریعت کی تدریس عملاً جاری ہے البتہ جو طلبہ ملکی قانون کے ساتھ شریعت کی تعلیم حاصل کررہے ہیں وہ زیادہ لائق اخذ و استفادہ ہیں اور عملاً یہی طبقہ اسلامی قانون کی تدوین

میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

## تدریس قانون اسلامی کی عالمی کوششیں:

تدریس کولاحق مسائل اور حل پر غور کرنے سے قبل ایک نظر ان کوششوں پر ڈالتے ہیں جو عصر جدید میں جاری وساری ہیں تا کہ ہندوستان میں اس پر رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ بیسویں صدی میں عالمی پیمانے پر تدریس قانون اسلامی کا رجحان بڑھا ہے ذیل کے سیمناروں کی فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلم وغیر مسلم تعلیمی اداروں میں قانون اسلامی کے اہداف کی ازسرنو تعبیر وتفہیم کے سلسلہ میں کافی پیش رفت ہوچکی ہے۔

1. The Conference on Comparative Law (Hague, 1937)
2. The International Jurists Conference (Hague, 1948)
3. UNESCO Seminar on Teaching Methodology of Law, (Cambridge, 1961)
4. The Seminar of the Principals and Deans of the Faculties of Law at the Arab Universities on the Teaching of Law (Aleppo, 1971)
5. the Association of the Arab Universities on Law Studies (Beirut, 1973)
6. Islamic Law in Nigeria: Application and Teaching (Sokoto, Nigeria, 1985)
7. SouthEast Asia Sharia Association 5th Conference on "The Education and Training of Sharia Judges and Lawyers" (Singapore, 26-28 February, 1988)

8. Harmonizing of Sharia and Civil Law (International Islamic University of Malaysia, Kaula Lampur, 19-21, October 2003

تفصیل کے لیے دیکھیے محمد خالد مسعود کا مقالہ:

Teaching Islamic Law and Ahariah: A Critical Evaluation of the Present and Prospects for the Future, Occasional Paper of Islamic Studies, No:61, Islamic Reserch Institute, Islamabad, 2005, p.8-9,

ان سیمناروں میں یہ سوالات اٹھائے گئے کہ قانون اسلامی کی تعلیم کا منہج کیا ہو، آیا عملی واستفادی (applied law) ہو یا سول لا کا ایک جز و ہو یا اسے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے اور سول لا سے اسے منسلک کر دیا جائے۔ (محمد خالد مسعود، حوالہ سابق، ص ۱۲)۔

ترکی میں تنظیمات نامی اصلاحی تحریک مغربی تہذیب اور نظریہ تعلیم سے متاثر تھی۔ ترکی میں ایک کوشش اسلامی قانون اور اسٹیٹ لا کے درمیان تعامل کی ہوئی لیکن علماء کرام نے اس کوشش کی مخالفت کی۔ بیسویں صدی کے آخری دہے تک یورپی انداز تحریر قانون اسلامی پر چھایا رہا جس کا مقصد محض علمی موشگافی تھی۔

ملیشیا میں اسلامائزیشن آف نالج کی لہر گذشتہ صدی میں تیز تر ہوئی جس کے نتیجہ میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی نے ایل ایل بی اور دیگر کورسز میں شریعت کی تعلیم کا حوصلہ مند آغاز کیا۔ ملک میں اگرچہ اسلامی قانون ہی لاگو ہے لیکن انگلش کامن لا اور یورپی سول لا کی گہما گہمی سے انکار مشکل ہے۔ ملیشیا میں ایک فاضل جج یا وکیل کے لیے لازمی ہے کہ وہ ملیشیا کے ملکی قانون، انگلش لا اور اسلامک لا سے بخوبی واقف ہو تا کہ عدلیہ کے امور کی انجام دہی بحسن وخوبی کر سکے۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی نے سول لا اور اسلامک لا کے درمیان توافق واتصال کی

کوششیں کی ہیں اور عرب ممالک کے اساتذہ کی معوثیت یا ملیشیا کے اساتذہ کی عرب ممالک کی یونیورسٹیز میں ٹریننگ کا با ضابطہ نظم کیا ہے۔

مصر کے جامعہ ازہر میں انٹرنیشنل لا الگ مضمون کی حیثیت میں نہیں پڑھایا جاتا، جامعہ ازہر کے شیوخ، ابو اسحق شاطبی کی الموافقات کو نہیں پڑھاتے ہیں۔ چنانچہ قاہرہ میں منعقد بعض سمیناروں کے ذریعہ پرزور طریقہ سے یہ بات اٹھائی جارہی ہے کہ فقہ کو ایک سائنسی مضمون میں تبدیل کرنے کی جدوجہد کی جائے کیونکہ ماضی کا متنِ فقہ از سرِ نو غور و فکر کا متقاضی ہے۔ ۱۹۹۶ء کے قاہرہ سمینار میں اس بات پر زور دیا گیا کہ فقہاء کرام کو کامرس، مینجمنٹ، لیگل ایڈ، ہیومن رائٹس، طبی اخلاقیات اور ماحولیاتی آلودگی کو بحث و تمحیص کا موضوع بنانا چاہیے، کیونکہ یہ مسائل عہد وسطی کے فقہی متون میں زیر بحث نہیں آئے ہیں۔ سعودیہ عربیہ میں فقہ کسی مخصوص مذہب کی بجائے سنت سے زیادہ قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلامک لا ایک نجی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے اور یونیورسٹیز میں یہ مضمون پرائیویٹائزیشن کا شکار ہو چکا ہے۔ پاکستان کا معاملہ دیگر مسلم ممالک سے کسی حد تک مختلف ہے۔ جب یہ ہندوستان کا حصہ تھا اس وقت شریعت کے رقبے کو صرف پرسنل لا یا رواجی قانون تک محدود کر دیا گیا تھا اور انگلش لا کی بنیاد پر اس کو اینگلو محمڈن لا کا نام دیا گیا تھا۔ برصغیر کے نوآبادیاتی دور میں مدارس اسلامیہ کی کوششوں کے نتیجہ میں افتاء وقضا کے کورسز کے ذریعہ تدریس قانون اسلامی کو باقی رکھا گیا۔ پاکستان میں ۱۹۸۰ء کے بعد جب کہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے معنیٰ وجود کو تسلیم کیا گیا، فیکلٹی آف شریعہ کے ماتحت اسلامی قانون کی تدریس کا عمل باضابطہ شروع کیا گیا۔ فیکلٹی آف لا میں اسلامی قانون کی تدریس ہر سطح پر جاری ہے۔ اسی طرح عدلیہ سے جڑے ہوئے جج اور وکلاء کے لیے دعوہ اکیڈمی میں بعض ڈپلوما کورسز کے ذریعہ بھی اس ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے محمد خالد مسعود کا مقالہ، حوالہ سابق، ص ۸-۲۸)۔

مذکورہ اسلامی/مسلم ممالک کے بالمقابل یورپ کے تمام ممالک میں تدریس قانون کا

منظم ومربوط نظام وہاں کی یونیورسٹیز میں جاری وساری ہے البتہ نقطۂ نظر کا فرق واختلاف اظہر من الشمس ہے۔چنانچہ برطانیہ میں ormrod(1971) اور Advisory Committee on legal Education and Conduct (ACLEC, 1996) کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہرین کی کھیپ تیار کرنے اور مہتم بالشان نیز اختلافی امور کو سمجھنے میں ان ممالک کے علماء/دانشوروں نے کس قدر جانفشانی سے کام کیا ہے۔قانون کی تدریس کا مقصد ان ممالک میں یہ ہے کہ قانون کو سماجی اور معاشی امور سے جوڑ دیا جائے تاکہ علاقائی ولسانی نیز مارکیٹ کے مسائل کو قانونی انداز میں حل کرنے کی تربیت حاصل کی جائے۔

## تدریس وتدوین قانون اسلامی: امکانی صورت حال:

گذشتہ بحث سے واضح ہوگیا کہ عصری ودینی جامعات میں تدریس کا عمل جاری تو ہے البتہ فقہ ابھی تک عملی مضمون نہیں بن سکا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ جغرافیائی، لسانی، تہذیبی، معاشرتی ومعاشی، علمی وسائنسی اور ٹکنالوجی کی ترقیوں کے باعث جو جدید مسائل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں انھیں تدریس اور پھر تدوین کے عمل میں مرکزی طور پر سبجیکٹ کا حصہ تصور کیا جائے۔ذیل میں تدریس وتدوین کے عمل میں حائل بعض موانع اور ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

### ۱-فقہی رواداری:

تدریس وتدوین کے ہر دو عمل کو قانون سازی کے ضمن میں پائیداری اسی وقت نصیب ہوسکتی ہے جب کہ امت کے تمام معروف فقہی دبستانوں سے بلا امتیاز وتفریق مدد لی جائے۔ اجتہاد کے عمل کو اختیار کرتے ہوئے قرآن وسنت سے زیادہ قریب اور حالات وزمانہ اور مصالح شرعیہ سے زیادہ ہم آہنگ جو مسلک بھی نظر آئے اسے ترجیح دی جائے چنانچہ اس عمل کے ذریعہ قرآن وحدیث کی بالادستی نہ صرف یہ کہ معروف دبستانوں کو فروغ اور قبول عام حاصل ہوگا، بلکہ اس رویے کے ذریعہ بے شمار فوائد حاصل ہوں گے مثلاً براہ راست مآخذ اصلی سے اخذ واستفادہ

کی فضا عام ہوگی، ملک وعلاقہ کے تمام معروف فقہی مکاتب فکر کی نمائندگی کی وجہ سے ان کا اعتماد حاصل ہوگا، مسلم معاشرہ فرقہ وارانہ تعصب سے نجات پا سکے گا، اور اجتماعی اجتہاد کا یہ عمل عصر حاضر کے تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے اسلامی قانون کو بہتر اور متبادل کے طور پر پیش کرنے میں کامیاب ہو سکے گا۔

## ۲-اتباع سلف صالحین:

عقل ونقل اور تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ ثابت شدہ امر ہے کہ ائمہ اربعہ کے پاس زمانی قربت کے باعث علم کا جو ذخیرہ موجود تھا وہ آج دستیاب نہیں ہوسکتا نیز یہ کہ اپنی بصیرت کا جو وافر حصہ انھیں ملا تھا اس کی ہمسری کوئی شخص، ادارہ یا زمانہ نہیں کرسکتا (غالباً تقلید پر شدت کی دیگر وجوہات میں سے یہ وجہ سب سے معقول ومضبوط ہے) دوسری طرف فقہاء ومحدثین اور علماء کرام نے سلطان وقت کے دھونس اور لالچ سے پہلوتہی اختیار کرتے ہوئے نیز ایثار وقربانیوں کی تاریخ رقم کرتے ہوئے جو بے آمیز تراث اسلامی ہم تک منتقل کیا امت اس سے قیامت تک جدا نہیں ہوسکتی چنانچہ ائمہ کرام کے اجتہادات سے صرف نظر کرتے ہوئے کوئی بھی انفرادی یا اجتماعی اجتہاد مستقبل میں مثمر ومفید نہیں ہوسکتا۔

## ۳-عصر حاضر اور غیر تعبیر شدہ مسائل:

فقہی متون اور فقہاء کرام کی کامیابی اور مقبولیت کا راز وقت کے مسائل کی آگہی اور انسانی معاشرہ سے جڑنے اور اسے آسانی فراہم کرنے سے وابستہ ہے۔ اپنوں اور غیروں کے اعتراض کا ایک مضبوط پہلو یہ بھی ہے کہ عہد وسطی کا فقہی متن آج کی معاشرت کے لیے غیر سودمند ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہ بات معلوم ہے کہ قانون سازی کے عمل میں بے شمار مسائل سے سابقہ پیش آئے گا جو بالکل جدید ہوں گے اور سائنس وٹکنالوجی کی ترقیات کے سبب معرض وجود میں آئے ہوں گے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے عالم اسلام کے مفتیان اور قضاۃ کی آراء کو یکجا کیا جائے

اورشریعت سے قریب تر آراء کو اختیار کیا جائے اور ان مسائل کے لیے جواب تک وقوع پذیری نہیں ہوئے ہیں جید علماء کی کمیٹی بنادی جائے تا کہ تدوین قانون کے ضمن میں ان سے مدد لی جاسکے، دوسری طرف سماجی علوم کے ماہرین، قانون اور طب کے باحثین سے اخذ واستفادہ اس عمل کے لیے دوسری لازمی شرط ہے کیونکہ عصری جامعات کے فارغین سے مدارس کے علماء کے مقابلہ میں Information سے مزین وآراستہ ہوتے ہیں۔

## ۴-عرف اور مصلحت:

قانون سازی کے عمل میں معاشرہ کے عرف اور مصلحت کو ہمیشہ ترجیحی طور پر برتا گیا ہے، اسلامی قانون کے تدوینی عمل میں یہ دونوں اصول سعادت، خوش بختی اور پائداری کی ضمانت لیتے ہیں چنانچہ ان کو برتنے کے نتیجہ میں اسلامی قانون عسر، تنگی، یک رخے پن اور شدت سے دور اور یسر، کشادگی اور پائداری ولچک سے آشنا ہوتا ہے۔

## ۵-نصاب تعلیم اور نظام درس وتدریس:

کالج، یونیورسٹی اور مدارس کی سطحوں پر بعض جرأت مندانہ اقدامات موجودہ جمود وتعطل اور مضرت رسانی کے ناسور کو نگلنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں، مثلاً یہ کہ مدارس ویونیورسٹیز میں حنفیت، اہل حدیثیت، شافعیت، مالکیت، بریلویت وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات کرنے کے بجائے قرآن وسنت کی اصطلاحات میں بات کی جائے، یہ فضا اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب کہ نصاب مدارس اور یونیورسٹیز میں فقہ مقارن کو شامل کردیا جائے، پاکستان میں ڈاکٹر محمود غازی (م ۲۰۱۰ء) نے الفقہ العولمی (Cosmopolitan Fiqh) کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی صلاح دی تھی جس کا مفہوم یہ ہے عالمی سطح پر تمام مسلمانوں کے لیے قرآن وسنت اور فقہاء کی آراء پر مبنی ایک کوڈ کو رواج دیا جائے جس کا نام اسلامی قانون ہو۔ (دیکھیے ماہنامہ الشریعہ کی خصوصی اشاعت بیاد ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے مختلف ابواب، جنوری فروری ۲۰۱۱ء، مرتب ابوعمار زاہد الراشدی، گوجرانوالہ، پاکستان)۔

نصاب ونظام تعلیم سے جڑی ہوئی یہ بات بھی اہمیت سے خالی نہیں کہ تدریس وتحقیق کے عمل میں طلبہ واساتذہ کی خارجی وباطنی تربیت پر توجہ دی جائے تاکہ ان کے اندر علمیت، سنجیدگی، کھلاپن، خود اعتمادی وخود احتسابی اور دوسروں کو برداشت کرنے کی اعلیٰ صفات پروان چڑھ سکیں، اسی طرح طلبہ کے اندر فیلڈ اسٹڈی کی عادت پروان چڑھانے کی فضا ہموار کی جائے کیونکہ اسلامی قانون دراصل سماجی، سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی اقدار میں پروان چڑھتا ہے اور برگ وبار لاتا ہے چنانچہ اسلامی قانون سے وابستہ طلبہ کے لیے سماجی علوم کی تدریس ضروری و لازمی ہے۔

مذکورہ تجاویز کے مطابق اگر رجحان سازی کی جائے تو مستقبل قریب میں تدوین کی راہ کی مشکلات پر قابو پانا آسان ہوجائے گا۔ ہمارے غور کا یہ پہلو بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ عالمی سطح کی منفی کوششیں جاری ہیں تاکہ اسلامی قانون کو مشکوک اور بے وزن بنا کر رکھ دیا جائے ایسے دور میں ٹھوس تحقیقی مقالات اور کتب کی تیاری کے لیے ایک ٹیم الحمدللہ فقہ اکیڈمی آف انڈیا کے نام سے سرگرم عمل ہے جس نے ۱۹۸۸ء سے اب تک ملک کے طول و عرض میں تمام مکاتب فکر کی نمائندگی کو یقینی بناتے ہوئے بیس عالمی سمینار کرانے میں سبقت حاصل کی ہے۔ عالمی سطح کے اوپر اور خود ہندوستان میں ایک خوش آئند پہلو یہ ابھرا ہے کہ نئے ایشوز پر سمینار اور قراردادوں کے ذریعہ اجتماعی اجتہاد کی فضا کو پروان چڑھایا جارہا ہے، چنانچہ سمیناروں کی روداد، مقالات اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں ان موضوعات پر تفویض کی جارہی ہیں جن کا تصور اس سے قبل نہیں تھا۔ چنانچہ ان اشغال و اعمال کے نتیجہ میں طب وصحت، مائکرو فینانس، ٹریڈ وکامرس اور ماحولیاتی آلودگی کے مسائل کو قانون اسلامی کا حصہ بناکر تحقیق و تدریس کا عمل جاری ہوچکا ہے۔

آئندہ صفحات میں جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا کہ ہندوستان کی سرزمین پر تدریس، تدوین اور تنفیذ کے امکانات کو تلاش کرنے کے لیے علی گڑھ اور پٹنہ کے دو عصری ودینی اداروں

کے نصاب ونظام کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے تا کہ فکر اور عمل کی روشنی میں بہتر صورت حال ہمارے سامنے نکھر کر آ سکے۔

## المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار-ایک تعارف:

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے بانی ادارہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد قاسمیؒ (م ۱۹۴۰ء) کی فکری بصیرت کے نتیجہ میں ہندوستان میں اسلام کے نظام اجتماعی کو از سر نو زندہ کیا گیا چنانچہ نظام قضا و قاضی کا تصور دھندلا ہو چکا تھا اس کو عملاً جاری کیا گیا۔

چوتھے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی قاسمیؒ (م ۱۹۹۱ء) نے نظم قضا کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا اور ملک کے مختلف مقامات پر کیمپوں کے ذریعہ نوجوان علماء، مدرسین اور اساتذہ فقہ وحدیث کو اس سلسلہ سے مربوط کرنے کی کوشش جاری فرمائی۔

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ وجھارکھنڈ کی عمارت ۱۹۹۸ء سے قبل دونوں کورسز (افتاء وقضا) کی کفیل تھی لیکن بوجوہ پھلواری شریف ہی میں امارت کے قریب المعہد العالی کے نام سے مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ (م ۲۰۰۲ء) کی زیر نگرانی ایک مستقل ادارہ قائم ہو چکا ہے، بانی ادارہ تحریر فرماتے ہیں: ''المعہد میں داخل ہونے والے فضلاء کی دو سالہ تعلیم کے دوران نہ صرف یہ کہ انھیں جدید مسائل کی تخریج اور پیش آمدہ مسائل کے حل وفتوی نویسی کی تربیت دی جاتی ہے بلکہ مختلف علمی وفقہی موضوعات پر تحقیق بھی کرائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے عدالتی نظام کے عملی طریقوں سے واقفیت کرانے کے ساتھ ساتھ قضاء کے مختلف مسائل کی نظری تعلیم اور عملی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ امارت شرعیہ کا نظام قضاء انتہائی مربوط ومنظم اور وسیع بنیادوں پر قائم ہے جہاں روزانہ نئے مقدمات کی سماعت اور فیصلے ہوتے ہیں اور اس کے پاس شرعی فیصلوں کا ۹۰ سالہ عظیم الشان فقہی ذخیرہ بھی محفوظ ہے جس سے یہ فضلاء فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا حق بجانب ہے کہ فقہ اسلامی میں تخصص اور قضاء و افتاء پر عبور حاصل کرنے کے لیے امارت

شرعیہ صحیح ترین جگہ ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہاں سے تربیت پا کر نکلنے والے علماء سے پورے ملک میں قانون شریعت کے تحفظ اور عائلی نزاعات کے حل کے لیے قائم ہونے والے دارالقضا کی ایک اہم ضرورت پوری ہوگی ......ساتھ ہی ملک کے مختلف دارالافتاء میں فتوی کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں گے......اور قانون اسلامی کو ایک زندہ قانون کی حیثیت میں آج کے حالات میں پیش کرنے کے لائق ہوں گے ان کی نظر مدارج احکام پر ہوگی اور وہ جدید سائنس وٹکنالوجی کی موجودہ ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے ہوئے شریعت کی تطبیق کے اہل ہوسکیں گے''۔ (مجاہد الاسلام قاسمی، تعارف ونصاب تعلیم، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء پھلواری شریف، پٹنہ، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۴-۳)۔

افتاء اور قضا در اصل قانون اسلامی کی توضیح وتعبیر اور پیش آمدہ واقعات کی تحقیق اور اس کے بعد اس پر احکام شریعت کی تطبیق کا وہ عمل ہے جو ہر دور میں جاری وساری رہا ہے۔ یہ تربیت صرف مقدمات کی عملی کارروائی اور چند فتاوی کے جوابات اور ایک دو کتابوں کی تدریس سے ممکن نہیں ہے۔ بلکہ پوری گہرائی کے ساتھ فقہ اسلامی اور اس سے متعلق ضروری فنون کا مطالعہ، بحث وتحقیق کے ذوق کی تخلیق، اہم مراجع کی طرف طلبہ کی رہنمائی، فقہی نقطۂ نظر سے احکام شریعت کے اساسی مصادر، ادب قضا اور اصول افتاء پر مستند کتب کا مطالعہ اور ان کاموں کی عملی تربیت کا مستقل عمل ایک اچھا مفتی اور قاضی پیدا کرسکتا ہے۔

مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے امارت شرعیہ کی زیر نگرانی المعہد میں جاری نصاب تعلیم کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- **اصول** کی حیثیت فقہ کے لیے کلید کی ہے ایک مسلمان مفتی/ قاضی کی نگاہ جب تک اس پر نہ ہو مسائل واحکام کے استنباط میں وہ صحیح رخ اختیار نہیں کرسکتا چنانچہ اس فن کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے فقہ حنفی کی ایک قدیم اصولی کتاب اور مختلف مکاتب فقہ کے اصول پر ماضی قریب کے معروف اور عمیق مفکر شیخ ابو زہرہ کی کتاب اصول الفقہ داخل نصاب کی گئی ہے۔

۲- **قواعد فقہ:** جس کو ہندوستان کے دینی مدارس کے مروجہ نصاب میں وہ اہمیت نہیں دی گئی ہے جو اس کا حق ہے۔ یہ شریعت کی کلیات اور دین کے مزاج و مذاق کی مظہر ہیں۔ فقہی جزئیات کا بہت بڑا حصہ اجتہاد و استنباط پر مبنی ہے جن میں تغیر احوال کی وجہ سے تبدیلی ہو سکتی ہے، لیکن یہ قواعد مستقل اور دائمی اصول ہیں۔ نصاب میں متعدد کتب، قدیم وجدید اہل علم کی شامل کی گئی ہیں مثلاً ابن نجیم مصری کی **الاشباہ والنظائر** اور عبداللہ (م ۹۵۲ء) کرخی کا رسالہ **فی الاصول**۔

۳- **اسرار شریعت:** اسلامی قانون کے صحیح ادراک کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اہداف ومقاصد واضح ہوں ورنہ بے خبری اباحیت کا راستہ کھولتی ہے اور کبھی بے جا تشدد اور تنگی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ مقاصد اسرار شریعت کو نصاب میں مستقل فن کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ البالغہ اور امام شاطبیؒ کی **الموافقات** کا **بالاستیعاب** مطالعہ کیا جاتا ہے۔

۴- **مختلف مذاہب فقہیہ کا مطالعہ:** اس غرض کے لیے نصاب کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ ایک قاضی و مفتی جان سکے کہ فقہی و اجتماعی مسائل میں کون کون سے مسائل محل غور وفکر بن سکتے ہیں اور کون سے مسائل وہ ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اس طرح کوشش کی گئی ہے کہ مذاہب اربعہ کو ان کے فقہی مراجع سے پڑھا جائے تاکہ مختلف مذاہب کی صحیح آراء اور ان کی تفصیلات پر نگاہ ہو جائے۔ مذاہب فقہ کا مطالعہ نہ صرف نگاہ میں بلکہ قلب ونظر میں وسعت بھی پیدا کرتا ہے۔ متعدد کتب اس فن کی شامل نصاب کی گئی ہیں۔ مختصر الطحاوی (حنفی)، الثمر الدانی (مالکی)، متن ابی الشجاع (شافعی)، الروض المربع (حنبلی) اور ابن ھبیرہ کی **الانصاح** / بدایۃ المجتہد **لابن رشد** قرطبی۔

۵- **آیات احکام واحادیث:** نصاب میں یہ بھی ملحوظ ہے کہ چونکہ کتاب وسنت ہی احکام شریعت کے مصادر اساسی ہیں اس لیے آیات احکام اور احادیث احکام پر اہم کتابیں طلبہ کی نظر سے گذر جائیں اس مقصد کے لیے امام جصاص اور ابن عربی کی احکام القرآن اور نصب

الرایہ کے منتخب ابواب مذکورکونصاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

۶- **مجلات مجمع الفقہ الاسلامی کا مطالعہ:** ان کتابوں اورتحریروں پر نگاہ ضروری ہے جو عصر حاضر کے جدید پیدا شدہ مسائل کے حل کے لیے لکھی گئی ہیں، گذشتہ ادوار میں بھی ایسی تحریریں اہل علم کے لیے مرکز توجہ رہی ہیں جو نوازل کہلاتی ہیں۔عصر جدید میں بھی مختلف اکیڈمیوں نے اس ضمن میں علمی موادتحریر کیا ہے، ان کی ابحاث زیورطبع سے آراستہ ہوچکی ہیں جنہیں داخل نصاب کیا گیا ہے تا کہ پوری وسعت کے ساتھ ایک مسئلہ پر مختلف نکتہ ہائے نظر مفتیوں اور قاضیوں کے سامنے آجائیں۔جدہ اور ہندوستان میں مجلات مجمع الفقہ الاسلامی کے نام سے جو کتابیں شائع شدہ ہیں،انھیں نصاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

۷- **احوال شخصیہ:** فقہ اسلامی کا نہایت اہم شعبہ ہے اور مسلم مملکت ہو یا مسلمان اقلیت میں ہوں، بہرصورت وہ سماجی زندگی میں احکام شریعت کے مکلّف ضرور ہیں۔اسلام کا قانون معاشرت فطرت انسانی سے حد درجہ ہم آہنگ ہے۔آج دنیا کا کوئی قانون نہیں جس نے اس شعبہ سے خوشہ چینی نہیں کی ہو،لیکن بدقسمتی سے آج مغرب کے اہل علم نے قانون اسلامی کے اسی شعبہ کو ہدف تنقید بنایا ہے۔برصغیر ہندو پاک میں غالب اکثریت احناف کی ہے اس لیے ان ملکوں میں فریضہ قضاء و افتاء انجام دینے کے لیے فقہ حنفی پر عمیق و وسیع نظر ضروری ہے پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معاملات اور احوال شخصیہ میں فقہ حنفی اس زمانہ کے تقاضوں سے قریب تر ہے اس لیے فقہ حنفی سے معاملات اور احوال شخصیہ کے اہم ابواب سبقاً سبقاً داخل نصاب ہیں چنانچہ شیخ ابوزہرہ کی الاحوال الشخصیۃ اور محمد مصطفیٰ شلبی کی احکام الاسرۃ فی الاسلام کو خصوصی طور پر داخل نصاب کیا گیا ہے۔

۸- **ادب قاضی** ایک وسیع الاطراف موضوع ہے اور اس پر ایک مکمل کتب خانہ وجود میں آچکا ہے۔معہد میں اس موضوع کی نہایت اہم اور مستند کتابیں درس ومطالعہ کے لیے منتخب کی گئی ہیں۔قانون شہادت، احکام قضاء کا نہایت اہم حصہ ہے جس پر واقعات کے ثبوت کا مدار

ہے اور دور جدید میں مروج قانون شہادت اسلام سے بہت کچھ مختلف ہے اس لیے اسلام کے قانون شہادت اور آج کے مروج مغربی قانون شہادت کے تقابلی مطالعہ کو بھی شامل نصاب کیا گیا ہے۔اس مقصد کے لیے امام ماوردیؒ کی ادب القاضی کو نصاب میں شامل رکھا گیا ہے۔

۹- **عملی مشق ومہارت:** قضا وافتاء کے کام میں صرف درس ومطالعہ کافی نہیں، عملی مشق اور تجربہ ضروری ہے۔امارت شرعیہ کا دارالقضاء پورے ملک میں نظام قضاء کا بڑا مرکز ہے جہاں ہر سال مختلف نوعیت کے سیکڑوں مقدمات آتے ہیں، روزانہ سماعت ہوتی ہے اور فیصلے ہوتے ہیں نیز امارت کا دارالقضاء ملک کے ان دوتین دارالافتاء میں ہے جہاں سب سے زیادہ ملک کے مختلف علاقوں سے اور مختلف نوع کے سوالات آتے ہیں، اس سے استفادہ کرتے ہوئے عملی تدریب کے لیے بھی خاصا وقت دیا گیا ہے۔افتاء کے پہلے سال میں کم ازکم ڈیڑھ سو نئے مسائل کا استخراج کرنا ہوتا ہے اس طرح قضا والے سال آخر میں سو(۱۰۰)عدد فیصلہ شدہ قضایا کا مطالعہ اور اس کا خلاصہ تیار کرنا ہر طالب علم کے لیے ضروری ہوتا ہے۔امارت شرعیہ کے دارالقضا کی ابتدائی کارروائی سے لے کر فیصلہ سنائے جانے تک کی عملی مشق بہم پہنچائی جاتی ہے۔اسی طرح سال دوم میں سو صفحات پر مشتمل ایک وقیع مقالہ کسی فقہی عنوان پر لکھ کر جمع کرنا ہوتا ہے یا کسی اہم مخطوطہ کے پچیس صفحات پر تحقیقی کام کرنا شامل نصاب ہے۔☆

۱۰- **علمی وفقہی محاضرات کی مجلسیں** معروف اساتذہ علم وفن کے ذریعہ منعقد ہوتی رہتی ہیں۔لکچرز کے ذریعہ اعتراضات اور شبہات کے ازالے کے علاوہ اہم موضوعات پر وقتاً فوقتاً مجلسیں منعقد ہوتی رہتی ہیں اور ان محاضرات میں علوم اسلامیہ کے ماہرین کے علاوہ وکلاء اور ججز سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

۱۱- **انگریزی زبان کی تدریس:** مدارس کے فارغین کو انگریزی زبان پر اس قدر عبور ہونا لازمی ہے کہ اسلامی قانون اور متعلقات پر فقہی مباحث نیز اعتراضات کو سمجھ سکیں۔اسی طرح کمپیوٹر کے ذریعہ انٹرنیٹ کو استعمال کرکے اخذ و استفادہ کے لائق بن سکیں دونوں طرح کی

ٹریننگ کے لیے اساتذہ اور لیب کی سہولت فراہم کی گئی ہے تاکہ مفتیان اور قضاۃ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوسکیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری، رہنمائے قاضی، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء پٹنہ، ۲۰۰۹ء کے مختلف ابواب)۔

## علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا شعبہ قانون-نظام ونصاب کا مطالعہ

گذشتہ صفحات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تدریس، تدوین اور تنفیذ قانونِ اسلامی کے سلسلہ میں المعہد اور اس جیسے اداروں کو خصوصی توجہ کا مرکز بنانا چاہیے اگرچہ تنفیذ قانون اسلامی کا عمل ہنوز خاصا دشوار بلکہ ناممکن جیسا ہے۔

عصر جدید نے قانون کی دنیا میں دیگر شعبوں کی مانند خاطر خواہ ترقی کی ہے۔ ہندوستان میں عصری قانون کے تجزیہ کے لیے مسلم یونیورسٹی کے شعبہ قانون کے انتخاب کی ایک وجہ یہ ہے کہ سرسید کے ذریعہ ۱۸۹۱ء میں قائم ہونے والا یہ شعبہ مسلم قانون کے سلسلہ میں بعض اہم انتظامات و اقدامات کا حامل ہے۔ چنانچہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے والا طالب علم وکالت کی دنیا میں قانونِ اسلامی کے مآخذ، اختلافات فقہاء اور دیگر امور سے کسی حد تک واقف ہوجاتا ہے۔ پانچ سالہ وکالت کا کورس مکمل کرنے کے بعد اگر کوئی طالب علم ماسٹر ڈگری کا کورس کرنا چاہتا ہے تو شعبہ میں چار سمسٹر پر مبنی دو سالہ ایل ایل ایم کے کورس میں پھر اسے اختصاصی طور پر اسلامی قانون میں مہارت حاصل کرنے کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ مزید خوش آئند بات یہ ہے کہ جس طرح دیگر مذاہب (ہندو، عیسائی وغیرہ) میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی جاتی ہے مسلم قانون کے کسی بھی عنوان کو یہاں موضوع بنا کر کوئی بھی طالب علم ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرسکتا ہے۔ شعبہ کی اس رواداری کی ستائش ہونا چاہیے کہ ایک غیر مسلم بھی اگر اسلامی قانون کے کسی گوشے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنا چاہے تو شعبہ قانون علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پوری فراخدلی سے اسے پی ایچ ڈی میں داخلہ دے گا۔ رواداری کی دوسری بڑی مثال یہ ہے کہ پانچ سالہ کورس کے درمیان مسلمان، ہندو، سکھ، یا عیسائی

طالب علم کے لیے تمام مذاہب کا مطالعہ لازمی ہے۔ ایک مسلمان طالب علم کے لیے دیگر مذاہب کے قانون کا مطالعہ لازمی طور پر کرنا ہوتا ہے، تا کہ ایک مسلمان وکیل ہندوستان میں معاصر مذاہب کے قوانین سے اچھی طرح واقف ہو سکے۔

## پنج سالہ نصاب برائے وکالت کورس کی مختصر جھلکیاں:

پانچ سالہ (Integrated) کورس کا نفاذ یو جی سی کی جانب سے (B.A.LL.B (HONS) کے نام سے ۱۹۹۷ء میں ہندوستان کے تمام لا کالجز میں نافذ العمل ہوا ہے۔ اس سے قبل تک تین سالہ L.L.B کورس نافذ العمل تھا۔ پہلے بی اے کی سند کے ذریعہ داخلہ ملتا تھا لیکن اس پانچ سالہ جدید نظام میں بارہویں کے بعد تحریری مقابلہ کے ذریعہ داخلہ ممکن ہوجاتا ہے۔ اس طرح ایک مسلمان وکیل (۱۰+۲+۵=۱۷) سالہ کورس کے ذریعہ ہندوستان کے قانونی اداروں (ضلع، ریاست، مرکز) میں باضابطہ ملازمت کا اہل ہوجاتا ہے۔ گویا وہ اپنی زندگی کے بائیسویں/تیسویں سال میں اس شعبے سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد روزگار تلاش کرنے کا مجاز ہوجاتا ہے۔

ایل ایل بی پروگرام ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں Bar Council of India (BCI)، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (U.G.C) اور Curriculum Devlopment Center (CDC) کی کوششوں کے نتیجہ میں نافذ العمل ہوا۔ اگر چہ ۱۹۶۱ء Advocate Act سے ہی آزاد ہندوستان میں قانون کی تدریس کا باضابطہ نفاذ جاری وساری ہے۔

ایل ایل بی پروگرام کے مقاصد CDC رپورٹ باب چہارم میں منضبط طور پر بعض اہم پہلوؤں کی نشان دہی کی گئی ہے جس کی بعض جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

۱- ظلم کا ہرجانہ دلوانے کی صلاحیت پیدا کرنا

۲- مردوزن کے درمیان عدل کا قیام کرنا

۳- آراضی زمین میں اصلاحات کا جائزہ لینا

۴- عدالتی قوت وطاقت اور کارروائی کے عمل کی معرفت پیدا کرنا

۵- معذوروں کے لیے قانونی تحفظات کی نشان دہی کرنا

۶- حقوق انسانی کی بحالی اور نفاذ کے طریقے

۷- امن عامہ اور بدون اسلحہ زندگی گذارنا

۸- تعلیم کا نظام، منصوبہ بندی اور قوانین

۹- قانونی پیشہ اور وکالت کی اخلاقیات

۱۰- صحت عامہ کے قوانین

۱۱- قانونی پیشہ میں دسترس کے مسائل، حکمرانی، جمہور کی حصہ داری اور قانونی ادارے

۱۲- قانون اور عام خدمتگاران

۱۳- قانون سازی کی عملی مشق

۱۴- اجتماعی یا مشترکہ سرمایہ کاری کی جدوجہد

۱۵- غیر منظم محنت اور قانون

۱۶- ٹیکس پالیسی اور منصوبہ بندی

۱۷- سماجی ومعاشی جرائم

۱۸- اجارہ داری اور قبضہ سے متعلق قوانین

۱۹- عوامی قحط، ناگہانی آفات

۲۰- جنگلات اور قانون

مذکورہ بالا رہنما خطوط کو سامنے رکھ کر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جن کورسز کی اجازت دی ہے ان سب کا مطالعہ اس مقالہ میں مشکل ہے البتہ بعض عنوانات اور ان کی روشنی میں امتیازات کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

سال اول، اول ششماہی: (۱) تاریخ ہندوستان (قدیم) (۲) اصول سیاسیات، (۳) معاشیات (۴) سماجیات (۵) قانونی منہاج واسلوب (۶) انگریزی زبان وادب۔

سال اول، دوسری ششماہی (۱) تاریخ ہندوستان عہد وسطی اورعصر جدید (۲) علم سیاسیات: افکار ونظریات (۳) علم معاشیات اصول ونظریات (۴) علم سماجیات، اصول ونظریات (۵) قانونی معاہدہ وقرارنامہ (Contract) (۶) انگریزی زبان وادب کی اعلی لیاقت۔

سال دوم، اول ششماہی (۱) فقہ اسلامی (۲) ہندوستان کے فوجداری قوانین (۳) ہرجانہ وحق تلفی کا قانون (Tort) (۴) قانونی معاہدہ و قرارنامہ (۵) آئینی قانون (Constitutional Law) (۶) انگریزی زبان وادب کی اعلی لیاقت۔

سال دوم دوسری ششماہی (۱) اسلام کا شخصی قانون (۲) ہرجانہ وحق تلفی کا قانون (۳) دستوری قانون (۴) تجارتی قانون (Mercantile) (۵) فوجداری قوانین (۶) انگریزی زبان وادب۔

سال سوم، پہلی ششماہی (۱) اسلام کا ملکی قانون (۲) ہندو قانون (۳) شہادت کا قانون (۴) اصول قانون اور فقہ (۵) کمپنی لا (۶) عوامی عالمی قانون (Public Internationаl Law)۔

سال سوم، دوسری ششماہی (۱) دیوانی معاملات اوراسکے حدود (CivilProcedure & Limitation) (۲) ہندو قانون (۳) قانون شہادت (۴) لیگل تھیوری یعنی دستوری تھیوری (۵) انتظامی قوانین (Administrative Law) (۶) عوامی عالمی قانون۔

سال چہارم، پہلی ششماہی: (۱) دیوانی اعمال کا قانون (Civil Procedure Code) (۲) محنت کا قانون (۳) پراپرٹی ٹرانسفر کا ایکٹ (۴) عالمی پراپرٹی حقوق (۵) اترپردیش آراضی قانون (۶) بینکنگ اورانشورنس (۷) جرائم اورتعزیرات (Criminology

(& Penology)(۸)ٹیکس کے قوانین۔

سال چہارم، دوسری ششماہی (۱) فوجداری اعمال کے قوانین(۲) محنت کا قانون (۳) پراپرٹی ٹرانسفر کا ایکٹ(۴) ماحولیاتی قانون (۵) عالمی تجارت کے قوانین (۶) عورتوں سے متعلق قوانین (۷) صارفین سے متعلق قوانین۔

سال پنجم، پہلی ششماہی: (۱) فوجداری اعمال کے قوانین (۲) ہیومن رائٹس کے قوانین (۳) تصفیہ کا متبادل نظام (Alternative dispute redressal)(۴) میڈیا اور قانون (۵) قانونی چارہ جوئی (Legal Remedies) (۶) دعوی/ جواب دعوی پیش کرنا، کیس لکھنا، اور خیالات کو مؤثر بنا کر پیش کرنا (Pleading Drafting and Conveyancing)۔

سال پنجم کی دوسری ششماہی: (۱) مدون قانون کی تعبیر وتشریح (Statutes) (۲) پیشہ وکالت کی اخلاقیات (۳) دعوی/ جواب دعوی پیش کرنا، کیس لکھنا اور خیالات کو مؤثر بنانا (۴) عوام کے مفاد کی وکالت یہ عمل مشکل ہے جس کی تین شکلیں ہیں: (الف) Legal Literacy) قانونی شعور (ب) مختلف معاملات کی رپورٹ کا مطالعہ (Case Comment) (۳) لوک عدالت کی جانکاری (۵) مقامی قانون (۶) تصفیے کی عدالت اور اس کی عملی تربیت (Moot Court)۔

اے ایم یو شعبہ قانون میں فی الوقت جاری پنج سالہ کورس برائے وکالت کے ذریعہ ایک مسلمان وکیل کورس کے اختتام یعنی اپنی زندگی کے بائیسویں/تیئسویں منزل پر قدم رکھ رہا ہوتا ہے۔اس عمر میں شعبہ قانون مسلم یونیورسٹی کے ذریعہ تریسٹھ (۶۳) الگ الگ موضوعات پر مقتدر شخصیات سے لکچر کے ذریعہ استفادہ کرنے کا اسے موقع میسر آجاتا ہے۔ہر کورس پانچ یونٹوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر پیپر میں کم از کم دس کتب پڑھنے کی سفارش کی جاتی ہے انہی کتب

کے مطابق اساتذہ کلاسز میں اظہار خیال بھی کرتے ہیں۔ اس پورے عہد میں سیمناروں، ڈبیٹ، کلچرل/علمی مقابلے اور ڈزرٹیشن کے علاوہ پسماندہ علاقوں میں جا کر عوام کو باخبر کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ ہندوستانی عدالتی نظام سے جاری ہونے والے فیصلوں کا مطالعہ بھی نصابات کا اہم جزو ہیں۔شعبہ کے لا جرنل میں طلبہ اپنی تحقیقات بھی شائع کرانے کی آزادی رکھتے ہیں۔

تجاویز ومشورے:

المعہد العالی اور شعبہ قانون کے نصاب و نظام تعلیم کے تجزیے سے دونوں مقامات کے حسن و قبح سے واقفیت ہوجاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علماء ذی وقار کی کاوشیں اسلامی قوانین کی تدریس وتدوین میں بجاطور پر ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں، حکومتی سرپرستی کے بغیر بلکہ حکومتی مداخلت و دشمنی کی فضا میں شریعت اسلامی کی حفاظت اور اس کی تبلیغ وترسیل بجائے خود قابل رشک عمل ہے۔دوسری طرف سیکولر جمہوری نظام میں یو.جی.سی کے رہنما خطوط کے اندر رہتے ہوئے مسلم قانون کے قابل لحاظ حصے کو تدریس کا لازمی جزو بنائے رکھنا اور ان موضوعات پر اعلیٰ ڈگریوں کی تفویض کے عمل کو جاری رکھنا مسلم یونیورسٹی کا قابل تقلید کارنامہ ہے۔تاہم ان خوش گوار حقیقتوں کے ساتھ بعض تلخ حقائق کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اصلاح کا عمل آگے بڑھ سکے۔

۱- سب سے پہلی بات یہ کہ مدارس اسلامیہ کا فاضل جو مفتی/ قاضی بنتا ہے اسے ہندوستان میں رہ کر کسی علاقے میں اپنے کورس/تربیت کو عملی طور پر ظاہر کرنا ہے عالمیت اور پھر فضیلت کے بعد ان دوسالہ کورسز کے بعد اس کے اندر قیادت کا زعم فطری طور پر ابھرتا ہے۔ یہاں قابل توجہ اور لائق اصلاح پہلو یہ ہے کہ وہ ہندوستان کو علمی طور پر سمجھنے سے قاصر ہے۔ افتاء اور قضا سے قبل عالمیت وفضیلت کے تفصیلی نصاب کو بھی اس کی ہندوستانی معلومات کے لیے معاون نہیں مانا جاسکتا ہے کیونکہ ہنوز وہ Indology سے ناواقف ونابلد ہی رہتا ہے۔ ہندوستان کی قدیم،

عہد وسطی اور عصر جدید کی تاریخ سے یکسر عدم آگہی احتساب اور عدل وانصاف کی تفہیم اور اس کے احیاء میں بہت بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ دوسری طرف علم سماجیات کے مطالعہ کے ذریعہ ہندوستانی تہذیب، قبائل، رسوم وعادات اور زبان کی واقفیت حاصل ہوسکتی ہے، جو پورے طور پر اسلامی قانون کے تدریسی عمل میں عنقا ہے، چنانچہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے لیے مفید ہونے کی بات تو درکنار خود وسیع الجہات علاقوں میں بسنے والی مسلم اقلیت کے علاقائی مسائل سے بھی عدم واقفیت کی فضا پائی جاتی ہے۔

۲- مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام مثلاً ہندو، عیسائی وغیرہ کے قوانین تحریری شکل میں مدون ہیں، اگر چہ وہ بہت محدود ہیں کیونکہ ان کے یہاں دین کا وہ جامع تصور نہیں ہے جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ ہندوستان میں تدریس، تدوین اور پھر تنفیذ: تینوں سطحوں پر اسلامی قانون عجیب وغریب مخمصے کا شکار ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین کے بعد تحریری شکل میں مدون کرنے کی فکر کا سراغ لگتا ہے اور کہیں کہیں کامیابی کے وقتی منارے بھی نظر آتے ہیں لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ سراب کی شکل اختیار کرتے چلے گئے۔ یہاں ایک محقق کو یہ سوال کرنے کا حق ملنا چاہیے کہ غیر تحریری قانون ودستور کی غیر مستحکم صورت حال کے باوجود، تحریری مدوینی کاوشوں کی حوصلہ افزائی اور اقدام کو عام کیوں نہیں کیا جاتا؟ گذشتہ بحث سے واضح ہو چکا ہے کہ تحریری اور تدوینی کاوشوں نے امت مسلمہ کے اتحاد واستحکام کو ضمانت دی ہے اور امت دوسروں کے لیے نفع بخش ثابت ہوچکی، جب کہ غیر تدوینی حالات میں خود امت کا اندرونی اختلاف اس کے اتحاد کے لیے وبال جان بنا ہوا ہے۔

۳- اسلامی قانون کا مستقبل اور اس کی تابناکی اپنی جگہ مگر عصر حاضر میں اس کی معنویت کا لفظ ہمیں سوچنے پر مجبور کررہا ہے کس وجود کی معنویت تلاش کی جارہی ہے؟ جب اسلامی قانون ہندوستان کی سطح پر موجود ہی نہیں ہے تو اس کی معنویت اپنوں اور بیگانوں کے لیے بے سود ہے۔ محمد بن قاسمؒ کی آمد سے آج تک امت اسلامیہ ہندیہ کو اس مقام پر ہونا چاہیے تھا کہ

یہاں ہندو، عیسائی، سکھ، قانون کی دنیا میں مسلم قانون کا مطالعہ وموازنہ کرتے۔معدودے چند مقالات، کتابچے اور کتب نے قانون کی دنیا میں محض چند موضوعات کا استیعاب کیا ہے، جسے مسلم خدمت(Contribution) کہا جاسکتا ہے۔

ہمارے دارالافتاء، دارالقضا اور مدارس میں معاصر مسائل کے مطالعہ اور ان میں اسلام کی رہنمائی دینے کا ذوق بالعموم پروان نہیں چڑھ پاتا۔آغاز اسلام سے آج تک ایک مفتی اور قاضی کا مطلب صرف یہی سمجھ لیا گیا کہ وہ شریعت کے نصوص کا ماہر ہوگا یہ کوشش بلاشبہ مستحسن ہے لیکن اسلامی قانون کی معنویت اسی وقت دوسروں پر واضح ہوسکے گی جب کہ معاصر مسائل میں دلچسپی لی جائے، مثلاً یہ کہ آج ماحولیاتی آلودگی اور عالمی تجارت میں گلوبلائزیشن،قومیت اور پرائیویٹائزیشن کے تصورات نے مسائل کو انتہائی سنگین کردیا ہے اب جب کہ ہمارا مفتی/ قاضی مذکورہ علوم سے بھرپور آگہی حاصل نہیں کرلیتا ان اداروں سے عدم آگہی، اسلامی قانون کی معنویت کوکاری ضرب لگاتی رہیں گی۔

۴-المعہد کے نصاب ونظام میں بانیان کی بصیرت کا واضح الفاظ میں ثبوت ملتا ہے، سائنس ٹکنالوجی کی ترقیات سے پیدا ہونے والے جدید مسائل کے حل کے لیے راسخین فی العلم کی تیاری کا خاکہ مستحسن ہے جیسا کہ معہد کے تعارف میں ذکر ہوچکا ہے، اس منصوبہ کی حصولیابی کی چند شکلیں اگر اختیار کی جائیں تو بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔مثلاً یہ کہ ہندوستان کے معروف دارالافتاء و دارالقضاء کے طلبہ کی انگریزی کی صلاحیت اس قدر پروان چڑھادی جائے کہ وہ ہندوستانی قانون (پوری تفصیل کے ساتھ جس کا ذکر اے ایم یو کے شعبہ قانون کے ضمن میں آچکا ہے ) کا مطالعہ خود کرسکیں۔دوم یہ کہ ان مفتیان وقضاۃ کو ڈپلوما/ ماسٹر ڈگری میں داخلہ دلانے کی اعلیٰ سطحی کوشش کی جائے۔امارت شرعیہ کے قیام سے آج تک میرے علم میں اس طرح کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔اورسوم یہ کہ مسلم یونیورسٹی کے ماہرین قانون کو ہر ماہ پانچ دنوں کے لیے مدعو کیا جائے اور ان سے ان پانچ ایام میں کم ازکم بیس لکچرز کرائے جائیں۔اس طرح آٹھ ماہ

کے تعلیمی سیشن میں ایک سوساٹھ (١٦٠) محاضرات کرائے جاسکتے ہیں۔ چوتھی تجویز یہ ہے کہ پورے ہندوستان کے ریٹائرڈ وکلاء/جج کی ایک ڈائرکٹری بنائی جائے (جس میں مذہب کی کوئی قید نہ ہو) پھر ان کی خدمات حاصل کی جائیں اور ہندوستانی عدالتی نظام کی تفصیلات جاننے کی کوشش کی جائے۔ سوال وجواب، سمعی وبصری آلات، رسائل وکتب کا تبادلہ اور انٹرنیٹ وغیرہ کا استعمال اس پورے عمل کو مفید بناسکتا ہے۔

یہ دونوں عمل مشکل ضرور ہیں تاہم ناممکن ہرگز نہیں، اگر آج کا سیمینار اپنی قرارداد میں اس تجویز کو منظور کرلیتا ہے تو یہ عمل دوررس اثرات کا حامل ہوگا۔

۵- ماہرین قانون اسلامی کی تیاری امت کی عصری ضرورت بھی ہے۔ چنانچہ ایک طرف مفتیان وقضاۃ کو تاریخ ہندوستان، علم سیاسیات، علم معاشیات اور سماجیات کے ساتھ ساتھ انگریزی کی اچھی استعداد کے لیے چند گھنٹیاں مختص کی جائیں اور علوم شرعیہ کی چند گھنٹیاں کم کردی جائیں۔ یہ عمل قانون اسلامی کی عصری معنویت کو تندرست وتوانا کرے گا۔ دوسری طرف معروضیت اور تقابلی مطالعہ کا ذوق بھی پروان چڑھے گا۔

٦- ہندوستان گیر سطح پر مسلم طلبہ جولا کالجز میں ڈگریاں حاصل کرلیتے ہیں وہ امت کا قیمتی اثاثہ ہیں ان کی تربیت کی فکر کرنا بھی دینی ضرورت ہے، چنانچہ المعہد اگر ہمت کرے تو ایک ڈپلوما کورس عصری جامعات کے فارغین کے لیے شروع کیا جاسکتا ہے۔ اس کورس کے ذریعہ دو طرفہ استفادہ مقصود ہے اول یہ کہ انہی طلبہ کے ذریعہ عصری ضروریات کی تکمیل بھی ہوسکتی ہے (یعنی عصری دانش گاہوں کے اساتذہ کے ذریعہ محاضرات کا مسئلہ) دوم یہ کہ عصری جامعات میں مغربی تصوراتِ تعلیم کا طلسم جہاں ایک طرف ٹوٹے گا وہیں دوسری طرف مسلم وکیل کو اسلامی احکام وقوانین کا بالاستیعاب علم حاصل ہوگا، کیونکہ مسلم وکلاء جنھیں علی گڑھ لا کالج کے نصاب سے استفادہ کا موقع نہیں ملتا وہ بھی عائلی قوانین کے موٹے موٹے مسائل، اصطلاحات اور مفاہیم کی تشریح کا حقیقی شعور نہیں رکھتے۔ تیسری بات یہ کہ یہ ڈپلوما تمام وکلاء/جج، ہندو مسلم، سکھ، عیسائی

کے لیے یکساں طور پر پرکشش بنایا جائے۔ اس عمل کے ذریعہ جہاں ایک طرف فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور رواداری کی فضا قانون کی دنیا میں پروان چڑھے گی، وہیں دوسری طرف غیر مسلم وکلا/جج کی بعض انتہائی اہم الجھنیں دور ہوں گی اور اس کا راست فائدہ ان مستغیثین کو ملے گا جو وکلا/جج کی علمی نارسائی یا عدم واقفیت کے نتیجہ میں اکثر وبیشتر ان فیصلوں کے ذریعہ ظلم کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

☆☆☆

# موجودہ عہد میں اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کی معنویت

مفتی ارتقاء الحسن رقی کاندھلوی ☆

" اسلامی قانون حدود وتعزیرات اور وضعی قوانین کا تقابلی مطالعہ کرنے والا اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلامی قانون انسانیت کی فلاح وبہبود اور سوسائٹی کے امن وانتظام کا کام انسان کے خود ساختہ قوانین کے مقابلے میں کہیں بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے، اس حقیقت کی اہمیت اس دور میں اور زیادہ ہوجاتی ہے جب قانون کے ہوتے ہوئے لاقانونیت کا دور دورہ ہے اور عدالتوں سپاہیوں جیل خانوں کی کثرت کے باوجود جرائم کی تعداد میں روزبروز اضافہ ہورہا ہے۔

گرچہ عام خیال یہ ہے کہ اسلامی قوانین خاص کرتعزیری قانون کا معیار وضعی قوانین کے مقابلے میں گراہوا ہے، لہذا نہ تو یہ آج کے ترقی یافتہ معاشرہ کے تقاضوں سے میل کھاتا ہے، نہ ہی دورحاضر میں اس کا نفاذ ممکن ہے، لیکن اس فاسد خیالی کی اساس اسلامی قانون کی روح اور بنیاد سے ناواقفیت اور سوسائٹی کے مصالح اور مفاسد کی غلط تشریح کے سوا کچھ نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اصول کی پختگی کے باوصف اسلامی قانون کی لچک حیرت انگیز طور پر عصری تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کی کروٹوں میں جدید دور کا نیا سے نیا نظریہ وخیال موجود نظر آتا ہے۔

اسلامی اور وضعی دونوں قوانین کے تفصیلی اور تقابلی مطالعہ کے بعد عبدالقادر عودۃ لکھتے ہیں:

---

☆ مفتی مالیرکوٹلہ پنجاب۔

"من كان يظن أن عقوبات الشريعة ونظرياتها لا تصلح للعصر الحديث فلعله أن يستبين مما تقدم ومما سيجئ أن عقوبات الشريعة ونظرياتها هى ألزم الأشياء لهذا العصر الحديث"(۱)۔

نیز اسلامی قانون کے اصول نظریات کے تعلق سے لکھتے ہیں:

وقد أدهشتنى أنى لم أجد قضاء أوحكماً أوتشريعا إسلاميا إلا روعيت فيه المبادى والنظريات الجنائية الحديثة التى قيل لنا فى المدارس أنها من ابتداع القوانين الوضعية وأن العالم لم يعرفها إلا فى القرن التاسع العشر على إثر الثورة الفرنسية۔(۲)

یہاں مشہور محقق احمد موافی کی یہ شہادت بھی اہمیت رکھتی ہے:

وكنت أزداد إيمانًا بعظمة الفقهاء عند اختلاف الرائ بينهم فى المسئلة الواحدة وأرى أن ذلك يدل على سعة الأفق وعمق الفهم بل هو أمر يدل على ما تمتاز به الشريعة الإسلامية من مرونة و خصوبة وأنها بهذه الخصوبة وتلك المرونة تكفل دائما حركةً تشريعية متجددة متطورة فهى ليست شريعة جامدة وإنما هى شريعة صالحة تلائم البيئات المختلفة وتساير الأزمنة المتعاقبة"(۳)۔

دورحاضر میں اسلامی قانون حدود وتعزیرات کی معنویت سمجھنے سے پہلے یہ جاننا ازبس ضروری ہے کہ اسلامی قانون کن امور کو سوسائٹی کے مصالح یا مفاسد تصور کرتا ہے اور کیا زمانہ حال میں ان کی اہمیت اسی طرح باقی ہے جس طرح چودہ سو سال پہلے سمجھی گئی تھی، ڈاکٹر عبداللہ قادری اھدل امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"ومقصود الشرع من الخلق خمسة، وهو: أن يحفظ على دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم، فكل مايتضمن حفظ هذه الاصول الخمسة فهو مصلحة، وكل ما يفوت هذه الأصول فهو مفسدة ودفعها مصلحة" (۴)

ان بنیادی اصول کے پیش نظر اسلامی قانون ہر اس فعل کو قابل سزا جرم تصور کرتا ہے جس کے وقوع یا عدم وقوع سے سوسائٹی کے نظام میں خلل واقع ہو، اُمن عامہ متاثر ہو، افراد کے جان، مال اور عزت وآبرو کو ضرر لاحق ہو، یا ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچے یا کوئی اور ایسا نتیجہ رونما ہو جو سوسائٹی کے افراد یا مجموعہ کے لئے فی الوقت خلاف مصلحت یا ضرر رساں ہو۔

قانون اسلامی کے یہ اساسی مقاصد دراصل انسان کی وہ فطری اور طبعی ضروریات اور بشری تقاضے ہیں جن کے بغیر کسی بھی دور میں انسانیت کا قوام ہی ممکن نہیں، انسان تمام تر مادی وسائنسی ترقیات کے باوجود جان ومال عقل ونسل اور عقیدہ وفکر کے سرمایہ سے دستبردار نہیں ہوسکتا، بلکہ روئے زمین پر انسانیت کے وجود کا انحصار ہی اس امر پر ہے کہ قانون ان سرمایوں کا مکمل تحفظ فراہم کرے۔

اس کائناتی حقیقت کو اسلام کے قانون حدود وتعزیرات میں جس وسیع پس منظر میں دیکھا گیا ہے اور اس کی روح کو جس طرح قانونی دفعات میں سمویا گیا ہے ایسا کسی وضعی قانون میں ممکن ہی نہیں ہے، یہ کام وہ رب علیم وخبیر ہی کرسکتا ہے جس کا علم ماضی، حال اور مستقبل کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور جو انسانی فطرت وطبیعت اور مختلف علاقوں اور طبقات کے مزاج اور خصوصیت سے پوری طرح واقف ہے۔

دور حاضر میں قانون ساز اداروں نے ان بنیادی مقاصد کی اہمیت کو تسلیم ضرور کیا ہے مگر ثانوی درجہ میں جہاں یہ امور کسی خاص فکر ونظر سے ٹکرائے یا کسی مخصوص پالیسی سے متصادم ہوئے ان کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے ان امور کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو اسلامی قانون کو وضعی قوانین کے مقابلے میں امتیاز عطا کرتے ہیں، اور جن کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی حدود وتعزیرات ہر دور میں وضعی قوانین کی مقرر کردہ سزاؤں سے بدرجہا بہتر ہے، چند قابل غور امور حسب ذیل ہیں:

**(۱) کمال:** اسلامی قانون مکمل ہے اور ان تمام مبادی ونظریات سے مالا مال ہے جن کی

سوسائٹی کو حال یا مستقبل میں کبھی بھی ضرورت پڑسکتی ہے، جب کہ وضعی قوانین ناقص ہیں، ہمہ وقت حذف واضافے سے دوچار رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وضعی قوانین انسان کے بنائے ہوئے ہیں جب کہ اسلامی حدود وتعزیرات خالق کائنات کی مقرر کردہ ہیں اور دونوں میں اپنے صانع کی صفات جھلک رہی ہیں چنانچہ وضعی قوانین میں انسان کا نقص وعیب، کمزوری وناتوانی، بے بسی ولاچارگی نظر آتی ہے اور اسلامی قانون میں سارے جہاں کے پیدا کرنے والے کی قدرت، کمال، عظمت اور علم محیط کا عکس ہے۔ قانون کی پیشانی پر" **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتي ورضیت لکم الإسلام دینا**۔"(۵) کی خدائی مہر لگی ہوئی ہے۔

**(۲) ناقابل تغیر ہونا:** وضعی قوانین سے مراد ایسے وقتی قواعد ہوتے ہیں، جن کو سوسائٹی اپنے معاملات کی تنظیم وتشکیل اور ضروریات کے پیش نظر وضع کرتی ہے، معاملات کی شکلوں میں تبدیلی اور ضروریات میں کثرت وتنوع کے ساتھ ساتھ قانون میں بھی تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے، جس کو قانون ساز" قانون کی ترقی" کا نام دے کر دل بہلاتے ہیں، جب بھی سوسائٹی ترقی کا ایک مرحلہ طے کرتی ہے یا غیر متوقع حالات سے دوچار ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ قانون اس مرحلہ اور ان حالات میں سوسائٹی کا ساتھ نہیں دے سکتا، لہذا ہر مرتبہ قانون پر تبدیلی کا نشتر چلانا پڑتا ہے، یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا، جب تک قانون سازی کا کام انسان کے ہاتھوں میں رہے گا۔

اس کے بالمقابل اسلامی قانون کی مقرر کردہ سزائیں دائمی ہیں، کبھی بھی ان میں تبدیلی کا امکان نہیں ہے، اس قانون کے ساتھ خدائی اعلان ہے: "**لا تبدیل لکلمات الله**"(۶) اور "**سنت الله التي قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تبدیلاً**"(۷) منطقی طور پر اس کی دو وجہ ہیں:

(۱) اسلامی قانون کے بنیادی قواعد واصول میں ایسی لچک اور عموم ہے کہ انسان کتنی ہی ترقی کر جائے اور زمانہ کتنی ہی کروٹیں بدل لے یہ سوسائٹی کے تقاضوں اور ضروریات کو اپنے اندر سمو لیتے ہیں۔

(۲) اسلامی قانون کے بنیادی قواعد واصول ایسے عالی اور بلند ہیں کہ کسی بھی زمانے اور مقام میں سوسائٹی کے معیار سے گر ہی نہیں سکتے۔ تفصیلی استدلال کا موقع نہیں، البتہ چند شہادتیں درج ہیں جن سے ان امور کی صداقت عیاں ہوتی ہے:

۱) وأمرهم شورى بينهم. (۸)

۲) ولا تذر وازرة وزر أخرى. (۹)

۳) وإن حكمت فاحكم بينهم بالقسط. (۱۰)

۴) لا ضرر ولا ضرار في الإسلام. (۱۱)

۵) إدرؤا الحدود بالشبهات. (۱۲)

**(۳) معروضیت:** قانون ساز ادارہ فطری طور پر قانون وضع کرتے وقت اس میں سوسائٹی کی عادات وخصوصیات، تقالید وروایات اور تاریخ کی آمیزش کر دیتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ محسوس یا غیر محسوس طریقے سے جماعتی پالیسی، مفادات اور ترجیحات بھی قانون کا حصہ بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے قانون معروضی اور غیر جانب دار نہیں رہتا، جب کہ اسلامی قانون کسی سوسائٹی کا بنایا ہوا ہی نہیں ہے، وہ تو اس اللہ کا مقرر کردہ ہے جس کے نزدیک سارے انسان برابر ہیں، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، تعلیم یافتہ کو غیر تعلیم یافتہ پر، امیر کو غریب پر، حاکم کو محکوم پر کوئی فضیلت نہیں، اس لئے اسلامی قانون ہر شخص کے ذاتی اور ہر طبقے کے جماعتی مفادات کی بھرپور حفاظت کرتا ہے، اس پر کسی طرح کی جانب داری کا شبہہ ہی نہیں ہوسکتا۔ (۱۳)

آگے بڑھنے سے پہلے سزا کے کچھ اصول وضوابط درج کئے جا رہے ہیں، جن سے اسلام کے نظریہ سزا کی وضاحت ہوتی ہے۔

**سزا کے اصول وضوابط:** اسلامی حدود وتعزیرات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون سازی میں ان اصول وضوابط کی بھرپور رعایت کی گئی ہے۔

(۱) کسی بھی جرم کی سزا ایسی ہونی چاہئے کہ انسان جان بوجھ کر اس جرم کے ارتکاب کی

ہمت نہ کرے اور اگر کر گزرے تو آئندہ اس کی جرأت نہ ہو۔

(۲) سزا ایسی ہونی چاہئے، جو ہر ایک کے لئے باعث عبرت ہو، تا کہ آئندہ کوئی بھی اس جرم کی طرف قدم نہ بڑھائے، اور وہ جرم سوسائٹی سے بالکل ناپید ہو جائے۔

(۳) سزا ایسی ہونی چاہئے، جس میں مفاد عامہ کی رعایت ہو، اسی کی بنیاد پر سزا میں کمی یا زیادتی ہو۔

(۴) سزا ایسی ہونی چاہئے، جس سے مجرم کی اصلاح ہو، جیسے باپ بیٹے کی سرزنش کرتا ہے یا ڈاکٹر مریض کا علاج کرتا ہے، سزا کا اصل مقصد انتقام یا ایذا رسانی ہرگز نہیں ہونا چاہئے (۱۴)۔

(۵) سزا ایسی ہونی چاہئے، جو جرم سے حسی یا معنوی مناسبت رکھتی ہو، مثلاً زنا میں پورا جسم لذت حاصل کرتا ہے تو سزا میں پورے جسم پر کوڑے مارے جائیں، یا سنگسار کیا جائے۔

(۶) سزا میں اس خاص ذہنیت کی رعایت ہونی چاہئے، جو جرم کے وقت مجرم پر چھائی رہتی ہے، مثلاً زنا کی تہمت لگاتے وقت متہم علیہ کی اہانت اور تحقیر کا ارادہ اور چوری کرتے وقت مال میں اضافے کی خواہش۔

سزا کے اعتبار سے قانون حدود و تعزیر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جرائم حدود　　(۲) جرائم قصاص و دیت　　(۳) جرائم تعزیرات

**☆جرائم حدود:** جرائم حدود سے مراد وہ جرائم ہیں، جن کی وجہ سے مجرم پر حد شرعی جاری ہوتی ہے، حد اس سزا کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی طرف سے متعین اور طے ہے، اسلامی قانون میں اس سزا کو اللہ کا حق تسلیم کیا گیا ہے، یعنی کسی فرد یا جماعت کو اس سزا میں کمی یا معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب معاملے سے عمومی مصلحت (یعنی انسانیت سے فتنہ و فساد کو دور کرنا اور حفاظت و سلامتی کے اسباب مہیا کرنا وغیرہ) جڑی ہوئی ہو، جرم کے مضرات بھی عام ہوں اور سزا کے فوائد بھی ہر ایک کو حاصل ہوں۔(۱۵)

ایسے جرائم کل سات ہیں:

(۱)زنا(۲)تہمتِ زنا(۳)شراب خوری(۴)چوری(۵)ڈاکہ زنی(۶)ارتداد(۷)بغاوت

**زنا کاری:** زنا کو شریعت اسلامیہ میں بدترین جرم قرار دیا گیا ہے کیوں کہ اس سے توالد وتناسل کے فطری نظام میں خلل پڑتا ہے، خاندان اور معاشرتی ڈھانچہ بکھر کر رہ جاتا ہے نیز یہ ایسا فحش کام ہے جس کے نتیجہ میں بہت سی جسمانی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں انسانیت کے جس طبقہ میں یہ جرم عام ہوجائے وہاں اخلاقی قدریں گھٹ جاتی ہیں غیرت وحمیت ناپید ہوجاتی ہے اور جرم کی کثرت بہت سے وبائی امراض کو جنم دیتی ہے۔

باعث حیرت ہے کہ ان مفاسد کے باوصف وضعی قوانین میں (بعض قوانین میں پائی جانی والی کچھ صورتوں سے قطع نظر) طرفین کی آپسی رضامندی کے ساتھ ہونے والی زنا کاری کو جرم ہی تسلیم نہیں کیا گیا ہے، اور چند صورتوں نیز زنا بالجبر کی جو سزائیں مقرر ہیں وہ حبس وقید تک محدود ہیں، ان کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔(۱۶)

یہی وجہ ہے کہ ان قوانین کے سائے میں جو معاشرہ وجود میں آیا ہے وہ انتہائی اخلاقی انحطاط کا شکار ہے، آئے دن ہونے والے سروے اور جمع کئے گئے اعداد وشمار بتلاتے ہیں کہ ہر شخص اپنی شہوت رانی اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے درپے ہے، حسب ونسب اور خاندانی نظام اس قدر پراگندہ ہوچکا ہے کہ ماں نہیں جانتی کہ میرے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ کس کا ہے اور نہ بچے کو خبر ہے کہ میرا باپ کون ہے۔خاص طور پر مغربی معاشرت میں قانونی شادیوں کا دستور ہی ختم ہوتا جارہا ہے، یہ تکلیف دہ جملہ زباں زد خاص وعام ہے کہ ''شادی کرنا مشکل ہے زنا کاری آسان'' شخصی اور اجتماعی بحران بڑھتے جارہے ہیں، پوشیدہ امراض کی کثرت ہے، نامردی اور بانجھ پن روز افزوں ہے۔

اسلامی قانون نے معاشرہ کو ان مفاسد سے محفوظ رکھنے کے لئے اس جرم پر سخت سزا مقرر کی ہے، یعنی شادی شدہ کے لئے رجم (سنگسار کرنا)(۱۷) اور غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے(۱۸) یہ سزا سخت ضرور معلوم ہوتی ہے، لیکن جرم کے گھناؤنے پن اور براہ راست معاشرہ پر پڑنے والے اس

کے انتہائی مضر اثرات کے اعتبار سے نہایت موزوں ہے، اور اس میں اس امر کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ جرم اور سزا میں مناسبت ہو، چنانچہ جب زنا کار نے سارے بدن کی شرکت کے ساتھ زنا کیا اور اس کے ہر ہر عضو نے لذت حاصل کی تو اس کی سزا بھی یہی ہونی چاہئے کہ سارے جسم کو سنگسار کیا جائے یا سارے بدن پر کوڑے لگائے جائیں(۱۹)۔ جرم اور سزا پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی قانون میں زنا کے اسباب محرکات کو غیر مؤثر بنانے کے لئے سزا کے ذریعہ برعکس اسباب محرکات پیدا کئے ہیں تاکہ جرم کا سدباب ہوجائے (۲۰)۔

**زنا کی تہمت:** زنا کی تہمت لگانا بھی قانون اسلامی میں اہم ترین اخلاقی جرم ہے، جس کی زد میں فرد اور خاندان دونوں آتے ہیں، عزت وناموس پر آنچ آنے، نسب مشکوک ہوجانے کی وجہ سے فرد ہی نہیں پورے خاندان سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، فضیحت ورسوائی کی وجہ سے ان کا معاشرہ میں اٹھنا بیٹھنا، لوگوں سے تعلقات اور معاملات کو باقی رکھنا مشکل ہوجاتا ہے، اس جرم کی شدت کا صحیح اندازہ آپسی عزت واحترام، محبت ویگانگت، اور تعلق واعتماد کے اس روح پرور ماحول ہی میں کیا جاسکتا ہے جس کو شریعت اسلامیہ اپنے وسیع اخلاقی نظام کے ذریعہ برپا کرتی ہے۔

وضعی قوانین میں اس جرم کی سزا قید اور جرمانہ ہے، جو معاشرہ سے سب وشتم، فحش گوئی وبدکلامی اور دوسروں کی ایذا رسانی کو ختم کرنے میں سراسر ناکام ہے(۲۱)۔

جب کہ اسلامی قانون میں اس کی دورکنی سزا مقرر کی گئی ہے، ایک کوڑا جو سزا کا مادی اور حسی پہلو ہے۔ دوسرے گواہی کا غیر مقبول ہونا جو سزا کا ذہنی اور معنوی پہلو ہے(۲۲)۔

یہ سزا فطری طور پر نہایت کارگر ہے، کیونکہ جرم اور اس کے مقصد سے پوری مطابقت رکھتی ہے مجرم نے متہم علیہ کو دلی تکلیف پہنچائی تو اس کے مقابلہ میں مجرم کو جسمانی تکلیف پہنچائی گئی، مجرم کا مقصد متہم علیہ کی آبروریزی اور تحقیر تھا تو اس کے جواب میں ناقابل شہادت قرار دے کر مجرم کی ذلت ورسوائی کا سامان کیا گیا (۲۳)۔

یہاں بھی یہ امر قابل غور ہے کہ جرم کے اسباب محرکات کے بالمقابل سزا میں برعکس

اسباب محرکات کا خیال رکھا گیا ہے، یہ طریقہ عقلی اور طبعی ہونے کے ساتھ ساتھ انسداد جرائم کا بہترین ذریعہ ہے۔

**شراب نوشی:** شراب نوشی اسلامی قانون میں وہ اہم ترین جرم ہے، جس کی کوکھ سے بڑے بڑے جرائم جنم لیتے ہیں، اسی لئے حدیث پاک میں اس کو "تمام برائیوں کی جڑ کہا گیا ہے" (۲۴)، جس سوسائٹی میں شراب نوشی عام ہوجاتی ہے وہاں کچھ ہی دنوں میں اخلاقی انارکی، متعدی بیماریاں، بغض، نفرت، لڑائی جھگڑے، قتل وغارت گری، چوری ڈکیتی اور اسی طرح کی بہت سی بڑی بڑی بیماریاں پھیل جاتی ہیں، جرمنی کا ایک ڈاکٹر کہتا ہے: "اگر آدھے شراب خانے بند کردئے جائیں تو میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفاخانے اور آدھے جیل خانے بے ضرورت ہوکر بند ہوجائیں گے" (۲۵) نیز عبدالقادر عودۃ لکھتے ہیں:

ومن المسلّم به من الناحيتين الطبية والإجتماعية فى عصرنا الحاضر أن الخمر لا فائدة فيها وأن أضرارها لا تحصى، فهى تفسد العقل وتفسد الصحة وتؤدى الى العقم أحيانا وإلى ضعف النسل غالبا كما تؤدى إلى ضياع المال وضياع الكرامة (۲۶)۔

عبداللہ بن سالم الحمید لکھتے ہیں:

ولا يخفى ما للخمرة بجميع أنواعها من أضرار على الصحة العامة.. فقد أثبت الأطباء ما تورثه من أضرار متنوعة فى الجهاز التنفسى والدورة الدموية والجهاز العصبى ... وما دام يلحق الضرر بالقلب وجميع الأوعية الدموية والأماكن الحساسة فى الجسم وخاصة المخ وشرايينه فماذا بعد ذلک من نفع مرتقب وأى ضرر أعظم من هذه الأضرار (۲۷)۔

وضعی قوانین انسانیت کو ان مضرات ومفاسد سے محفوظ رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، کیونکہ ان کی نگاہ میں شراب اس وقت تک قابل سزا جرم ہی نہیں جب تک کہ شرابی نشے کی حالت میں کسی

عوامی مقام یا شارع عام پر نہ پایا جائے، اور اس صورت میں بھی سزا معمولی جرمانے یا چندروزہ قید سے زیادہ نہیں ہے(۲۸)۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دورحاضر شراب میں ڈوبا ہوا ہے اور انسانیت اس کے نقصان سے جوجھ رہی ہے، شراب، شباب اور منشیات کے تعلق سے ہونے والے ایک سروے کے مطابق مغربی معاشرت میں تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ:

اوسطاً والدین یہ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ان کے بچوں نے تیرہ برس کی عمر سے موقع بموقع شراب پینی شروع کردی ہے، دس میں سے ایک ماں باپ کو اس پر اعتراض نہیں کہ ان کے بچے سولہ برس کی عمر کے بعد باقاعدہ شراب پینے لگیں..... ۳۲ رفیصد والدین کا کہنا ہے کہ بچے کبھی کبھار بھنگ کا نشہ کرتے ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں، جبکہ ۸ رفیصد والدین ایسی بے قاعدگی سے قطعی پریشان نہیں، ۳۰ رفیصد کا تو یہ خیال ہے کہ منشیات کا استعمال پروان چڑھنے کا حصہ ہے(۲۹)۔

اس کے برعکس اسلامی قانون میں سوسائٹی کے وسیع مفادات کے پیش نظر ہر قسم کے نشے کو جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا اسی کوڑے مقرر کی گئی ہے(۳۰)۔ جو تجربہ کی روسے برانگیختہ جذبات اور بے قابو شہوات ونفسانیت پر لگام کسنے کی کامیاب تدبیر ہے۔

یہاں بھی یہ امر قابل غور ہے کہ مجرم کی خاص ذہنیت کو سامنے رکھ کر سزا میں اس کی اصلاح کے پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے، مجرم یہ چاہتا تھا کہ شراب پی کر غم واندوہ سے نجات حاصل کرلے اور حقیقت کی کڑواہٹ سے بھاگ کر اس وہمی سعادت سے ہم کنار ہو جائے جو شراب کے نشے سے وجود میں آتی ہے، لیکن سزا اس کو پھر غموں میں ڈھکیل دیتی ہے، بلکہ ان میں جسمانی تکلیف کا اضافہ کردیتی ہے اور وہ پھر ان ہی حقیقتوں سے دوچار ہوتا ہے جن سے فرار ہوا تھا، اس طرح اس میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ شراب غموں سے نجات اور حقیقت سے فرار کا ذریعہ نہیں ہے اور آئندہ اس جرم کے ارتکاب سے باز رہتا ہے(۳۱)۔

اسلامی قانون کی خوبی کا اعتراف کرتے ہوئے انگریز قانون داں بنتام لکھتا ہے :

اسلامی شریعت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں شراب حرام ہے، ہم نے دیکھا کہ جب افریقہ کے لوگوں نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو ان نسلوں میں پاگل پن سرایت کرنے لگا اور یورپ کے جن لوگوں کو اس کا چسکہ لگ گیا ان کی بھی عقلوں میں تغیر آنے لگا، لہذا افریقہ کے لوگوں کے لئے بھی اس کی ممانعت ہونی چاہئے اور یورپین لوگوں کو بھی اس پر شدید سزائیں دینی چاہئیں (۳۲)۔

**چوری:** چوری اسلامی قانون میں ایسا جرم ہے جو سوسائٹی کے ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیتا ہے، امن وامان غارت اور زندگی دوبھر کردیتا ہے، کیونکہ اس سے ذاتی ملکیت کے حقوق متاثر ہوتے ہیں، جو سوسائٹی کی اہم ترین ضرورت اور شخصی ضروریات کے پورا ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔

یہ بات ہر شخص پر عیاں ہے کہ اس اقتصادی ناہمواری کے دور میں (جبکہ گنے چنے مالداروں کے علاوہ اکثریت غربت اور تنگدستی میں بسر کررہی ہے) مال کسی نہ کسی شدید ضرورت کے تحت رکھا جاتا ہے مثلاً: مکان کی تعمیر، ملازمت کا حصول، کاروبار، اولاد کی تعلیم، لڑکیوں کی شادی، ڈاکٹر کی فیس، بیمار کا آپریشن، گھر کا راشن، قرض کی ادائیگی، اور ان کے علاوہ بیسیوں شدید ضروریات مال جمع رکھنے کی داعی ہوتی ہیں، چوری کی صورت میں یہ ساری ضروریات پوری نہیں ہوپاتی، کتنے گھر برباد ہوجاتے ہیں، کتنی زندگیاں جہنم بن جاتی ہیں، کتنے ارمانوں کا خون ہوتا ہے (۳۳)۔

وضعی قوانین میں اس جرم کی سزا قید، قید با مشقت وقتی، قید با مشقت دائمی، اور بعض خصوصی حالات میں قتل مقرر کی گئی ہے، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ یہ سزائیں انسداد جرائم میں ناکام ہیں۔ ہر علاقہ میں سال بہ سال چوری کی وارداتوں میں اضافہ ہورہا ہے، عادی مجرمین کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

اسلامی قانون میں اس جرم کی سزا قطع ید یعنی گٹے تک ہاتھ کاٹنا مقرر فرمائی ہے (۳۴) جو کہ جرم کے اعتبار سے نہایت موزوں ہے، سزا بادی النظر میں سخت ضرور معلوم ہوتی ہے، لیکن مجرم کے حالات اور جرم کی شدت سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اس کی

اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، جب جرم تیزی سے پھیل رہا ہے اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ جرم کے دائرے میں توسیع اور طریقہ کار میں تنوع پیدا ہو رہا ہے اور تاریخ انسانی گواہ ہے کہ قطع ید کے علاوہ کوئی بھی طریقہ جرم کی روک تھام میں مؤثر ہو ہی نہیں سکتا، سوسائٹی میں اس سزا کے نفاذ کی اہمیت کا اندازہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تاریخی جملے سے لگایا جا سکتا ہے، جو آپ نے چوری کے جرم میں سزا پانے والی مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹے جانے کے معاملے میں حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش کے جواب میں ارشاد فرمایا: "**و ایم اللہ لو أن فاطمة بنت محمد (ﷺ) سرقت لقطع محمد (ﷺ) یدھا**"(۳۵)۔

یہاں بھی سزا میں مجرم کی ذہنیت کا خیال رکھا گیا ہے، مجرم حلال طریقہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کو کم سمجھتا ہے اور اس کو حرام طریقہ سے بڑھانا چاہتا ہے، ضمنی طور پر خواہ اس کا مقصد قوت انفاق میں اضافہ کرنا، معاشرہ میں ممتاز ہونا، مستقبل سے بے فکر ہونا یا محنت سے جی چرانا ہو لیکن اصلاً جرم کا محرک آمدنی اور مال میں اضافہ کی خواہش ہی ہوتا ہے، اسلامی قانون نے ہاتھ کاٹ کر اس کے ذہنی فساد کا علاج بالضد کیا ہے، کیونکہ ہاتھ آلۂ عمل ہے، وہ کاٹ دیا جائے گا تو عمل میں کمی آئے گی، عمل میں کمی سے لازمی طور پر آمدنی کم ہوگی (۳۶)۔

**ڈاکہ زنی:** ڈاکہ زنی اسلامی قانون میں سب سے بڑا اجتماعی جرم ہے، جس سے امن عامہ متاثر ہوتا ہے، خوف وہراس پھیلتا ہے، رہزن مسلح گروہ کی شکل میں نکلتے ہیں اور معاشرے میں لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کرتے ہیں، اس لئے اس جرم کی سزا بھی عام جرائم سے سخت ہے، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"انبوہ لوگوں کا ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتا، جن میں درندگی کا غلبہ ہو، جرأت بہت ہو، قتل کے لئے منظم ہوں، تو وہ قتل وغارت، لوٹ مار میں کمی نہیں کرتے، یہ چوری سے سخت فساد ہے، لوگ اپنے مال چوروں سے محفوظ کر بھی سکتے ہیں، یہاں ایسا نہیں ہو سکتا، اور راستوں میں تو حکام اور عوام کی مدد بھی نہیں مل سکتی، ڈاکو شیر دل اور جری بھی ہوتا ہے اور پھر ان میں تنظیم واتفاق

ہوتا ہے، چور میں یہ نہیں ہے، لہٰذا ان کی سزا کا چور کی سزا سے سخت ہونا واجب ہے''(۳۷)۔

اسلامی قانون میں رہزنی کی چار سزائیں ہیں:

**(۱) قتل:-** یہ سزا اس ڈاکو کو دی جاتی ہے، جو واردات کے دوران کسی کو قتل کر دے، اس سزا کی بنیاد بھی انسانی طبیعت پر ہے، **قاتل** دوسرے کو اس لئے قتل کرتا ہے کہ تاکہ اپنی بقاء وتحفظ کا سامان کر سکے، جب اس کو معلوم ہوگا کہ کسی کو قتل کرنا اپنی ہی موت کو دعوت دینا ہے تو قتل سے باز رہے گا، گویا اسلامی قانون نے برعکس محرکات پیدا کر کے جرم پر ابھارنے والی ذہنیت کا علاج کیا ہے، جو بالکل فطری طریقہ ہے۔

**(۲) قتل اور سولی:-** یہ سزا اس ڈاکو کو دی جاتی ہے جو واردات کے دوران قتل بھی کرے اور مال بھی لوٹ لے، جرم کے دو رکن ہونے کی وجہ سے سزا بھی دو رکنی مقرر کی گئی، جو مبنی بر حکمت اور عین انصاف ہے۔

**(۳) دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹنا:-** یہ سزا اس ڈاکو کو دی جاتی ہے، جو واردات کے دوران صرف مال لوٹ لے، کسی کو قتل نہ کرے، اس سزا کی بنیاد وہی ہے، جو چوری کی سزا کی ہے، لاّ یہ کہ ڈاکو کو دوہری سزا دی گئی ہے، کیونکہ اس کے خطرات عام چور سے بڑھ کر ہیں اور اسکے پاس کامیابی سے واردات انجام دے کر بچ نکلنے کے مواقع عام چور سے بہت زیادہ ہیں۔

**(۴) قید و بند اور جلا وطنی:-** یہ سزا اس ڈاکو کو دی جاتی ہے، جو نہ قتل کرے نہ مال لوٹے، صرف لوگوں میں دہشت اور خوف پیدا کر دے، یہ سزا بھی مجرم کی ذہنیت کی اصلاح کے لئے نہایت کارآمد ہے، کیونکہ جان و مال کو نقصان نہ پہنچانے کی صورت میں یہ بات متعین ہے کہ وہ شہرت اور نام آوری چاہتا ہے لہٰذا اس کو ایسی سزا دی گئی جس سے وہ گمنام اور بے نشان ہو کر رہ جائے (۳۸)۔

وضعی قوانین میں اس جرم کی سزا قتل، قید با مشقت، یا تین سالہ قید ہے اور بقول عبداللہ بن سالم الحمید:

" كل هذه العقوبات۔ عدا القتل۔ لا تجدي في ردع المجرم وعلاج نفسيته بالدوافع الزاجرة الحكيمة"(۳۹)۔

**ارتداد:** ارتداد بھی اسلامی قانون میں بڑا جرم ہے اور اس کی سزا قتل ہے، جو جرم کے اعتبار سے نہایت موزوں ہے۔ عبداللہ بن سالم الحمید لکھتے ہیں:

"إن الإسلام حينما يعاقب المرتد الخارج عن الدين بإعدامه يقرر هذه العقوبة عليه لأنه أخل بهذا النظام المتكامل المترابط فزعزع أركانه وهدد بنيانه فمثل هذا لا منفعة للمجتمع الإسلامي من بقائه لأنه يهدد الكيان القائم بالتداعي والدمار ... فلا بد إذن من استيصاله من المجتمع الذي خرج عن دستوره ونظامه القويم ورفض تعاليمه وثار على نظمه الحكيمه بالردة"(۴۰)۔

وضعی قوانین میں اس شدید جرم کی کوئی سزا نہیں ہے، البتہ قانون سازوں نے بزعم خود اپنے خود ساختہ نظام اور قوانین کو اسلام کے حکیمانہ نظام اور قوانین سے تشبیہ دیتے ہوئے اس کے انکار یا مخالفت کو ارتداد کی طرح کا جرم قرار دیا ہے اور اس پر قتل کی سزا مقرر کی ہے(۴۱)۔

**بغاوت:** بغاوت کی سزا ہر قانون میں قتل ہے، البتہ سزا کے مقصد میں اختلاف ہے، وضعی قانون میں معاشرہ اور عوامی مفاد پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ باغی کو اس لئے قتل کیا جاتا ہے، تاکہ اقتدار اور ارباب اقتدار کی حفاظت کی جاسکے، جب کہ اسلامی قانون میں سزا کا مقصد صرف اور صرف عوام اور معاشرہ کو امن وسلامتی فراہم کرنا ہے(۴۲)

**☆جرائم قصاص ودیت:** اگر کوئی شخص کسی کو قتل کردے یا زخمی کردے تو اسلامی قانون میں اس کی سزا قصاص مقرر کی گئی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ مجرم کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے، جو اس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہے، یعنی قتل کے بدلے قتل، زخم کے بدلے زخم، اور عضو تلف کرنے کے بدلے میں عضو تلف کیا جائے (۴۳)، یہ سزا اسلامی قانون میں معین ہے، قاضی اور حاکم نہ اسے معاف کرسکتے ہیں اور نہ اس میں کسی تبدیلی کے مجاز ہیں، البتہ مقتول کے ولی کو یہ

اختیار دیا گیا ہے کہ وہ قاتل کو معاف کر دے یا اس کے بدلے میں دیت (خون بہا) لے لے، کیونکہ جرم کی زد براہ راست اسی پر پڑتی ہے اور وہی سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے لہذا اس کے معاف کرنے یا خون بہا لے لینے کی صورت میں قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور اس کے عوض تعزیری سزا نافذ کی جاتی ہے۔

قصاص کے تعلق سے عبدالقادر عودۃ لکھتے ہیں:

**وليس في العالم كله قديمه وحديثه عقوبة تفضل عقوبة القصاص فهي أعدل العقوبات إذ لا يجازى المجرم إلا بمثل فعله وهي أفضل العقوبات للأمن والنظام، لأن المجرم حينما يعلم أنه سيجزى بمثل فعله لا يرتكب الجريمة غالباً** (۴۴)۔

وضعی قوانین قصاص کی نافعیت کا اعتراف تو کرتے ہیں مگر عملی طور پر صرف قتل کی صورت میں اس کو نافذ کرتے ہیں، بقیہ جرائم قصاص میں مجرم کو جرمانہ وقید یا دونوں میں سے کسی ایک کی سزا دیتے ہیں، جو انتہائی ناکافی ہے۔

☆**جرائم تعزیر:** حدود وقصاص اور دیت کے علاوہ جملہ سزائیں اسلامی قانون میں تعزیرات کہلاتی ہیں، تعزیری سزائیں ان جرائم پر دی جاتی ہیں، جن کی قانون میں کوئی سزا متعین نہ کی گئی ہو، یہ سزائیں معمولی سزاؤں نصیحت تنبیہ وغیرہ سے شروع ہو کر غیر معمولی سزاؤں قید، کوڑا، یہاں تک کہ قتل تک پہنچ جاتی ہے۔ قانون قاضی کو مکمل اختیار دیتا ہے کہ وہ مجرم کے حالات ونفسیات، اسی طرح جرم اور اس کے اسباب ومحرکات کی رعایت کرتے ہوئے کوئی بھی سزا تجویز کرے۔

یہ اسلامی قانون کا انفرادی پہلو ہے کہ اس میں جرائم حدود وقصاص کے علاوہ کسی جرم کی سزا متعین نہیں کی گئی ہے، کیونکہ قاضی کو کسی خاص جرم میں کسی خاص سزا کا پابند بنانے سے سزا کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے اور جرائم اور مجرمین کے حالات میں شدید اختلاف ہونے کی وجہ سے اکثر

وبیشتر سزا مبنی بر انصاف نہیں رہتی، کیونکہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بسا اوقات ایک سزا کسی مجرم کی اصلاح کرتی ہے اور وہی سزا کسی دوسرے مجرم میں بگاڑ پیدا کرتی ہے، یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی ایک سزا سے کوئی مجرم ڈر جاتا ہے، لیکن اسی سزا سے کوئی دوسرا بالکل خوف نہیں کھاتا لہٰذا سزا کی افادیت کو یقینی بنانے کے لئے ضروری تھا کہ قاضی کو وسیع اختیارات دیئے جائیں۔

**تعزیرات اور حدود وقصاص ودیت میں فرق:** تعزیرات کے بیان سے پہلے ضروری ہے کہ حدود وقصاص ودیت اور تعزیرات کے مابین فرق واضح کر دیا جائے، ذیل میں چند بنیادی فرق ذکر کئے جارہے ہیں:

۱- حدود وقصاص اور دیت کو قاضی یا حاکم معاف نہیں کرسکتا، جب کہ تعزیرات کو معاف کرسکتا ہے۔

۲- حدود وقصاص اور دیت کی سزائیں معینہ ہیں، جن میں قاضی یا حاکم کوئی رد وبدل نہیں کرسکتا، جب کہ تعزیرات غیر معینہ ہیں، قاضی یا حاکم اپنی صوابدید پر کوئی بھی سزا طے کرسکتا ہے۔

۳- حدود وقصاص اور دیت میں جرم اور مصلحت عامہ پیش نظر ہوتی ہے، مجرم کی شخصیت کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی، جب کہ تعزیرات میں دونوں کی ایک ساتھ رعایت کی جاتی ہے (۴۵)۔

اسلامی قانون میں تعزیرات متعین نہیں ہیں، ہر وہ طریقہ تعزیر کہلاتا ہے، جو قاضی وحاکم جرم کے سدّ باب اور مجرم کی اصلاح کے لئے اختیار کرتا ہے، البتہ تعزیری سزاؤں کی چند اہم انواع ذیل میں درج کی جارہی ہیں، جو اپنے مقصد میں نہایت مؤثر ثابت ہوئی ہیں:

**(۱) کوڑے کی سزا:** یہ تعزیری سزاؤں میں اہم ترین سزا ہے، اور مجرمین کے دلوں میں ڈر اور خوف پیدا کرنے کا فطری اور مؤثر ذریعہ ہے۔

**(۲) قید کی سزا:** یہ سزا عام جرائم تعزیر کے عادی مجرمین کو دی جاتی ہے، اس کی کم سے کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت میں اختلاف ہے، واضح رہے کہ اسلامی سزاؤں میں یہ ثانوی درجہ کی سزا ہے اور صرف اس صورت میں دی جاتی ہے جب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو۔

**(۳) نصیحت اور ترک تعلق:** یہ سزا اس وقت دی جاتی ہے، جب قاضی کی نگاہ میں مجرم کی اصلاح کے لئے کافی اور مؤثر ہو۔

**(۴) ڈانٹ ڈپٹ:** یہ بھی مفید ترین تعزیری سزاؤں میں سے ہے، شریف النفس اور حساس مجرمین کی اصلاح کے لئے مؤثر ہے۔

**(۵) دھمکانا:** بعض حالات میں مجرم کی اصلاح کے لئے یہ سزا بھی نہایت مفید ہے، اور اس میں اس امر کی رعایت کی جاتی ہے کہ دھمکی سچی اور واقعی ہو، تاکہ دل پر اثر کرے، مثلاً قاضی دھمکاتے ہوئے کہے کہ: ''اگر باز نہ آئے تو کوڑے کی سزا دوں گا''

**(۶) جرم کی تشہیر کرنا:** بعض حالات میں قاضی جرم کی تشہیر کرتا ہے، جس سے مجرم کی بھی رسوائی ہوتی ہے، ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جب مجرم نے جرم کر کے لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہو، مثلاً جھوٹی گواہی دی ہو، یا اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کی ہو، یا ناپ تول میں کمی کی ہو، قاضی کو اختیار ہے کہ وہ تشہیر و اعلان کے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتا ہے(۴۶)۔

## اسلامی قانون کی اساس جسمانی سزا اور وضعی قوانین کی اساسی سزا قید و بند کے مابین تقابل:

اسلامی حدود، قصاص، دیت اور تعزیرات کے مختصر تذکرہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی قانون میں جسمانی سزا خاص طور پر کوڑے کی سزا کو اصل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ جرائم پیشہ افراد کے دلوں میں اس کا خوف اور ڈر اور سزاؤں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ نیز یہ سزا حکومت اور مجرم دونوں کے لئے باعث سہولت ہے، حکومت کو سزا کی تنفیذ کے لئے کثیر سرمایہ اور عملے کی ضرورت نہیں پڑتی اور مجرم بھی سزا پا کر اپنی راہ لیتا ہے، نہ زندگی کے اوقات معطل ہوتے ہیں، نہ اہل خانہ کو اس کی غیر موجودگی سے حرج ہوتا ہے۔

جب کہ وضعی قوانین میں اصل اور بنیادی سزا قید و بند ہے، جیسا کہ گذشتہ تفصیلات کے ضمن

میں یہ بات واضح ہوچکی ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ سزائے قید جرائم کے سدباب میں نہ صرف نا اہل ہے، بلکہ بہت سے مفاسد ومضرات کا سبب بنتی ہے، سارے جہاں میں اس سزا کے نافذ ہونے کے باوجود جرائم کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد اس سزا کی ناکامی پر دلالت کرتی ہے۔ذیل میں اس سزا کے چند مضرات درج کیے جارہے ہیں:

(۱) یہ سزا مجرم کی اصلاح میں پوری طرح ناکام ہے، سزا کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ مجرم آئندہ اس جرم کے ارتکاب کا تصور بھی نہ کرے، لیکن یہ سزا برعکس نتیجہ پیش کرتی ہے، اعدادوشمار بتلاتے ہیں کہ جیل سے نکلتے ہی مجرم پندرہ دن سے ایک سال کے عرصے میں پھر وہی جرم کربیٹھتا ہے۔ بلکہ ایک عام مجرم کو عادی مجرم بنانے میں سزائے قید کا بڑا کردار ہوتا ہے۔

(۲) ایک طرف قید کی سزا سے قومی خزانہ گراں بار ہوتا ہے دوسری طرف مجرمین کی عملی سرگرمیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے قوم کی قوت پیداوار معطل ہوجاتی ہے اور بسا اوقات سربراہ خانہ کے قید ہوجانے کی وجہ سے افرادخانہ بھکمری اور فاقے سے دوچار ہوتے ہیں، جس کا آئے دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

(۳) مسلسل قید وبند کی وجہ سے مجرمین میں مایوسی اور قنوطیت پیدا ہوجاتی ہے، جذبات سرد پڑجاتے ہیں، جیل سے نکلنے کے بعد بھی وہ زندگی کے کاروبار میں سرگرم شرکت سے قاصر رہتے ہیں۔

(۴) جیلوں میں مختلف طرح کے مجرمین کے ایک ساتھ رہنے سے مجرمانہ ماحول بن جاتا ہے جس سے مجرمانہ ذہنیت پروان چڑھتی ہے، جرائم پیشہ افراد کے درمیان سے سادہ لوح نئے مجرمین بھی جرائم کی تربیت لے کر نکلتے ہیں۔

(۵) ایک لمبے عرصے تک بے کاری کی زندگی گذار کر قیدیوں سے احساس ذمہ داری ختم ہوجاتا ہے، جیلوں سے نکلنے کے بعد اہل وعیال تو کجا خود اپنی ذاتی ضروریات کی تکمیل کے لئے بھی

تگ ودو کرنے کا جذبہ باقی نہیں رہتا، بسا اوقات یہ امر دوبارہ ان کو جرم کی دنیا میں دھکیلنے کا سبب بن جاتا ہے۔

(۶) جرائم کی کثرت کی وجہ سے کم جگہ میں زیادہ قیدیوں کو رکھا جاتا ہے جس سے قیدیوں کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے، مزید یہ کہ ایک لمبے عرصے تک جنسی خواہش پوری کرنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے قیدی بری عادتوں میں پڑتے ہیں اور اپنی مردانگی صحت اور اخلاق سب کچھ کھودیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وضعی قوانین دربدر بھٹکنے کے بعد پھر کوڑے کی سزا کی اہمیت کا اعتراف کر رہے ہیں اور اس کو از سر نو نافذ کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں:

**وأغلب شراح القوانين اليوم يفكرون في العودة إلى تقرير عقوبة الجلد ويسعون في وضع هذه الفكرة موضع التنفيذ. وقد اقترح فعلاً في فرنسا تقرير عقوبة الجلد على أعمال التعدى الشديد التى تقع على الأشخاص. وذكر تأييدا لهذا الإقتراح أن العادات قد تطورت تطورا مخيف، وأن طبقات العامة أصبحت تلجأ إلى القوة والعنف لحسم المنازعات، وأن الإجرام تغير مظهره عن ذى قبل فأصبح أكثر شدة وأعظم حدة، وأن لا وسيلة لتوطيدالأمن إلا بإعادة العقوبات البدنية وأفضلها عقوبة الجلد.**

آگے لکھتے ہیں:

**وعقوبة الجلد وإن كانت ألغيت من أكثر القوانين الجنائية الوضعية إلا أنها لا تزال عقوبةً معترفا بها في قوانين بعض الدول، ففي انجلترا يعتبر الجلدإحدى العقوبات الأساسية في القانون الجنائي، وفي الولايات المتحدة يعاقب المسجونون بالجلد، وفي قانون الجيش والبوليس في مصر وانجلترا لا يزال الجلد عقوبة أساسيةوكذا الحال في كثير من الدول.**

وفي أثناء الحرب الأخيرة رجعت معظم بلاد العالم إلى عقوبة الجلد وطبقتها على المدنيين في جرائم التموين والتسعير وغيرها، وإن في إضطرار أكثر بلاد العالم إلى تطبيق عقوبة الجلد على المدنيين أثناء الحرب لشهادة قيمة لهذه العقوبة، واعتراف من القائمين على القوانين الوضعية بأن عقوبة الحبس تعجز عن حمل الناس على طاعة القانون (۴۷)۔

حضرت **مولانا** نعمت اللہ صاحب اعظمی اسلامی سزاؤں کے مفید اثرات کے بارے میں لکھتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ خودساختہ قوانین کی سزائیں اس سلسلے میں بری طرح ناکام رہیں، اسلامی سزاؤں کے کلی وجزئی دونوں تجربے بھرپور کامیابی سے ہم کنار ہوئے، سعودی عرب جہاں دن دہاڑے **لوٹ** مار کا بازار گرم رہتا تھا سنگین قسم کے جرائم کے بارے میں ضرب المثل بن چکا تھا، حجاج کے ساتھ ان کے ملک کی فوجیں ان کے تحفظ کے لئے ہوئی تھیں، خود مقامی فوج ہوتی، لیکن ان تمام ٹڈی دل فوج کی آنکھوں کے سامنے جرائم پیشہ گروہ اپنا کر جاتے اور ایسے سنگین قسم کے جرائم ہوتے کہ آدمی سن کر تصدیق نہ کر سکے، لیکن **لوٹ** مار اور قتل وغارت گری کی یہ جہنم اسلامی سزاؤں کے نفاذ کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے امن وامان سکون وبے خوفی کی جنت بن گئی، دنیا کا سب سے زیادہ پرخطر علاقہ سب سے زیادہ پرامن بن گیا، مقامی اور بیرونی فوجوں کا ٹڈی دل لشکر جس کو انجام دینے سے قاصر رہا اس کے لئے مٹھی بھر مقامی پولیس ہی کافی ہوگئی۔

اسلامی سزا کا جزئی تجربہ کچھ ملکوں نے کیا، ان ملکوں نے نہ صرف ایک اسلامی سزا یعنی کوڑا نافذ کیا، انگلینڈ نے اپنے فوجداری اور فوجی قوانین، مصر نے اپنے فوجی قوانین اور امریکہ نے قیدیوں کے جرائم میں کوڑے کو بنیادی سزا کے طور پر تسلیم کیا، دوسری جنگ عظیم کے بعد تقریباً تمام ہی ملکوں نے بعض ایسے جرائم جن کی زد انتظام یا امن عامہ پر پڑتی تھی ان کی سزا کوڑا متعین کیا۔ بہرکیف عالمی طور پر یہ تسلیم کیا گیا کہ اس باب میں کوڑے سے زیادہ کوئی سزا کارآمد نہیں ہے۔ اور ضمناً اس بات کا بھی

اعتراف ہے کہ جرائم کا صفایا کرنے کے لئے اسلامی قوانین کی نظیر نہیں ہے''(۴۸)۔

آخر میں مولوی سید عقیل محمد صاحب کے اس اقتباس پر مضمون کو ختم کرتا ہوں جس میں ہندوستان کی صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مروجہ تعزیرات ہند بد اخلاقیوں کے سبب مسلمانوں کے لئے جس قدر قابل شکایت ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک متوسط الخیال انسان بھی اس کی ستم ظریفیوں پر نفرت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس ایکٹ یا دیگر متعلقہ قوانین کے بموجب گھر میں بیٹھ کر جوا کھیلنا کوئی جرم نہیں ہے۔ شراب نوشی بالکل جائز ہے بشرطیکہ امن عامہ میں مخل نہ ہو، غیر منکوحہ سے اس کی رضامندی سے زنا بھی کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس کی عمر چودہ سال سے کم نہ ہو، منکوحہ عورت کے ساتھ برضامندی زنا کرنے میں اور منکوحہ عورت کے اغوا میں صرف مرد مجرم ہوتا ہے، عورت پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا وغیرہ وغیرہ۔

آگے لکھتے ہیں:

(اسلامی قانون تعزیرات اُن بد اخلاقیوں پر روک لگا سکتا ہے) جن پر تعزیرات ہند ساکت ہو یا بالخاصہ کوئی انسداد پیش نہ کرتا ہو، جس کی مثالیں حسب ذیل ہیں:

جوا کھیلنا، شراب نوشی اور دیگر اقسام نشہ جو شرعاً ممنوع ہیں، اولاد کا ماں باپ کو زد وکوب کرنا، شوہر کا زوجہ کے ساتھ وحشت آمیز یا بربریت کا برتاؤ کرنا، شارع عام پر ستر شرعی کھولے ہوئے پھرنا، مسلمان عورتوں کا کسب کا پیشہ اختیار کرنا، مسلمان عورتوں یا مردوں کا شارع عام پر گانا بجانا، کتابی شکل میں فواحشات کی تجارت کرنا، سینما اور تھیٹروں کا دیکھنا اور ان کا پیشہ اختیار کرنا، مکانات اور آراضیات موقوفہ یا قبرستانوں کو مسلمانوں کا دیدہ ودانستہ خلاف شرع منتقل کرنا، اولیاء، یتیموں اور نابالغوں کے اموال میں خیانت کرنا، مساجد اور متبرک مقامات میں دنگا فساد کرنا (۴۹)۔

گذشتہ تفصیلات کی روشنی میں یہ امر عیاں ہے کہ وضعی قوانین جرائم کے بڑھتے ہوئے

سیلاب پر روک لگانے میں ناکام ہیں، صرف اسلامی حدود وتعزیرات ہی انسانی معاشرے سے جرائم کو ختم کر سکتے ہیں، اس بنا پر موجودہ دور میں اسلامی حدود وتعزیرات کی معنویت دوچند ہو جاتی ہے، لیکن مغربی مفکرین اور نام نہاد روشن خیال لوگ دانستہ یا غیر دانستہ نہ صرف یہ کہ اسلامی حدود تعزیرات کے نفاذ میں رکاوٹ ہیں بلکہ اس کی اہمیت کو ختم کرنے کی جد وجہد میں مصروف ہیں۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ اسلامی حکومتیں اس حوالے سے بیدار ہوں اور فوری طور پر اپنی مملکت میں اسلامی حدود وتعزیرات کا نفاذ کریں تا کہ جرائم کی چکی میں پستی ہوئی انسانیت امن و سکون کے ماحول میں سانس لے سکے۔

## فہرست حوالہ جات:


(۱) التشریع الجنائی الاسلامی، عبدالقادر عودہ، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ج:۱، ص:۶۶۱.

(۲) التشریع الجنائی الاسلامی، عبدالقادر عودہ

(۳) مقدمہ "بین الجرائم والحدود فی الشریعۃ الاسلامیہ والقانون" احمد موافی، ص: ۳.

(۴) کتاب الحدود والسلطان، ڈاکٹر عبداللہ قادری اہدل، مشمولہ: المکتبۃ الشاملۃ (الیکٹرانک لائبریری)

(۵) سورۂ مائدہ، آیت: ۳.

(۶) سورۂ یونس، آیت: ۶۴.

(۷) سورۂ احزاب، آیت: ۶۲.

(۸) سورۂ شوریٰ، آیت: ۳۸.

(۹) بنی اسرائیل، آیت: ۱۵، سورۂ انعام آیت: ۱۶۵.

(۱۰) سورۂ مائدہ، آیت: ۴۲.

(۱۱) الحدیث

(۱۲) الحدیث

(۱۳) التشریع الجنائی، عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۱۷ تا ۲۴.

(۱۴) مستفاد از منۃ المنعم شرح صحیح مسلم، مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، مکتبہ نعمت دیوبند، ص: ۲۷۶۲۷۵ -.

نیز دیکھئے: التشریع الجنائی: عبدالقادر عودہ، ص: ۶۱۱ ۶۱۲۔

(۱۵) التشریع الجنائی: عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۷۸ تا ۷۹۔

(۱۶) التشریع الجنائی: عبدالقادر عودہ، // // ص: ۶۳۸۔

(۱۷) التشریع الجنائی: عبدالقادر عودہ، // // ص: ۶۳۵۔

(۱۸) التشریع الجنائی: عبدالقادر عودہ، // // // //

(۱۹) اسلام اور حدود وتعزیرات، مفتی جمیل احمد تھانوی

(۲۰) التشریع الجنائی: عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۶۳۶۔

(۲۱) التشریع الجنائی الاسلامی: عبداللہ بن سالم الحمید، ص: ۱۰۳۔

(۲۲) التشریع الجنائی الاسلامی: عبداللہ بن سالم الحمید، ص: ۱۰۲۔

(۲۳) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۶۳۶۔

(۲۴) الحدیث

(۲۵) معارف القرآن، مفتی شفیع صاحب، مکتبہ رشیدیہ سہارنپور، ج: ۱، ص: ۴۷۳، بحوالہ تفسیر المنار، مفتی عبدہ: ج: ۲، ص: ۲۲۶۔

(۲۶) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۶۵۰۔

(۲۷) التشریع الجنائی الاسلامی: عبداللہ بن سالم الحمید، ص: ۱۰۶۔

(۲۸) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۶۵۰۔ اور التشریع رعبداللہ، ص: ۱۰۹۔

(۲۹) روزنامہ ہند سماچار، جالندھر، ص: ۱۰، تاریخ: ۷/۱۰/۲۰۱۲ء۔

(۳۰) التشریع الجنائی الاسلامی: عبداللہ بن سالم، ص: ۱۰۷۔

(۳۱) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۶۴۹۔

(۳۲) معارف القرآن، مفتی شفیع صاحب، مکتبہ رشیدیہ سہارنپور، ج: ۱، ص: ۴۷۴، بحوالہ کتاب الجواہر، علامہ طنطاوی۔

(۳۳) مفتی جمیل احمد تھانوی نے خانگی امور پر ہونے والے چوری کے اثرات کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے دیکھئے: اسلام اور حدود وتعزیرات، ترتیب: مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی، ادارہ اشرف التحقیق جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور، ص: ۱۴۰ تا ۱۴۳۔

(۳۴) سورۂ مائدہ، آیت: ۳۸۔

(۳۵) صحیح البخاری: ج: ۲، ص: ۱۰۰۳، کتاب الحدود۔

(۳۶) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۶۵۲۔

(۳۷) اسلام اور حدود و تعزیرات، مفتی جمیل احمد تھانوی، ص: ۱۵۴ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ، ج: ۲، ص: ۱۲۔

(۳۸) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۶۵۹۔

(۳۹) التشریع الجنائی الاسلامی: عبداللہ بن سالم الحمید، ص: ۱۲۱۔

(۴۰) التشریع الجنائی الاسلامی: عبداللہ بن سالم الحمید، ص: ۱۲۶۔

(۴۱) التشریع الجنائی الاسلامی: عبداللہ بن سالم الحمید، ص: ۱۲۶۔

(۴۲) التشریع الجنائی الاسلامی: عبداللہ بن سالم الحمید، ص: ۱۲۸۔

(۴۳) سورہ بقرہ، آیت: ۱۷۸ اور سورہ مائدہ، آیت: ۴۵۔

(۴۴) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، ج: ۱، ص: ۶۶۴۔

(۴۵) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، ملخصاً۔

(۴۶) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ، ملخصاً۔ اور التشریع الجنائی: عبداللہ بن سالم الحمید

(۴۷) التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ

(۴۸) عمدۃ المنعم، ص: ۲۸۲ تا ۲۸۳۔

(۴۹) ہندوستان میں قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ، جناب مولوی سید عقیل محمد صاحب، ندوۃ المصنفین، دہلی۔ ص: ۳۸، ۳۷، ۳۶۔

☆☆☆

# ہندوستانی یونیورسٹیز کے شعبہ قانون کے نصاب میں اسلامی قانون کا تناسب

ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی ازہری

## تمہید: ہندوستان میں قانونی تعلیم:

ہندوستان ایک ایسا جمہوری ملک ہے جہاں قانونی تعلیم کا انتظام بڑے پیمانہ پر ہے، آزادی ہند ۱۹۴۷ء سے آج تک قانونی تعلیم کے فروغ اور اس کے نظام ونصاب میں درستگی کے لئے مختلف تبدیلیاں کی جاتی رہی ہیں، اس کے معیار کی بلندی کے لئے بہت سے اصول وضابطے متعین کئے گئے، یکساں مناہج کی منصوبہ بندی کی گئی تا کہ اس کے علمی وپیشہ ورانہ طریقہ کار کی تعیین عمل میں آسکے۔

## ہندوستان میں قانونی تعلیم کے ذرائع:

ہندوستان میں قانونی تعلیم دوذریعہ سے مکمل ہوتی ہے:

۱-روایتی یونیورسٹیاں اوران کے قانونی شعبے (قانونی تعلیم کی فیکلٹیاں)۔

۲-بارکونسل آف انڈیا کے مخصوص قومی قانونی ماڈل اسکول (National Law School of India University)

اسی طرح ہندوستان میں اعلی تعلیم کے استحکام وترقی کے لئے حکومت ہند نے دو ذمہ

وارادارے قائم کئے، ایک یونیورسٹیز گرانٹ کمیشن UGC جو ہر قسم کی اعلیٰ تعلیم کی قانونی ذمہ دار ہے(۱)، دوسری بارکونسل آف انڈیا (The Bar Council of India) جو قانون اور اس کی تعلیم وترقی کی مخصوص ذمہ دار ہے(۲)۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہندوستان کے تمام قانونی تعلیم کے ادارے دی گئی تنظیمی آزادی کے ساتھ ان کے نصاب وضابطوں کے پابند ہیں۔

## بارکونسل آف انڈیا و یو جی سی کا نصاب قانون اور اس میں اسلامی قانون کا تناسب:

بارکونسل آف انڈیا و یو جی سی قانونی تعلیم کی دونوں طرح کی ڈگریوں کا اعتراف کرتی ہیں، ایک تین سالہ (Bachelor Degree in Law) ہے، اس میں داخلہ کسی دوسرے شعبہ میں حاصل کردہ ڈگری کے بعد ہوتا ہے، دوسری پانچ سالہ (Integrated bachelor degree or "Integrated Degree Course in Law") ہے، اس میں داخلہ بارہویں کلاس (درجہ)(10+2 or courses 11+1) میں کامیابی کے بعد ہوتا ہے(۳)۔

دونوں ڈگریوں کے طالب علم پر کم سے کم ۸۲ مضامین ضروری ہیں، ان میں سے ۸۱ لازمی قانونی مضامین، ۴ کلینیکل (لازمی) مضامین، ٦ بارکونسل آف انڈیا یا یونیورسٹی کے اختیاری مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں۔ تخصص (Specialization or Honours) میں مذکورہ ۲۸ مضامین کے علاوہ ۸ مضامین اور لازمی ہیں، اس طرح تخصص کرنے والے طلبہ پر کل ٣٦ مضامین ضروری ہیں(۴)۔

## جامعی مرحلہ میں لازمی قانونی مضامین میں اسلامی قانون کا تناسب:

نصاب میں کل بیس مضامین کا ذکر ہے، اس میں سے صرف مضمون نمبر ۵ و ٦ بعنوان خاندانی قانون (5.&6. Family Law (2 papers) اور مضمون نمبر ۱۱ بعنوان قانون ملکیت (11-Property Law) ہی صرف پرسنل لاز سے متعلق ہیں، جس میں سارے

مذاہب کے پرسنل لا زشامل ہیں، مسلم پرسنل لا بھی انہی میں سے ایک ہے، ان ہی دو مضامین کے ضمن میں یونیورسٹیوں کے شعبہ قانون میں مسلم پرسنل لا ز کی تعلیم ہوتی ہے۔

جب کہ مضمون نمبر ۱ بعنوان اصول قانون یا فقہ وفلسفہ قانون (Jurisprudence (Legal method, Indian legal system, and basic theory of Law)

میں صرف ایک یونٹ بعنوان قدیم ہندوستانی تاریخ میں دین کے تصور کے (2.6.1. The Ancient: the concept of Dharma) تحت ایک موضوع زیر بحث آتا ہے، جسے قانون تشریعی یا علم قانون کے مدارس (Schools of Jurisprudence) کے نام سے پڑھایا جاتا ہے، بار کونسل آف انڈیا یا یو جی سی کے نصاب میں اسلامی تصور قانون کے نام سے کوئی تصریح نہیں، مگر گنجائش کو استعمال کرتے ہوئے بہت سی یونیورسٹیاں اسلامی تصور قانون کو بھی زیر بحث لاتی ہیں، جیسا کہ بعد میں آئے گا جب کہ ہندو تصور قانون کی تصریح موجود ہے۔

اور مضمون نمبر ۹ و ۱۰ بعنوان دستوری قانون (9.&10. Constitutional Law (two papers) میں یونٹ نمبر ۵ سیکولرزم کے عنوان سے ہے، اس میں ایک موضوع مذہب وریاست کے حدود (Religion and the state: the limits) بھی ہے جس میں ضمنی طور پر مذاہب سے متعلق گفتگو زیر بحث آتی ہے۔

## جامعی مرحلہ میں اختیاری قانونی مضامین میں اسلامی قانون کا تناسب:

اختیاری مضامین کو کل سات مجموعوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱- دستوری قانون (Comprative Constitution)۔

۲- تجارتی قانون (Business Law Group)۔

۳- عالمی تجارت کا قانون (International Trade)۔

۴-علم جریمہ وجرائم کا قانون(Crime & Criminology)۔

۵-عالمی قانون(International Law)۔

۶-قانون زراعت(Law & Agriculture)۔

۷-قانون فکری ملکیت(Intellectual Property)۔

ان میں سے پہلا مجموعہ دستوری قانون پر مشتمل ہے، اس کے ذیلی موضوعات میں سے ایک تقابلی دستور (Comprative Constitution) ہے، اسی کے ضمن میں ایک موضوع: دونوں جنسوں کے درمیان انصاف اور حقوق نسواں کی علمبردار فقہ پر مشتمل ہے، اس کے تحت کچھ اسلامی قوانین کو بھی جگہ دی جاسکتی ہے۔

پہلے مجموعہ کے اختیاری مضامین میں سے ایک مضمون قانون مقارن (BC1004A Comprative Law) پر ہے، اس کے تحت دوسری یونٹ، ایک نظر دنیا کے بڑے قانونی نظام (2. World's major legal system: an averview) پر ہے، اسی کے ضمن میں تاریخی طور پر دنیا کے دوسرے نظامہائے قانون کے ساتھ تھوڑی بہت نظر اسلامی قانون (Islamic Law) پر بھی ڈالی جاتی ہے۔

اس مجموعہ کے اختیاری مضامین میں سے ایک قانونی تاریخ (BC1004A Legal History) ہے، اس کے ضمن میں اسلامی قانون کی تاریخ، عہد وسطی کے ہند میں عدالتی نظام (عہد اسلامی)۔

1.4. Judicial system in medieval India: Muslim period.

1.5. The Mughal period: Judicial system

بھی داخل ہوجاتی ہے۔

اسی مجموعہ کے اختیاری مضامین میں سے ایک تعارض قوانین (BCI006 Conflict of Law) ہے، اس میں مختلف قوانین کے درمیان تعارض کی شکل میں پرسنل لا کے

مسائل جیسے شادی، حضانہ، میراث، تبدیلی مذہب اور اس کے اثرات وغیرہ کے مسائل زیر تدریس آتے ہیں، جس میں مسلم پرسنل لا بھی ہے۔

اسی مجموعہ کے اختیاری مضامین میں سے ایک قانون نسواں واطفال (BCl013A Women and Law and Law relating to child) ہے۔ اس میں میراث، حضانہ کا حق، طلاق وغیرہ کے مسائل بخصوص عورت وطفل زیر تعلیم ہوتے ہیں۔

اسی مجموعہ کے اختیاری مضامین میں سے ایک غربت وترقی اور قانون (BCl013B Law, Poverty and Development) ہے۔ اس کی یونٹ تصور غربت (The concept of poverty) ہے، اس کا تھوڑا تعلق مذاہب سے ہوتا ہے، اس کا عنوان ہے، مذہب اور غربت (1.7. Religion and poverty)۔

## جامع تخصصی مرحلہ اور قانونی مضامین میں اسلامی قانون کا تناسب:

اس مرحلہ کے تخصص کرنے والے طلبہ پر کل آٹھ مضامین ضروری ہوتے ہیں، ان میں سے چند ہیں جو پرسنل لاز سے متعلق ہیں جیسے دونوں جنسوں کے درمیان انصاف (2. Gender Justice (034 BCl)، اسی طرح قانون اور معذور لوگ (6. Law and the Disabled (038 BCl)، اس میں ایک یونٹ معذوروں کے ساتھ مذہبی اخلاقیات (2.1. Moral of religious disablity) کے نام سے پڑھائی جاتی ہے یو جی سی کے نصاب میں تو صرف ہندو مذہب کی اخلاقیات کی صراحت ہے، البتہ یونیورسٹیاں اس کے ضمن میں اگر اسلامی اخلاقیات پر بھی روشنی ڈالیں تو قانونی طور پر کوئی ممانعت نہیں۔

اسی طرح قانونی پیشہ اور قانونی اخلاقیات (BCl 420, 10. Legal profession and legal Ethics) کے مضمون کے اندر ایک یونٹ مسلم وہندو پرسنل لا کی ترقی میں مسلم وہندو فقہاء قانون کا رول (1.2. Role of the Jurists in

(development of Hindu Law, Mohammedan Law کے عنوان سے ہے۔

## درجات علیا اور قانونی مضامین میں اسلامی قانون کا تناسب:

## درجات علیا میں لازمی قانونی مضامین میں اسلامی قانون کا تناسب:

درجات علیا میں طلبہ پر مندرجہ امور ضروری ہیں:

۱-مقالہ کی تیاری۔

۲-عملی کام۔

۳-چار لازمی مضامین۔

۴-ایک اختیاری مجموعہ میں سے ٦ مضامین۔

**کل لازمی قانونی مضامین چار ہیں ان میں سے:**

۱-ہندوستان میں سماجی تبدیلیاں اور قانون (01 Law and Social Transformation in India) کے تحت چند ذیلی عناوین میں کچھ مذہبی مواد ہوتا ہے جیسے مذہب اور قانون (Religion and the Law) مذہب ایک تقسیم کرنے والی حقیقت (Religion as a devisve factor)،خواتین اور قانون (Women and the Law) ، بچے اور قانون (Children and the Law)، جدیدیت اور قانون (Modernisation and the Law)، خاندانی اصلاح کا قانون (Reform of Family Law)۔

۲-ہندوستانی دستوری قانون (002 Indian Constitutional Law: The New Challenges) میں ایک ذیلی مضمون کچھ مذہبی گفتگو پر مشتمل ہوتا ہے، وہ ہے سیکولرزم اور مذہبی تعصب (8. Secularism and religious fanaticism)۔

۳-عدالتی کارروائی(03 Judicial proces)۔

اس میں چوتھی یونٹ عدالت کے مفہوم ومطالب (The Concepts of Justice) کےعنوان سے ہے، اس میں ذیلی عناوین مغربی وہندی جیسے (The concept of justice of Dharma in Indian thought)

عدالتی مفہوم پر ہے، جبکہ اسلامی عدالتی مفہوم کی صراحت نہیں۔

(Dharma as the foundation of legal ordering in India thought)

## درجات علیا میں اختیاری مجموعوں کے مضامین میں اسلامی قانون کا تناسب:

یوجی سی کے نصاب میں کل ۱۱ مجموعے بیان کئے گئے ہیں:

۱-عالمی قانون اور عالمی تنظیمیں (Group - A: International Law and organisation)۔

۲-جنائی (فوجداری) قانون(Group - B: Criminal Law)

۳-تجارتی قانون(Group-C: Business Law)۔

۴-کام، کام کرنے والے، راس مال اور قانون (Group-D: Labour, Capital and Law)۔

۵-ماحولیات اور قانونی نظام (Group-E: Eanvironment and Legal Order)۔

۶-تشریحی قانون کاعلم یا اصول قانون(Group-F Jurisprudence)

۷- دستور اور قانونی نظام (Group-G Constitution and Legal Order)۔

۸-عورتوں کے مساوات کی تائید والا قانون ایک تجزیہ یا قانونی نظام کی تحریک نسواں پر تنقید(Group-H: Feminist Critique of Legal order)۔

۹- سائنس، ٹکنالوجی اور قانون (Group-I Scince, Technology and Law)۔

۱۰- قانون انسانی حقوق(Group-J: Human Rights Law)

۱۱- تنظیمی قانون(Group-K: Administrative Law)

مذکورہ مجموعوں میں سے دوسرے مجموعہ (۲)۔ جنائی (فوجداری) قانون (Group-B Criminal Law)۔ میں ایک مضمون سزا، مجرموں کے ساتھ معاملہ (B 013 Penology: Treatment of Offenders) ہے، اس کے تحت ذیلی موضوع، سزا کے بارے میں اسلام و ہندو مذہب کا منہج (2.6. Classical Hindu and Islamic approaches to punishment) اسی مجموعہ میں ایک مضمون جنائی عدالت کا نظام اور اجتماعی تشدد (B 017 Collective violence and Criminal Justice system) ہے۔ اس کے ضمن میں ایک موضوع (2.1 Religiously sanctioned structural violence: Caste and gender based) تھے۔ اسی میں دوسرا موضوع ہندو، جین، بدھ عیسائی مذاہب اور ہندوستان میں اسلامی روایات کے اندر اہنسا ہے (2.2. Ahimsa in Hindu, Jain, Buddhist, Christian and Islamic traditions in India)۔

چھٹا مجموعہ (۶) تشریحی قانون کا علم یا اصول قانون (Group - F Jurisprudence) ہے، اس میں ایک مضمون سوسائٹی اور قانون کے عنوان سے مندرج ہے، (F 040 Law and Society)، جس کے اندر ایک موضوع دین، تعلیم اور قانون سماجی (کنٹرول) نگرانی کے بنیادی ذرائع (4.2. Religion, education and law

(as key instrumentalities of social control کے عنوان سے ہے، جس میں مذہب کو ایک کنٹرولر کے اعتبار سے گفتگو ہوتی ہے۔

آٹھواں مجموعہ (۸) عورتوں کے مساوات کی تائیدوالا قانون ایک تجزیہ یا قانون نظام کی تحریک نسواں پر تنقید: (Group-H: Feminist Critique of Legal Order) ہے، اس میں ایک مضمون عورتوں کی مساوات پر مبنی نظریہ سازی اور قانونی نظام (H 048 Feminist Theorizing and legal order) میں عورتوں سے متعلق مختلف نظریات ونظم پر گفتگو ہوتی ہے، جس میں اسلامی نظام حیات پر بھی نظر ڈالی جاسکتی ہے۔

اسی طرح اس مجموعہ میں ایک مضمون قومیت پسندوں کی جدوجہد اور صنفی مساوات (H 049 Nationalist Struggle and Gender Equality) اور ہندوستانی قانون میں پدری عناصر (H 050 Patriarchal Elements in Indian Law) میں بھی کچھ مذہبی گفتگو سامنے آتی ہے۔

دسواں مجموعہ: (۱۰) قانون انسانی حقوق (Group-J: Human Rights Law) میں ایک مضمون تصور ترقی حقوق انسانی (J 060 Concept and development of Human Rights) کے اندر بھی کچھ مذہبی بات سامنے آتی ہے۔

گیارہواں مجموعہ (۱۱) تنظیمی قانون (Group-K: Administrative Law) میں بھی ایک مضمون ارتقاء اور گورننس کے مختلف سسٹم میں انتظامی قانون کی اہمیت قدیم سے جدید تک (1. Evolution and Significance of Administrative Law in Various Systems of Governance - Form Ancient to Modem) بھی مذہبی بات چیت کا ذریعہ ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ بارکونسل آف انڈیا اور یو جی سی کے ماڈل نصاب میں صرف دو مضامین ہی ڈائریکٹ وصراحت کے ساتھ پرسنل لاز سے تعلق رکھتے ہیں، وہ خاندانی وملکیت کے

قانون سے پہچانے جاتے ہیں، باقی اصول قانون یا فلسفہ قانون میں بھی پرسنل لاز کے اصولوں سے بحث ہوتی ہے، ان کے علاوہ مذکورہ مضامین صرف عمومی مذہبی گفتگو پر مشتمل ہیں ان کا صراحت واختصاص کے ساتھ پرسنل لاز کے قوانین کی تدریس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا (۵)۔ البتہ اداروں کوان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سلسلہ میں اسلامی قانون کی تدریس کا اہتمام ممکن ہے جیسا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور اس جیسی یونیورسٹیوں کے اندر پایا جاتا ہے۔

## علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ قانون کے نصاب میں اسلامی قانون کا تناسب:

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھی یو جی سی اور بار کونسل آف انڈیا کے قواعد وضوابط کی قانونی طور پر پابند ہے، قانون کے دائرے میں دی گئی آزادی تنظیم کے استعمال کرتے ہوئے یونیورسٹی کے شعبہ قانون نے دوسرے پرسنل لاز کے ساتھ مسلم پرسنل لا واسلامی قانون کی تدریس کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ اس کے نصاب کے اندر اس سلسلہ کے مضامین کا جائزہ مندرجہ سطور میں پیش کیا جاتا ہے:

## علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ قانون میں جامعی ڈگری کے قانونی نصاب میں اسلامی قانون کا تناسب:

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ قانون میں جامعی ڈگری پانچ سالہ ہے جو بی ایل ایل بی کے نام سے معروف ہے، اس میں یہ مضامین اسلامی قانون کی عکاسی کرتے ہیں:

۱- اسلامی اصول فقہ (قانون) (Islamic Jurisprudence-301)، یہ یو جی سی وبار کونسل آف انڈیا کے مقررہ نصاب اصول قانون سے ماخوذ ہے۔

۲- اسلامی قانون ذاتی زندگی (یا مسلمانی حیثیت) سے متعلق (مسلم پرسنل لا) (Muslim Law relating to status-401)، یہ یو جی سی وبار کونسل کے مقررہ نصاب خاندانی قانون سے ماخوذ ہے۔

۳- املاک سے متعلق اسلامی قانون (Muslim Law Relating to Property)، یہ یو جی سی وبار کونسل کے مقررہ نصاب قانون ملکیت سے ماخوذ ہے(٦)۔

## علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ قانون میں درجات علیا کے قانونی نصاب میں اسلامی قانون کا تناسب:

درجات علیا میں یہ مضامین اسلامی قانون کی عکاسی کرتے ہیں:

۱- اسلامی اصول فقہ (قانون) (Islamic Jurisprudence-311)، یہ یو جی سی وبار کونسل کے مقررہ نصاب اصول قانون سے ماخوذ ہے۔

۲- اسلامی قانون ذاتی زندگی (یا مسلمانی حیثیت) سے متعلق (مسلم پرسنل لا) (Muslim Law relating to status-312)، یہ یو جی سی وبار کونسل کے مقررہ نصاب خاندانی قانون سے ماخوذ ہے۔

۳- اسلامی قانون ذاتی زندگی (یا مسلمانی حیثیت) سے متعلق (مسلم پرسنل لا) (Muslim Law relating to status-413)، یہ یو جی سی وبار کونسل کے مقررہ نصاب خاندانی قانون سے ماخوذ ہے۔

۴- املاک سے متعلق اسلامی قانون (Muslim Law relating to Property-313)، یہ یو جی سی کے مقررہ نصاب قانون ملکیت سے ماخوذ ہے۔

۵- املاک سے متعلق اسلامی قانون (Muslim Law Relating to Property-413)، یہ یو جی سی وبار کونسل کے مقررہ نصاب قانون ملکیت سے ماخوذ ہے۔

٦- اسلامی قانونی نظام (Islamic Legal System-LLM IV) یہ یو جی سی وبار کونسل آف انڈیا کے ساتویں اختیاری مجموعہ (۷) دستور اور قانونی نظام (Group-G Constitution and Legal Order)،اور گیارھویں اختیاری مجموعہ (۱۱) تنظیمی قانون

(Group:K: Administrative Law) کے موضوعات کے ضمن میں آتا ہے، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ قانون کے تفصیلی نصاب میں اسلامی نظام قضاء، واسلام میں حقوق انسان اورعورتوں کے حقوق ومنزلت کی یونٹس بھی پائی جاتی ہیں جو بارکونسل آف انڈیا ویوجی سی کے نصاب ہی سے ماخوذ ہیں، اگر چہ ان کے نصاب میں اسے دوسرے مجموعات یا موضوعات میں رکھا گیا ہے۔

۷- اسلامی فوجداری قانون (Islamic Criminal Law-LLM IV)، یہ یوجی سی وبارکونسل آف انڈیا کے دوسرے اختیاری مجموعہ (۲)، جنائی (فوجداری) قانون (Group-B: Criminal Law) کے موضوعات کے ضمن میں آتا ہے (۷)۔

## دوسری یونیورسٹیوں کے شعبہ قانون کے نصاب میں اسلامی قانون کا تناسب:

جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ تمام یونیورسٹیوں کے شعبہ قانون وبارکونسل آف انڈیا اور یوجی سی کے اصول وضابطوں اوران کے رہنما ماڈل نصاب ہی کی پابندی ہوتی ہیں اس لئے ان کے نصاب پر غور کرنے سے وہی نتائج ماخوذ ہوتے ہیں جوعلی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ہوئے، جیسا کہ اس کی تفصیل ہماری بحث ہندوستانی جامعات میں قانونی مناہج میں مفصل درج کی گئی ہے۔

## خلاصہ بحث:

آخر میں خلاصہ بحث کے طور پر اس کا اظہار کیا جانا حق بجانب ہوگا کہ اسلامی قانون کی تدریس بارکونسل آف انڈیا ویوجی سی کے نصاب میں اور اس پر مبنی ہندوستانی جامعات کے شعبہائے قانون کے مناہج میں بہت کم ہے تمام مضامین میں سے صرف دوہی (خاندان واملاک سے متعلق اسلامی قانون) اہمیت کے حامل ہیں، جبکہ اسلامی قانون کے دوسرے اجزاء پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جاتی مگر ضمنی طور پر جیسا کہ اوپر کی بحث سے ثابت ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ ہندو قانون ہی کی طرح اسلامی قانون کو بھی ان مضامین کے تحت جگہ دی گئی

ہے، اب ہمارے قانونی اداروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسلامی قانون کی پاسداری واظہار حق کافریضہ کس حسن اسلوبی واخلاص سے انجام دیتے ہیں۔

اللہ تعالی ہماری جہود کو قبول فرمائے اور اپنے فرائض کو انجام دینے کی طاقت نصیب کرے، آمین۔

## حواشی:

1. University Grants Commission Act, 1956, (As modified up to the 20th December, 1985) and Rules & Regulatins Under the Act: 10, Printed and published by, Secretary, University Grants Commission, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi-110002, and printed at: Mohan printing press, New Delhi-110015, Ph: 5932597, July 2002, ویراجع أیضا: http://www.ugc.ac.in/about/genesis.html.

2. http://www.barcouncilofindia.org/about/about -the-bar -council-of-india/history.

قانون وکلاء ۱۹۶۱ء بند ۴ صفحہ ۷ پر مندرجہ ذیل پتہ پر دیکھئے:

http://www.barcouncilofindia.org/wp-content/ uploads/2010/05/Advocates-Act 1961.pdf.

3. یراجع: bar council of India rules. Rules of Legal Education, p:2-part-IV, chapter:1, IV: وأیضا موقع نقابۃ المحامین http://www.barcouncilofindia.org/wpcontent/uploads/ 2010/05/BCIRules partIV.pdf.

4. Bar Council of India rules, Rules of Legal Education, p:21-22.

۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: یوجی سی کی ویب سائٹ پر مثالی نصاب تعلیم، ص: ۱۶۲-۱۹۴ اور

Bar Council of India Rules. Rules of Legal Education, P:23-30, Model Currculum+aw, chapter,1, p:10-11, & Chapter:

IV, P:410-499, http://www.ugc.ac.in/ policy/law. html, university regulations under the act. Chapter III LL.M. syllabus p:195-409. printed and published by: secretary, University Grants Commission, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi 110002, and printed at: Mohan printing press, New Delhi-110015, Ph:5932597, July 2002.

۵- ایضاً: مراجع http://www.ugc.ac.in/policy/law.html:// www.ugc.ac.in/ policy/modelcurr.html.

۶- دیکھئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ قانون کا نصاب (Syllabus Ballb-I to X semestes)۔

۷- دیکھئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ قانون کا نصاب (Syllabus LLM-I to IV semester)۔

☆☆☆

# موجودہ عہد میں اسلامی حدود وتعزیرات کی معنویت

ڈاکٹر شمس الدین ندوی، بھوپال

عالم اسلام کا جب سے وہ دور شروع ہوا جب وہ سامراجی طاقتوں کے زیر نگیں آ گیا، اور یہ سامراجی طاقتیں قدیم دور کے تاتاری سامراج کی طرح نہیں تھیں جو کہ علم وفکر کی حامل ہوں، اور سماج کے معقول و مستقل نظم وضبط کا ایک مکمل نظریہ وفلسفہ ہو، جدید سامراج جو اقوام یورپ پر مشتمل تھا وہ جدید طاقت وقوت ہی کے صرف حامل نہیں تھے، بلکہ ایک مکمل فلسفۂ زندگی رکھتے تھے، اور وہ زیر دست قوموں کے ساتھ چاہے غیر منصفانہ سلوک کررہے ہوں، مگر ان کے اپنے فلسفہ کے تحت وہ سب کچھ ان کی اصلاح وسدھار کے لئے تھا، ان کا واضح کنسپٹ یہ تھا کہ وہ حقوق انسانی سے نابلد اقوام کو انسانی حقوق کی اہمیت سے آگاہ کررہے ہیں۔

چونکہ عیسائیت کسی ایسی شریعت سے خالی تھی جو سول وفوجداری نظام قانون اور دستور حکمرانوں کو دے سکے۔ اس لئے ایک لمبے تصادم وٹکراؤ اور مختلف تجربات کے بعد یورپ اپنی دانست میں ایک مکمل وضعی قانون اختیار کرچکا تھا۔ اور اس کی برتری افضلیت واکملیت کے یقین کے ساتھ اپنی کالونیز میں نافذ کررہا تھا۔ چونکہ ان کا تقابل ابھی تک اسلامی قانون وشریعت، اس کے دیوانی وفوجداری قوانین سے ہوا ہی نہیں تھا، اس لئے یہ تصور کرلیا گیا تھا کہ دیگر مذاہب کی طرح اسلام بھی کسی ایسے نظام قانون سے محروم ہے جو انسانی حقوق کا ضامن ہو۔ اس لئے مسلم امت بھی ارباب کے ماحول میں اس پوزیشن میں نہیں آ سکی کہ اسلامی شریعت کو واضح طور پر منطقی انداز میں سامنے لا سکے، اور امت کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اسی ناواقفیت کا شکار رہا۔ اور مزید قدیم

وجدید کے مابین بعد کے رویہ نے ایک مشکل کھڑی کردی۔

مختلف قوموں کو پرسنل لاز کی حد تک اس لئے چھوٹ دی گئی کہ ان کا عمومی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا۔ ایک طویل عرصہ تک یہ حالت رہی اور سامراج سے آزادی کے بعد اہل علم کو شریعت اسلامی کی اہمیت وافادیت پر قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ جبکہ مسلم ملکوں پر حکمراں طبقہ نے وہی رول ادا کیا جو سامراجی طاقتوں نے کیا تھا، اور اگر جمال وکمال جیسے لوگوں کی بات کریں تو یہ نظر آئے گا کہ وہ سب کچھ تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

ہم اس یقین کے ساتھ یہ گفتگو آگے بڑھائیں کہ شریعت اسلامیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ آخری شریعت ہے جو قیامت تک جاری وساری رہے گی، اس کے احکام فرامین، اصول قوانین جوں کے توں رہیں گے، اسلامی حدود وشریعت مطہرہ کا ایک ناقابل تنسیخ باب ہے، اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شائبہ نہیں ہے، لیکن ''الناس اعداء لما جھلوا به'' کے مطابق ایک طبقہ ہمیشہ ایسا رہا ہے جس نے حدود اللہ کے صرف ایک پہلو کو دیکھا اور اس کے ظالمانہ وغیرہ منصفانہ ہونے پر واویلا مچایا۔ یا ''مانوتا واذ' اور اہنسا کی آڑ میں اسے ناقابل قبول وناقابل عمل بتلایا کہ آج کے ''حقوق انسانی کمیشن'' کے عہد میں اس طرح کی جابرانہ سزائیں ناقابل تصور ہیں۔ مگر ہم اس مختصر تحریر میں اسلامی حدود کی معنویت پر روشنی ڈالیں گے۔

مال انسانی زندگی کا ایک لازمی جزء ہے اس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی ضروریات خمسہ میں مال کو ایک بنیادی ضرورت گردانا گیا ہے، انسان مال کو محنت ومشقت کے بعد کماتا ہے اور پھر اسے اپنی ضروریات پر خرچ کرتا ہے اور اسے سینت کر رکھتا ہے، اور پھر اس کی حفاظت پر روپیہ پیسہ بھی خرچ کرتا ہے، اب اگر ایسی ضرورت کی بنیادی چیز چوری ہوتی ہے اور وہ دس درہم کے برابر ہے تو چور یا چورنی کا سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس کی وجہ ''نکالاً من اللہ'' میں بتلائی گئی، یہ چور جس کا ہاتھ گٹے تک کاٹا گیا ہے وہ بزبان حال وقال چلتا پھرتا ایک عبرت نامہ، پند وعظمت کا لاؤڈ اسپیکر ہے کہ جو کوئی میری

طرح کسی کا مال ناجائز طریقہ سے چرائے گا اس کا بھی یہی حال ہوگا، مطلب یہ ہوا کہ ظاہر میں یہ انتہائی سخت سزا ہے، لیکن دوسروں کو باز رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی دوسرا طریقہ کارگر نہیں ہے۔ ایک ہاتھ اس لئے کاٹا جائے کہ ہزاروں اور لاکھوں ہاتھ کٹنے سے بچ جائیں۔ یہ وہی بات ہے جو اہل علم کے نزدیک جنگ کے سلسلہ میں ایک مسلمہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ "Last War to end all wars"۔

اسی طرح زنا Fornication قبل الزواج کی سزا سو کوڑے اور زنا بعد الاحصان کی سزا سنگسار ہے، بادی النظر میں ایک سخت ترین سزا ہے، ایک آئیڈیل سماج اور لبرل انسان جس کا تحمل نہیں کرسکتا، لیکن یہ صرف سطحیت اور کم عقلی ہے کہ آدمی کسی دوسرے کی بات کو "as it is" دہرانے لگے بلکہ سوچنے کا ایک اور طریقہ ہے کہ وہ شخص خود اپنے آپ کو اس جگہ کھڑا کرے، جس کی یہ آپ بیتی ہے، ایک شریف النفس انسان جسے سماج میں عزت واحترام سے دیکھا جاتا ہے، اس کی کنواری دوشیزہ پر کوئی نظر بد ڈالتا ہے، اور پھر اس کے پردۂ عصمت کو تار تار کر دیتا ہے، تو اس کے جذبات کیا ہوں گے، اس کا اور جنبل Reaction کیا ہوگا، کیا اب بھی وہ اہنسا کا پاٹھ دہرائے گا؟ کیا اب بھی وہ مانوتا کی دہائی دے گا؟ یا وہ چاہے گا کہ اس مجرم کو سو نہیں ایک ہزار کوڑے مارے جائیں! یا اسے زندہ ہی گاڑ دیا جائے اور جس کسی میں اس طرح کے انفعالات پیدا نہ ہوں وہ حدیث کے الفاظ میں ''دیوث'' ہے عزت و ناموس کو سوداگر ہے وہ انسان نہیں بلکہ انسان کے روپ میں نانجار جانور ہے۔

سزائے رجم اور زیادہ المناک واذیت ناک ہے، کیونکہ اسلام نے نفسانی خواہشات کی پورتی کے لئے نکاح کا جائز طریقہ بتایا، اور اس سے لطف اندوزی کو "نساء کم حرث لکم فأتوا حرثکم أنی شئتم" کی کھلی آزادی سے اس میں مزید وسعت پیدا کی، یہی نہیں بلکہ بازار وشاہراہ عام پر اگر کسی کافر جوانی سے مرد کی نظریں دوچار ہوجائیں تو رسول اسلام نے اسے گھر آنے کا مشورہ دیا کہ ''فإن معها مثل الذی معها'' اور یہاں شب کی قید بھی باقی نہیں رہی۔

دوسری بات یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کے جائز طریقہ کو قرآن "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع" سے پورا کرنے کی آزادی دیتا ہے، اور اگر آج بھی "وما ملکت أیمانکم" والی سہولت ہوتو پھر اس میں اعداد وشمار کی قید بھی باقی نہیں رہتی، ان تمام آزادیوں کے باوجود کوئی انسان اپنی جنسی خواہش کو غیر شرعی، غیر سماجی، غیر اخلاقی، غیر قانونی طریقہ سے پورا کرتا ہے تو یقیناً اس کی سزا سنگساری سے کم ہو، عقل اسے قبول نہیں کرتی۔ دیاو کروبا، رحم وکرم کے کھوکھلے نعروں کی دہائی دینے والے کیا یہ گوارہ کریں گے کہ ان کے گھر کی عزت، ان کے خاندان کی ناموس کسی اور کے ساتھ شب باشی کرے، ایک رات وہ کسی اور کے حجلۂ عروسی میں گزار کر آئے، اس عورت کا شوہر، اس کا خسر، اس کا نوجوان لڑکا یا لڑکی یہ گوارہ کریں گے کہ ان کی دیوی جیسی ماں دوسروں کی آغوش میں جھولے، وہ دوسروں کی مجلس کا چراغ بنے، ان کی محفل کی گرمی اور ان کے کلب کی زینت بڑھائے، اگر جواب ہاں ہے تو ایسے بے ضمیر لوگ اسلامی حدود کو ہدف تنقید بناسکتے ہیں، عزت وناموس کے یہ کھدرا بیوپاری، رحم وکرم کا بے جان ڈھنڈورا پیٹ سکتے ہیں، مگر کوئی غیرتمند، باضمیر انسان کبھی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا اور نہ اس کا تصور کرسکتا ہے۔

اسی طرح قرآن "فساد في الأرض" کو ایک سنگین سماجی جرم تسلیم کرتا ہے اور ان مجرمین کے خلاف یہ سزا تجویز کرتا ہے کہ "أن یقتلوا أو یصلبوا أو تقطع أیدیھم وأرجلھم من خلاف أو ینفوا من الأرض" کے اسلامی فطری طریقہ کار کو اس کے پس منظر سے ہٹا کر ایک ظالمانہ سوچ قرار دیا جاتا ہے، جبکہ انہیں اس قسم کے حالات کا سامنا کرنا ہوتا ہے، تب قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے نام پر تمام انسانی حقوق کی پامالی، اور محکوم کی ہر قسم کی تباہی روا رکھی جاتی ہے۔ اسلام واضح طور پر تو "لاتزر وازرۃ وزر أخری" کے اصول کے تحت کارروائیاں کرتا ہے، جبکہ دیگر اقوام کی تاریخ سوائے بربریت کے اور کچھ نہیں ہے۔

کیونکہ وہاں صرف انسانی ایگو اور انا کام کرتی ہے، اور اسلام میں ان تعزیری

کارروائیوں میں یہ تصور کام کرتا ہے کہ یہ حدود انسان کے ذہن کی اپج نہیں بلکہ انسان کے پیدا کرنے والے نے انہیں مقرر کیا ہے جو اس کی فطرت وطبیعت ہزاج وسرشت کو جانتا ہے بلکہ وہ تو **یعلم خائنة الأعین و ماتخفی الصدور** کی صفت والا ہے۔

اگر کوئی سماج یا حکومت اپنے ملک میں امن وچین صلح وآشتی کی گنگا جمنا بہانا چاہتی ہے تو اسے تمام جنگوں کے خاتمہ کے لئے ایک جنگ تو لڑنی ہی پڑے گی، اگر کوئی سماج یا حکومت اپنے ملک میں امن وچین، صلح وآشتی کی گنگا جمنا بہانا چاہتی ہے تو اسے تمام جنگوں کے خاتمہ کے لئے ایک جنگ تو لڑنی ہی پڑے گی، اپنے مریض کو بچانے کے لئے ناسور میں نشتر لگانا ہی ہوگا، کہ مریض بچ جائے، کیا دنیا میں کوئی عقلمند ہے جو نشتر لگانے کو اتیا چار کہے، مریض کے ساتھ ہمدردی چیرا لگانے میں ہے یا اس کے ناسور کو یونہی چھوڑ دینے میں ہے۔جس طرح ناسور والی بات ایک مسلمہ تجربہ ہے ٹھیک اسی طرح سے سماج کو اخلاقی برائیوں سے پاک رکھنے کے لئے چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو سزا دینا اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا اور معاشرہ میں بدامنی پھیلانے والوں کو حسب حال مناسب ہو وہ سزا دینا، ان تمام قوانین کا نفاذ حقیقت میں معنویت کا وہ زبردست پہلو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جہاں حاکم ومحکوم کے درمیان، مالک ومملوک کا تصور نہیں، جہاں اللہ کے بندوں کو دیگر بندوں کی غلامی کا کنسپٹ نہیں ہے، خدائی قانون کو نافذ کرنے والی قوتیں صرف ایک درمیانی ذریعہ ہیں نہ کہ قانون ساز۔ اس لئے تمام بندوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کا ایسا زبردست پہلو ابھر کر آتا ہے جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے۔مگر اسے سامنے لانے کے لئے کسی اجباری تحریک کا سہارا لیا جاتا ہے تو ہم اپنے عمل سے شریعت اسلامیہ کے عادلانہ پہلو کو مزید مجروح کرنے کا کام کرگزرتے ہیں، نہ کہ ان کے قابل قبول بنانے کا۔میرے نزدیک یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے جہاں سے ہم کام کا آغاز کریں تو شاید اسلامی قانون کی معنویت کو نکھار کر پیش کرسکیں گے۔**و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین.**

☆☆☆

# عائلی قوانین کا نفاذ اور مشکلات

ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی ☆

عائلی قوانین کے پس منظر کے لئے یہ جان لینا نہایت مفید ہوگا کہ خلفاء عثمانیہ نے تیرہویں صدی عیسوی میں اپنے عروج کے بعد مسلمانوں کے مذہبی شخصی مسائل کے حل کے لئے اپنے پڑوسی عیسائی ممالک سے رابطے قائم کیے۔ فتح قاہرہ اور خلیفۂ عباسی مصری (دورِ عباسی ثانی) کے ذریعہ سلطانِ ترکی کو مذہبی تبرکات، مصحفِ عثمانی اور جبۂ رسول ﷺ وغیرہ کی منتقلی اور بطور خلیفہ دستار بندی کے ساتھ عائلی قوانین (پرسنل لا)(Personal Law) کی ابتدائی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ خلیفۂ عثمانی (سلطانِ ترکی) سے روس، مغربی و مشرقی یورپ اور وسطی ایشیاء وچین کے علاقوں میں پڑوسی ملکوں سے ہمیشہ آویزش رہتی تھی۔ جن میں کبھی غلبہ خلیفہ اور کبھی ان کے مخالفین کو ہوتا تھا۔ ان تمام علاقوں میں مسلمان بسے ہوئے تھے۔ لہٰذا خلیفہ نے اپنی مذہبی ذمہ داری اور حیثیت کو پیشِ نظر رکھ کر مسلمانوں کے مخصوص مذہبی مسائل کے حل کے لئے سنجیدہ و مسلسل کوششیں کیں اور عیسائیوں کے زیرِ نگیں علاقہ کے مسلمانوں کی مذہبی پیش وائیت اور ان کے مسائل کے حل کے لئے ہمیشہ فکرمندی کا مظاہرہ کیا جس کے خوشگوار نتائج نکلے، ساتھ ہی خلیفہ نے مسلسل یہ یقین دہانی ان حکومتوں کو کرائی کہ آپ کے سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کا یہ مسلمان ہمیشہ احترام کریں گے، اس طرح کی یقین دہانی غیر مسلم حکومتوں کے زیرِ نگیں رہنے والے مسلمان

---

☆ فیکلٹی آف تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

رعیت کے تمام طبقوں نے بھی کر ائی ۔لہٰذا مکاتبت کے نتیجہ میں خلیفہ کو قاضی، مفتی اور امام وغیرہ کے تقررات کے خصوصی مذہبی اختیارات حاصل ہوئے۔جس سے مسلمانوں کے شخصی عائلی قوانین (Muslim Personal Law) کے تحفظ کا خلیفہ کو اختیا رحاصل ہوا۔لہٰذا خلیفۂ عثمانی ہمیشہ ایسے علماء وفضلاء کا تقرر کر کے غیر مسلم علاقوں/ملکوں کی مسلم رعایا کے لئے بھیجتے کہ جو راسخ العلم ہوتے اور عوام الناس (مسلمانوں) کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔جس سے مسلمانوں کو غیر معمولی فائدے حاصل ہوئے۔اس کے نتیجہ میں عیسائی حکمرانوں کو بھی خلیفۂ عثمانی (سلطانِ ترکی) سے سلطنتِ عثمانی کے اندر رہنے والی عیسائی رعیت کے مذہبی حقوق کے تحفظ کی فکر لاحق ہوئی چنانچہ انہوں نے بھی خلیفۂ عثمانی سے عیسائیوں کے مذہبی حقوق، چرچ، پادریوں کا تقرر اور پرسنل لا کے تحفظ کی اپنی مذہبی ذمہ داریوں کا ذکر کیا جسے خلیفہ نے بھی بخوشی تمام عیسائی رعایا کو عطا فرمانے کا اعلان کیا۔اس طرح تمام عیسائی رعیت (جو سلطانِ ترکی کے زیر نگیں رہتی تھی) کو بھی مخصوص شخصی عیسائی عائلی قوانین (Christian Personal Law) کے حقوق دیے گئے۔

رومانوف خاندان (Romanof Dynasty) (1613ء-1917ء) جسے زار (Czar of Russia) بھی کہا جاتا ہے- نے لگ بھگ تین سو سال تک روس پر حکومت کی، اکتوبر 1917ء کے کمیونسٹ انقلاب سے اس حکومت کا خاتمہ ہوا۔پیٹر اعظم اپنی بیٹی ایلزبتھ کے ہاتھوں بغاوت کے بعد 1741ء میں مارے گئے۔ان کے محض تین سال کے بعد (1744ء) میں جرمن شہزادی انہالٹ زربسٹ (Anhalt Zerbst) (1729ء-1796ء) کی شادی پیٹر سوم سے ہوئی۔شادی کے بعد اس کا نام سوفی (Sophie) رکھا گیا۔پیٹر سوم جون 1729ء میں تخت نشین ہوئے۔کچھ ہی عرصہ کے بعد پیٹر سوم کا قتل ہو گیا (بعض مؤرخین الزام بیوی پر بھی لگاتے ہیں)۔شوہر کے قتل کے بعد انہالٹ زربسٹ (Anhalt Zerbst) یعنی سوفی (Sophe) کیتھرین دوم (CatherineII) کے نام سے 1762ء میں ہی تخت نشین ہوئی۔اور 1762ء سے 1796ء تک زارینۂ روس (Czarina of Russia) رہی۔اس کی

موت کے بعد اس کا بیٹا پال اول (Paul-1) تخت نشین ہوا۔ تاریخ میں اس کیتھرین دوم کو عظیم کیتھرین (Catherine the Great) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس کے دور میں خلیفہ کو مسلمانوں کے پرسنل لا کے حقوق کا نگراں، محافظ اور مذہبی امور کا پیشوا کیتھرین کے ذریعہ تسلیم کرنے کے بعد، کیتھرین کی طرف سے اسی طرح کا مطالبہ ترکی کی غیرمسلم (عیسائی) رعایا کے لئے کیا گیا اور مسلمانوں کی طرح عیسائیوں کے لیے مذہبی امور کی انجام دہی ورہنمائی کے لیے عیسائی مذہبی علماء و پادریوں کے تقرر کے اختیارات کیتھرین کو تفویض کرنے کا مطالبہ کیا گیا جس کو خلیفۂ عثمانی، سلطانِ ترکی نے بخوشی قبول کرلیا۔ یہاں سے پرسنل لا کے تحفظ اور اس کو بطور حق غیر عیسائی (مسلم) اور غیرمسلم (عیسائی) کے لئے تسلیم کرنے کی تحریک ٹھوس نتیجہ کی شکل میں سامنے آئی۔ اور بالآخر اس کو حق کے طور پر تمام مسلم دنیا میں غیرمسلموں کے لئے اور تمام غیرمسلم دنیا میں مسلمانوں کے لئے تسلیم کرلیا گیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے قاضی، مفتی کا تقرر اور اس کی عدالت میں شریعت کی روشنی میں فیصلے، اسی طرح غیرمسلم ہندو رعایا کے لئے پنڈت کا تقرر کہ جس کے ذریعے ہندو عوام کے فیصلے ان کے ہی مذہبی پیشوا ان کے مذہب کے مطابق کرتے تھے یہ بھی دورِ وسطیٰ میں پرسنل لا کے تحفظ کی ہی ایک شکل تھی۔ بعض غیرمسلم ہندو اپنی مذہبی عدالت کے بجائے قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنا اس خیال کے تحت پسند کرتے تھے کہ ان کے بقول انہیں قاضی کے یہاں پنڈت کے مقابلہ میں انصاف کی قوی امید ہوتی تھی۔ اس کی بھی حکومت کی طرف سے اجازت تھی۔

ہندوستانی غیرمسلم رعایا کے مخصوص مذہبی، شخصی قوانین (Personal Laws) کے علاوہ باقی تمام معاملات میں شریعتِ محمدی نافذ تھی، فیصلے شریعت کی روشنی میں ہوتے تھے۔

1791ء میں گورنر جنرل ہندوستان نے ایک فرمان (Regulation) جاری کیا کہ شریعتِ محمدی صرف اس وقت نافذ ہوگی کہ جب فریقین مسلم ہوں، باقی شہریوں پر برطانوی

قوانین نافذ ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی عدالت کی زبان، بحث وغیرہ میں بھی بنیادی تبدیلی کردی گئی اب ہندوستانی، ہندو مذہب، اسلام وغیرہ کی نظیریں فرسودہ قرار دے دی گئی۔ ان کی جگہ برطانوی، یورپی نظیریں اصل قرار پائیں۔ آگے چل کر تمام مقدمات اونچی عدالتوں میں صرف انگریزی زبان میں دائر ہونے لگے، بحث وغیرہ سب انگریزی میں ہونے لگی، مقدمات کے فیصلے بھی انگریزی میں ہی ہونے لگے۔ یہ سلسلہ آج تک 61 سال کی آزادی کے بعد بھی قائم ہے۔1791ء کی تبدیلی کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ پُرانا طبقہ جو عدالتوں سے وابستہ تھا سب بے روزگار ہوگیا۔ اس کے علاوہ اب تک جو اقتدار اعلیٰ انہیں عدالتوں وغیرہ کے ذریعہ حاصل تھا اس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ دستور ہند (The Constitution of India) کے حصہ تین (Part-111) میں بنیادی حقوق (Fundamental Rights) دستوری دفعہ 12 سے 35 تک عطا کئے گئے ہیں۔ جن میں سے دفعہ 25 سے 28 تک مذہبی آزادی کے حقوق (Right of Rreedom of Religion) خصوصی طور پر دیے گئے۔ ان چاروں دفعات میں سے دفعہ 25 ودفعہ 26 خاص کر مذہبی آزادی کی گارنٹی دیتی ہے۔ دونوں کی سرخیاں ذیل میں ہیں:

25. Freedom of Conscience and Free Profession, Practice and Propagation

(ضمیر کی آزادی، پیشہ کی آزادی، (مذہب پر) عمل اور تبلیغ کی آزادی)۔

26. Freedom to manage Religious Affairs

(مذہبی اجتماعات کی آزادی)۔

ان دونوں دستوری دفعات کی تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہمیں دستور ہند نے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کی شکل میں ایسے حقوق عطا کئے ہیں کہ جو

تمام دستور پر افضلیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ بنیادی حق کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔کوئی بھی عدالت اسے چھین نہیں سکتی۔اور سپریم کورٹ(Supreme Court) کی حالیہ تشریح کے مطابق سیکولرازم(Secularism) یعنی مذہبی غیر جانب داری یہ دستور ہند کے بنیادی ڈھانچہ (Basic Structure of the Constitution of India) کا حصہ ہے۔لہذا یہ معلوم ہوا از حد ضروری ہے کہ اگر دستور ہند کے بنیادی ڈھانچہ سے کسی مذہب (Religion) کی ضروری تعلیمات، ہدایات اور احکامات نہیں ٹکراتے ہیں تو اس مذہب کے پرسنل لا (Personal Law) کو پرسنل مذہبی معاملات میں دستور ہند (The Constitution of India) کے دیگر تمام قوانین اور دستوری دفعات پر برتری حاصل ہوگی۔ کیونکہ مذہبی آزادی کا حق نہ صرف یہ کہ دستوری حق ہے بلکہ یہ بنیادی حق ہے۔ قانون کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ہمارے دستور نے ہندوستان کے تمام باشندوں وہر مذہب کے ماننے والوں کو تین طرح کے حقوق تسلیم کیے ہیں:

### ۱-بنیادی حقوق(Fundamental Rights):

جن کی حفاظت کرنا اور ہر مستحق کو مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ان کو کسی بھی عدالت میں نہ چیلنج کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی عدالت کے ذریعہ انہیں چھینا جاسکتا ہے۔اور عدالت وحکومت کا فرض ہے کہ ان حقوق کو اس کے مستحق کو دیں۔

### ۲-دستوری حقوق(Constitutional Rights):

ان حقوق کو مہیا کرنا اور ان کی حفاظت کرنا یہ بھی ہر حکومت کی ذمہ داری ہے البتہ انہیں عدالت عالیہ (High Court) وعدالت عظمی (Supreme Court) میں مخصوص دفعہ کے تحت چیلنج کیا جاسکتا ہے، ان کی نئی تشریح کی عدالت سے درخواست کی جاسکتی ہے۔اور انہیں عدالت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

### ۳-قانونی حقوق(Legal Rights):

اس حق کو کسی بھی عدالت عالیہ نیز عدالت عظمی سے حاصل کرنے کے لئے اپیل کی جاسکتی ہے، اسی طرح نظر ثانی کی درخواست بھی کی جاسکتی ہے اپنے حق کے حصول یا تحفظ کے لئے ،لیکن ناچیز یہ عرض کرنے کی جرأت کرے گا کہ مسلمانوں کے معاملہ میں حکومتوں وعدالتوں کا رویہ انتہائی جارحانہ بلکہ ظالمانہ بن چکا ہے۔انہیں قانون کے ساتھ ساتھ دستوری بنیادی حقوق سے بھی محروم کیا جارہا ہے، جو کسی جمہوری ملک کے لئے شرمناک ہے۔

ہندوستان اسلام سے فتحِ سندھ ۲۰/جون، ۷۱۲ءمطابق دس رمضان، ۹۳ھ میں فتح دیول (کراچی) کے ساتھ ہی پہلی صدی ہجری کے آخر اور آٹھویں صدی عیسوی کے شروع میں متعارف ہوگیا تھا۔مسلمانوں نے شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ کے ساتھ ہی پرسنل لا کو اس کے ایک جزء کے طور پر فوراً ہی نافذ کردیا تھا۔ یہ صورت حال بنی امیہ کے اگلے لگ بھگ چالیس سالہ دور میں اسی طرح ہندوستان میں برقرار رہی۔اس کے بعد بنی امیہ کے مرکزِ حکومت دمشق کی جگہ پہلے کوفہ پھر بغداد عباسیوں کا دارالسلطنت بنا،لیکن افراتفری میں وہ ہندوستان کو یاد نہ رکھ سکے لہذا ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء سے ہندوستان کا تعلق بغداد سے خلیفہ مستنصر باللہ اور سلطان شمس الدین التمش(۱۲۱۲-۱۲۳۵ء) کے دور تک لگ بھگ ٹوٹا رہا۔لیکن فاتح عربوں نے ہندوستانیوں سے مل کر اپنی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں (خودمختار) قائم کرلیں، ان پانچ سلطنتوں میں سے(۱)سلطنتِ صفاریہ(۲)سلطنت ہامانیہ(۳)سلطنتِ ماہانیہ(۴) سلطنتِ مکران زیادہ مشہور ہوئیں، جو ۱۹۳ھ مطابق ۱۰۰۱ءمحمودغزنوی کے ان سلطنتوں پر حملہ تک سلطنتیں باقی رہیں۔لیکن ہر دور میں شرعی قوانین نافذ رہے۔جن کا ایک حصہ مسلم پرسنل لا بھی تھا۔ ان سلطنتوں کے ساتھ چھ چھوٹی چھوٹی مسلم/عرب کی زمینداریاں آگے اور تھیں ان کو بھی محمودغزنوی نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔[۱] ان کے علاوہ محمودغزنوی نے جھجھر ریاست سے پہلے تک مختلف رجواڑوں کو اپنی

سلطنت میں شامل کرلیا، اس کے بعد محمود غزنوی و مسعود غزنوی نے آگے کے ہندوستان کو فتح تو کئی بار کیا لیکن دیسی حکمرانوں سے خراج طے کر کے وطن واپس لوٹ جاتا تھا۔ محمود غزنوی کے کل ۱۷ رحملے بتائے جاتے ہیں جو ۱۰۲۷ء تک ہوئے۔ ہندوستان کا بہت تھوڑا سا علاقہ مقامی و دیسی ریاستوں سے محمود غزنوی و مسعود غزنوی نے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ اس دور میں بھی شرعی قوانین کا نفاذ جاری رہا۔ اس کے بعد محمد غوری/شہاب الدین غوری/غیاث الدین غوری نے محمود غزنوی کے پرپوتوں سے سارا علاقہ چھین لیا اور صرف جھجھر اسٹیٹ کو اپنے اسٹیٹ میں شامل کیا۔ دہلی (مرکزی علاقہ) اور آگے باقی ہندوستان کو محمود، مسعود کی پالیسی برقرار رکھتے ہوئے غوری نے حکومت میں شامل نہیں کیا کہ دور دراز کے علاقہ پر قبضہ وحکومت کافی مشکل ہوتا ہے لہذا وفاداری وخراج ادا کرنا کافی ہے۔ لیکن ۱۱۹۱ء میں جب غوری جھجھر ریاست سے خراج لینے آیا ہوا تھا اور باغی جھجھر حاکم خراج نہیں دینا چاہتا تھا تو غوری نے حملہ کر کے اسے معزول کردیا اور خراج لینے کے بعد اس کے بیٹے کو حکمراں بنا کر جارہا تھا کہ اچانک پرتھوی راج چوہان سوم (۱۱۷۲-۱۱۹۲ء) نے غوری پر حملہ کردیا اس کی کچھ فوج جاچکی کچھ باقی تھی، پرتھوی راج چوہان نے خفیہ تیاری کی تھی اور دوسو راجاؤں کے ساتھ اچانک غوری پر حملہ کیا تھا۔ غوری کی بہت سی فوج کام آئی باقی بھاگ کھڑی ہوئی جان بچاتے ومقابلہ کرتے ہوئے خود غوری کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔ اس کے غلام پھر داماد قطب الدین ایبک نے اپنی جان پر کھیل کر غوری کو بچایا۔

واپس پہنچ کر غوری نے اپنے بھائی کی مدد سے ایک زبردست فوج تیار کی نئے سپاہی بھرتی کئے، نیا ہتھیاروں کا ذخیرہ اور دوسری سواریوں والی فوج تیار کی، ۱۱۹۲ء (اگلے سال) میں مکمل تیاری کے ساتھ اس نے پرتھوی راج چوہان پر دولاکھ فوج کے ساتھ حملہ کیا، پرتھوی راج چوہان سوم نے دوسو راجاؤں کے ساتھ دولاکھ فوج سے غوری کا مقابلہ کیا لیکن چوہان کو شکست ملی۔ فتح کے بعد غوری نے قطب الدین ایبک کو ہندوستان (دہلی دارالسلطنت بنا کر) کا گورنر بنادیا اور یہاں سے نئی حکومت کا دور ہندوستان میں شروع ہوا۔ انہوں نے بھی شرعی قوانین کو نافذ

کیا جس میں مسلم پرسنل لا، ہندو پرسنل لا اور عیسائی پرسنل لا وغیرہ بھی تھا۔۱۲۰۶ء میں غوری کا انتقال ہوگیا تب ایبک نے اپنی ہندوستانی بادشاہت کا اعلان کیا۔

۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ تک کے دور کو ''سلطنت دور'' کہتے ہیں اس دوران بھی شریعت کے احکام کا نفاذ رہا۔

۱۵۲۶ء میں بابر ہندوستان کی پھوٹ کی وجہ سے حملہ آور ہوا اور کم فوج، متحدہ طاقت والا، عظیم الشان فوج والے (وپھوٹ والے) ابراہیم لودی پر غالب آیا۔۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک کے دور کو عہد مغلیہ کہتے ہیں۔اس دوران بھی اسلامی شرعی قوانین نافذ رہے جس کا ایک حصہ مسلم پرسنل لا بھی تھا لیکن گورنر جنرل کے اس فرمان (۱۷۹۱ء) کے ساتھ کہ جب دونوں فریق مسلمان ہوں۔اگرچہ سلطنت ومغلیہ دونوں عہدوں میں غیر مسلموں کے لئے الگ سے پنڈت جج کا نظم رہا، لیکن کچھ لوگ مسلمانوں کے قاضیوں سے اصرار کر کے فیصلہ کراتے تھے لہذا حکومتِ ہند نے اس کی بھی اجازت دی تھی۔

بہادر شاہ ظفر (1775-1862ء)(بادشاہت: ۱۸۲۷-۱۴ر ستمبر، ۱۸۵۷ء)
(ابو المظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ غازی کے نام سے بادشاہ بنے ظفر تخلص تھا) کی جنگ آزادی (۴رمئی، ۱۸۵۷ء-۱۴رستمبر، ۱۸۵۷ء) کی ناکامی کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔
اس کے بعد عدالتیں انگریزی میں کام کرنے لگیں حالانکہ ۱۹۲۹ء سے انگریزی فارسی کی جگہ لے چکی تھی۔اس کے بعد آہستہ آہستہ پرسنل لا پروان چڑھا۔جس کا ''برطانوی پریوی کونسل'' (British Privy Council) نے بھی ہمیشہ خیال رکھا اور نیچے کے دیگر کورٹوں نے بھی۔برطانوی کورٹ کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے اس سے معلوم ہوگا کہ انگریزوں نے کس طرح مذہب میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی بنائی تھی، نیز یہ بھی کہ اس پر کیسے عمل ہوتا تھا۔

<table>
<tr><th colspan="3">Legal Structure of Saint and the Grendines Courts</th></tr>
<tr><td colspan="3">Judicial Committee of the Privy Council, England<br>Final Court of Appeal</td></tr>
<tr><td colspan="3">Court of Appeal<br>3 Presiding Judges</td></tr>
<tr><td colspan="3">High Court<br>Single Judge Presides</td></tr>
<tr><td>Tribunals</td><td>Family Court<br>President Presides</td><td>Magistrates Courts<br>Magistrate Presides</td></tr>
</table>

اگرچہ عام طور پر کورٹس اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے لیکن کیونکہ وہ شریعت کے ماہر نہیں تھے لہذا ان سے بسا اوقات غلط فیصلے ہو جاتے تھے، اس امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ بعض جج ذاتی عناد کی وجہ سے اسلام کے خلاف فیصلہ کرتے ہوں۔ چنانچہ ہندو بھائیوں کے بارے میں کیونکہ انگریز ججوں کو یہ معلوم تھا کہ رواج ورسوم کو لکھے قانون سے بھی برتر ماںا جائے گا جس کا فیصلہ پریوی کونسل (Privy Council) نے بھی یہی دیا تھا۔ لہذا مہاراشٹر میں ایک مسلم کچھی میمن برادری کے بہن بھائی میں کافی بڑی جائداد کے بٹوارہ کا مقدمہ عدالت میں لڑا گیا۔ عدالت میں بھائی نے یہ دلیل پیش کی کہ ہم اگرچہ مسلمان ہوگئے تھے لیکن ہمارے یہاں رسم ورواج تمام ہندوؤں کے آج بھی چلتے ہیں چنانچہ ہندوؤں میں شادی شدہ بیٹی کو جائداد دینے کا کوئی رواج نہیں ہے لہذا ہمارا فیصلہ رواج کے مطابق میرے حق میں کردیا جائے نہ کہ بہن کے کہنے کے مطابق شریعت کے موافق، اس طرح بھائی نے رواج کو شریعت پر ترجیح دینے کے لئے عدالت سے کہا اور عدالت نے اسے تسلیم کرلیا۔

اس فیصلے کے خلاف تمام ہندوستان کے علماء ایسے ہی متحدہ طور پر جمع ہوئے اور تحریک چلائی جیسے شاہ بانو اور محمد احمد خاں کے مقدمہ میں علماء نے چلائی تھی۔ بالآخر مسلمانوں کو دونوں

میں کامیابی ملی پہلے فیصلہ کے نتیجہ میں Sharia Application Act, 1937 بنا، اس کے بعد Dissolution of Muslim Marriage Act, 1939 عالم وجود میں آیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے دیگر ایکٹ بنے۔

اس طرح ان ایکٹوں کی وجہ سے کسی حد تک Codification اسلامی شریعت کا ہوا۔ جس کا Codification نہیں ہوا ہے وہ سب شریعت کے مطابق دیکھے جائیں گے اور اس معاملہ میں عدالتیں فیصلے کرنے کی پابند ہیں۔ متعلقہ مسئلہ میں مفتی کا فتویٰ فیصلے کے لئے کافی مانا جاتا ہے۔ البتہ بسا اوقات ہائی کورٹ وسپریم کورٹ اپنی من مانی کرتے ہیں۔ اس طرح کی من مانی سپریم کورٹ نے کی تھی (شاہ بانو والے معاملہ میں) لہٰذا عظیم الشان تحریک چلی نتیجہ میں راجیو گاندھی کو Muslim the Women (Protection of Rights) on Divorce Act, 1986 بنانا پڑا۔

ہندوستان میں قانونی اور دستوری طور پر اگرچہ مسلم پرسنل لا (Muslim Personal Law) کو بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کا درجہ حاصل ہے، جس کو کوئی بھی عدالت چھین نہیں سکتی، اور جسے کسی بھی عدالت کی مدد سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن عدالتوں کے متعصب جج بسا اوقات اس کے صحیح طور پر نفاذ میں مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں، لیکن بیشتر جج صاحبان و نچلی عدالتیں مسلم پرسنل لا (اسلامی شریعت) کی پاسداری کرتی ہیں۔ (تاہم سپریم کورٹ نے یہ وضاحت کردی ہے کہ ہر مذہب کے لازمی قوانین کو ہی یہ تحفظ حاصل ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مستحبات کے لیے کبھی بھی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں، لیکن مشکلات ضروری نہیں کہ پیدا ہی ہوں، کیونکہ دوسرے بعض فیصلے اس فیصلہ کے خلاف بھی ہیں، غالباً اصل بات ہماری بیداری اور لاپرواہی میں سے کسی ایک سے متعلق ہوکر فیصلہ کن بنے گی کیونکہ عدالتیں بھی عوامی طاقت کے مظاہرہ (Protest) کو اچھی طرح پیش نظر رکھتی ہیں)۔ اسی طرح عدالتوں کی شرعی قوانین سے ناواقفیت بھی بعض مشکلات کو پیدا کرتی ہے، جیسا کہ دو

حقیقی بہنوں کے ایک نکاح میں جمع کرنے کے خلاف مقدمہ میں سپریم کورٹ کے ججوں سے یہ غلط فیصلہ صادر ہوا" ایک مسلمان کو پرسنل لا کے تحت دو عورتوں کو نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے، لہٰذا دونوں کو نکاح میں شوہر رکھ سکتا ہے"ہمیں اس فحش غلطی کو دلائل کے ساتھ علمی طور پر پہلے جج صاحبان پر واضح کردینا ہوگا، اس کے بعد ہی جج صاحبان سے ہم صحیح فیصلے کی توقع کر سکتے ہیں۔

تیسری اہم مشکل مسئلہ مسلم عوام کا اسلامی قوانین سے ناواقفیت ہونا بھی ہے، چوتھی مشکل پسماندگی اور غربت ہے، لہٰذا جمعہ کے خطبات میں ان مسائل کے عمومی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے سے ہم کسی حد تک مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں۔

## مصادر و مآخذ:


| | | |
|---|---|---|
| الصحیح للبخاری | محمد بن اسماعیل البخاری | |
| الصحیح لمسلم | مسلم بن الحجاج القشیری | |
| الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ | شیخ محمد اشرف علی تھانوی | |
| مجموعہ قوانین اسلامی | آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ | |
| فتاویٰ عالمگیری | | کتب خانہ رشیمیہ دیوبند |
| مجموعہ قوانین اسلام | ڈاکٹر تنزیل الرحمن | |
| اسلامی قانون | حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ | |
| حقوق الزوجین | مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ | |
| اسلامی فقہ | مولانا مجیب اللہ ندویؒ | تاج کمپنی، دہلی |
| معاشرتی مسائل | مولانا برہان الدین سنبھلی، ندوۃ العلما، لکھنؤ | |
| مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام | شمس تبریز خان | |
| اسلام کا عائلی نظام | مولانا سید جلال الدین عمری | مرکزی مکتبہ اسلامی پبلی کیشنز، دہلی |

| | | |
|---|---|---|
| اسلامی قانون | مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی | مفتی مالیرکوٹلہ پنجاب |
| مسلم پرسنل لا پر اعتراضات کی حقیقت | پروفیسر عمر حیات خاں غوری | |
| اسلامی قانون | مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ | مکتبہ جماعت اسلامی، گوشہ محل، حیدرآباد |
| علم الفقہ | مولانا عبدالشکور | کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند |
| مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ | پروفیسر طاہر محمود | ذاکر حسین اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی |
| اسلام کیا ہے؟ | مولانا منظور نعمانیؒ | |
| اسلامی قانون | مولانا یعقوب قاسمی | جامع علوم القرآن، گجرات |
| مسیح خدا نہیں | امام غزالیؒ، ترجمہ ظفر اقبال کلیار | فرید بک ڈپو، دہلی |
| فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر | مولانا تقی امینیؒ، ناظم دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ | |
| اجتہادی مسائل | مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی | ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب |
| سپریم کورٹ کا فیصلہ | مولانا شہاب الدین ندویؒ | فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور |
| جواہر الفقہ | مفتی محمد شفیع عثمانیؒ | مکتبہ تفسیر القرآن، عارف کمپنی، دیوبند |

## English Books

**Hindu Law**

R.K. Agarwal C.L. Agency, 30-D/1, Motilal Nehru Road, Allahabad

**Modern Hindu Law**

Paras Diwan, Law Agency, Mathura Road, Faridabad

**Muslim Laws Bare Act 2006**

Universal Law Publications Co. Pvt. Ltd.

**Hindu Laws Bare Act 2006**

Universal Law Publications Co. Pvt. Ltd.

**Hindu Bare Act 2008**

C.L. Publications 107, Darbhanga Colony, Allahabad

**Hindu Code**

Dr. Hari Singh Gour Law Publishers-Sardar Patel Marg Allahabad

**Hindu Law of Marriage and Divorce**

Dr. Hari Sing Gour Law Publishers- Sardar Patel Marg Allahabad

**Introduction to Modern Hindu Law**

J. Duncan M. Derret Oxford University Press- 1963

**Encyclopaedia of Religion and Ethics**

James Hastings, New York, Vol.13

**A Dictionary of Comparative Religion**

S.O.F. Brandon MA DO WEIDENFELD and NICOLSON, 5 Winsley Street London WI Vol. 1

**Muslim Law**

Syed Khalid Rashid Eastern Book Company, Lucknow 2004

**Mohammedon Law**

Aqil Ahmad Revised by: Prof, I.A. Khan, C.L. Agency, Allahabad

**Hindi Books**

**Hindu Vidhi**

R.K. Agarwal C.L. Agency, 30-D/1, Motilal Nehru Road, Allahabad

**Hindu Vidhi**

Kamlesh Shukla C.L. Agency, 30-D/1, Motilal Nehru Road, Allahabad

**Hindu Vidhi**

Dr. U.P.D. Kesari C.L. Publications, 107, Darbhanga Colony, Allahabad 2007

**Adhunik Hindu Vidhi**

Paras Diwan, Law Agency Publications, 10 Sir P.C.C. Banerjee Road, Allahabad.

# ہندوستان میں شرعی قوانین اور ہماری ذمہ داریاں

ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری ام ہانی☆

''الحمدللہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں اسلامی قوانین کی شکل میں اللہ کے بنائے ہوئے قانون عطا کئے گئے جو کسی بھی ملک یا مذہب یا قوم میں بنائے گئے انسانی قوانین سے یکسر بالاتر ہیں، کیونکہ ہمارا خالق ہی بہتر طریقہ سے ہمارے مسائل کا حل بتا سکتا ہے، اسے ہماری خلقت، ہماری ضرورت، ہمارا سماج، ہماری نفسیات اور ہر دور میں ہر جگہ ہمارے حالات کی اچھی طرح واقفیت ہے۔ اس کا بتایا ہوا ہر طریقہ ہر قانون ہمارے حق میں فائدہ مند ہے، صرف ہم مسلمانوں کے حق میں ہی نہیں بلکہ ہر انسان کے لئے یہ سودمند ہوگا اور ہر قانون پر اس کی بالا دستی ہوگی مگر کب؟ اور کیسے؟

اس کا صریح جواب یہی ہے کہ جب اللہ کے دین اسلام کو ماننے والے اسے اپنی عملی زندگی میں جاری وساری کریں گے اور ان کی زندگیوں اور معاشرہ میں اس کے فوائد ایک خوش گوار تبدیلی کی شکل میں اغیار کو نظر آئیں گے تو ان کے لئے یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہوگا''۔

اگر ہمیں مسلم ہونے کا دعویٰ ہے تو ہمارے لئے قطعی اس کی گنجائش نہیں کہ ہم اللہ کے جاری کردہ قوانین کے بجائے دوسروں کے قوانین کے تحت اپنے معاملات فیصل کرائیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی جگہ صاف طور پر اپنی شریعت کو نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو

☆ صدر شعبۂ عربی کرامت حسین پی جی کالج لکھنؤ۔
رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ انڈیا۔

تمہارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا'' (سورہ المائدہ، آیت: ۴۸)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ: ''جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں''۔(سورہ المائدہ، آیت: ۴۵)۔

اس لئے سب سے پہلے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم خود احکام شریعت سے واقف ہوں اور اپنے افرادخانہ، دیگر عزیز و اقارب اور حتی الوسع اپنے معاشرہ کے افراد کو اس سے واقف کرائیں اور اس کے ساتھ ساتھ عملی طور پر ان احکامات پر کاربند ہوں، کیونکہ ہماری ناواقفیت اور بے عملی کے سبب دشمنان اسلام اسلامی شرعی احکامات کے خلاف تشہیر بھی کرتے ہیں اور مختلف حربے اپنا کر اس کو بدلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیتے ہیں۔ اس کے برعکس جب ہمارے اخلاق و کردار، معاملات و معاشرت میں اسلام کے عظیم قوانین پر چلنے سے پاکیزگی، امن وامان، سکون واطمینان اور فلاح و بہبود کا جیتا جاگتا نمونہ نظر آئے گا تو خود بخود صحیح سوچ وفکر رکھنے والے سلیم الطبع وطنی بھائی بہن اسلام کی حقانیت وصداقت سے متاثر ہوں گے۔

موجودہ حالات میں ہندوستان میں اپنے دین وشریعت کی معنویت، اس کے تحفظ اور اس کی نشر واشاعت اور فروغ دینے کا عظیم و اہم فریضہ انجام دینے کے لئے ہمارا یہ پہلا قدم ہوگا۔ اس کے لئے پورے مسلم معاشرے میں یہ فضا بنانی ہوگی اور افراد کی ذہن سازی کرنی ہوگی کہ وہ اپنے باہمی مقدمات وعائلی مسائل اپنے اپنے علاقہ کے شرعی دارالقضاء اور شرعی پنچایتوں میں مسلم قاضی کے پاس لے کر جائیں اور ان سے فیصلے کرائیں، مگر یہ کوئی آسان بات نہیں۔ اس کے لئے ہمارے باعمل دینی علماء کو مضبوط اقدامات کرنے ہوں گے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو بہت فعال ہونا پڑے گا، اور ہر چھوٹی بڑی مسلم آبادیوں میں اس کے انتظامات کرنے ہوں گے۔ چونکہ اس کے تار وپود اصلاح معاشرہ سے جڑے ہوئے ہیں اس لئے اس کام میں وسعت اور تیزی لانی ہوگی۔

یہ دو اہم اقدامات ہمارے اندر اس بات کے لئے زبردست مضبوطی لا سکتے ہیں کہ ہم

ہندوستان میں مسلمان قاضی مقرر کئے جانے کا مطالبہ پُر زور انداز میں کر سکتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے، ان کے علماء ومفتیان نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جس کے نتیجے میں انگریزوں نے مسلمانوں کی شرعی عدالتیں ختم کر دی تھیں، شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد ریشمی رومال تحریک اور تحریک خلافت کے حوالے سے مسلمانوں نے بے نظیر قربانیاں پیش کیں۔مولانا محمد علی جوہر نے ۹ رنومبر ۱۹۲۹ء میں علماء کے وفد کی قیادت کرتے ہوئے وائسرائے کو مسلمانوں کے شرعی قانون کے بارے میں واضح بیان دیا۔مولانا ابو الکلام آزاد نے بھی اسلامی شرعی قوانین کی اہمیت وافادیت کا احساس مسلمانوں کو دلایا۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا مگر مسلمانان ہند مختلف قسم کے مسائل ومصائب میں الجھے رہے یا الجھائے گئے اور آج بھی سیکولر کہلانے والے اس ملک میں مسلمانوں کے ساتھ ہر شعبۂ زندگی میں حکومتوں کی طرف سے جو ہو رہا ہے اس سے ہر حساس دل اچھی طرح واقف ہے۔ جمہوریت کے علمبردار ہندوستان میں اب تک مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری نہیں ہو سکی ہے، اس لئے ہمیں متحد ہو کر حکومت سے مسلمان قاضی کے تقرر کا مطالبہ پُر زور طریقے پر کرنا چاہئے۔

لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات جو مسلم عوام کو درپیش ہے وہ یہ کہ ہماری ذاتی شرعی عدالتیں، ہمارے علماء، ہمارے مجتہدین اور ہمارے اصلاح معاشرہ کے علمبردار کیا کر رہے ہیں۔ عجیب وغریب فتووں سے آئے دن مسلمانوں کو اہل وطن کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ اصلاح کی محفلیں، مجلسیں، سمینار، کانفرنس کی ہر چہار طرف بھرمار ہے۔۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کیس کے بعد علماء نے پارلیمنٹ تک آواز اٹھائی اور بے انتہا جدوجہد کی تاکہ ہمارے شرعی قوانین پر ضرب نہ آئے، مگر اس بات کے لئے کتنے ٹھوس اقدامات کئے گئے کہ مطلقہ خواتین، بیوہ ونادار کا جو حصہ مسلم عوام کی زکوٰۃ بیت المال اور اوقاف کی جائیداد میں ہوتا ہے وہ منظم انداز میں ایمانداری کے ساتھ اجتماعی طور پر فروغ دے کر انہیں دیا جائے۔ زکوٰۃ، خیرات، صدقات کا اجتماعی نظام اور مستحقین کو ان تک پہنچانے کا کام جب تک رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر قرآن

پاک کے احکام کی روشنی میں نہیں کیا جائے گا تب تک ہمارے شرعی قوانین کا تحفظ اور افادیت خطرے میں رہے گا، کاغذ پر صرف قوانین منوالینا مؤثر نہ ہوگا بلکہ اس کا نفاذ اس طریقہ پر کرنا ہوگا کہ مجرم کو سزا بھی دی جائے اور مظلوم کے ساتھ احسان و امداد کو عمل میں لایا جائے، تبھی شرعی قوانین کے سودمند نتائج اور فوائد سماج ومعاشرہ میں نظر آئیں گے۔

آخر میں میری گزارش اپنے معزز علمائے کرام ومجتہدین سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں Flexibility of Law کی جو متعدد مثالیں ملتی ہیں ان سے استفادہ کرتے ہوئے شرعی قوانین کے نفاذ کا خاکہ تیار کرنا ہی جدید دور یا کسی بھی زمانہ وملک کے لئے کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ اللہ کا دین اور اس کے احکامات قیامت تک کے لئے تروتازہ وافادیت کے حامل ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس دین پر چلتے ہوئے مسائل کے انبار تلے دبے ہوئے ہیں؟ یہ ایک ایسا لمحۂ فکریہ ہے جو ہمارے ہر فرد کے لئے تازیانہ ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

☆☆☆